ان من البیان لسحرا (الحدیث)

خطبات حکیم العصر

افادات

حکیم العصر، محدث دوراں

ولی کامل، مخدوم العلماء

حضرت اقدس

مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم

کہروڑپکا ضلع لودھراں

امیر مرکزی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

جلد دو[م]

اہتمام :

اُستاذُ ال[...]

حضرت مولانا مفتی ظ[...]

ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ [...]

حکیم العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے

علمی خطبات کا حسین مجموعہ

خطبات حکیم العصر

جلد 12

مکتبہ شیخ لدھیانوی

باب العلوم کہروڑ پکا ضلع لودھراں

نام کتاب: خطبات حکیم العصر (جلد نمبر 12)

خطیب: حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ

اہتمام: استاذ العلماء مفتی ظفر اقبال مدظلہ

پروف ریڈنگ: مفتی صہیب ظفر ومفتی کلیم صاحب

کمپوزنگ: مولوی صہیب محمود مسہ کوٹی ومحمد فیاض

تعداد: 1100

اشاعت اول: اکتوبر 2012

ناشر

مکتبہ شیخ لدھیانوی باب العلوم کہروڑ پکا ضلع لودھراں

فون 0300-6804071 : 0300-6342796

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ
اے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں
اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں (سورۃ الفاتحۃ آیت ۴)

انتساب

شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت اقدس

مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

اجمالی فہرست

فہرست

تہذیبوں کا تصادم اور صراط مستقیم (۱)

تہذیبوں کا تصادم اور صراط مستقیم (۲)

توبہ کی حقیقت وفضیلت

جامعیت عقیدہ توحید

فتنوں سے حفاظت کا طریقہ

مقام نبوت

انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ سنتیں

نزول قرآن اور استقبال رمضان

عظمت قرآن

عقیدہ معاد کی اہمیت

مدارس دینیہ کے احسانات

پاکستان کا مستقبل علماء سے وابستہ ہے

اہل علم کا مقام

جہالت جہنم کا راستہ ہے

نیکی کے ثمرات

درسِ شکر

عظمت حدیث

فتنۂ قادیانیت اور دجال

اللہ کے سپاہی

خانقاہ اور مدرسہ

پیش لفظ

بے انتہاء شکر اور احسان اس پروردگارِ عالم کا جس کی توفیق اور فضل وکرم سے اپنے شیخ ومربی حکیم العصر، محدث جلیل حضرت اقدس مولانا عبدالمجید صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم العالیہ امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مواعظ وخطبات کی بارہویں جلد آپ تک پہنچانے کی سعادت حاصل کررہا ہوں اس پر جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔

اس جلد کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں حضرت حکیم العصر مدظلہ کے وہ بیانات بھی شامل ہیں جو آپ نے حرمین شریفین کے مقدس ومعظم مقامات پر ارشاد فرمائے اور وہ بیانات بھی ہیں جو آپ نے تحفظ ختم نبوت کانفرنس (برطانیہ) کے سفر میں ارشاد فرمائے، اس طرح قارئین کرام اس جلد میں "تہذیبوں کا تصادم اور صراطِ مستقیم، توبہ کی حقیقت اور فضیلت، جامعیت عقیدہ توحید، تحفظ ختم نبوت کی اہمیت وفضیلت، مقام نبوت، عظمت قرآن، نزولِ قرآن، استقبالِ رمضان، شبِ برات کے فضائل، عقیدہ معاد کی حقیقت واہمیت، مدارس کے احسانات، نیکی کے ثمرات، جہالت کے نقصانات، علم کے فوائد اور اللہ کے سپاہی" جیسے دیگر اہم موضوعات کے متعلق راہنمائی حاصل کریں گے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض گذار ہوں کہ یا اللہ میری اس حقیری کوشش کو قبول فرما اور میرے لیے آخرت میں نجات کی ذریعہ بنا۔

یا اللہ! تجھ ہی سے میں اجر کا طالب ہوں، شہرت اور ریاکاری سے آپ کی پناہ

مانگتا ہوں، یا اللہ! قبول فرما اور جن حضرات نے اس سلسلہ میں اس کی تیاری اور اس کی اشاعت میں مجھ سے تعاون کیا یا اللہ! تو انہیں اپنی شایان شان اجر عطاء فرما۔ اور ان کو دنیا اور آخرت میں کامیابیوں سے ہمکنار فرما۔

(آمین)

دعا گو

ابوطلحہ غفرلہ

جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

تہذیبوں کا تصادم اور صراط مستقیم نمبر (۱)

بمقام: مدینہ منورہ

بتاریخ: ۱۴۳۲ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّابَعْدُ :فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِھْدِ نَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَاالضَّآلِّیْنَ،

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْم وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

مکہ مکرمہ میں طبیعت کا تقاضا:

مدینہ منورہ میں حاضری کے بعد جی یہی کرتا ہے کہ جہاں بھی وعظ ہو تو وہ سرور کائنات ﷺ کی ذات اقدس کے اردگرد ہی گھومنا چاہیئے، کیونکہ ایک مقام کا تقاضا ہوتا ہے، قدرتی بات ہے جیسے طبعاً مکہ مکرمہ میں تسبیحات میں دل زیادہ لگتا ہے اسی طرح مدینہ منورہ میں درود شریف میں دل زیادہ لگتا ہے، وہاں اللہ کا گھر سامنے ہوتا ہے تو طبیعت تسبیح کی طرف رغبت کرتی ہے "سبحان الله والحمدلله ولااله الا الله والله اکبر" ہم بیت اللہ کے اردگرد گھومتے ہیں تو سب سے اعلیٰ ذکر یہی تسبیحات ہیں، سرور کائنات ﷺ سے یہی ثابت ہے۔

دعا تو آپ ﷺ مانگتے تھے بیت اللہ میں وہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان "ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار" صراحت کے ساتھ دعا یہی ثابت ہے، باقی ہر قسم کی دعا جائز ہے اور وہ جو ہمارے بزرگوں نے ساتوں چکروں کی دعائیں علیحدہ علیحدہ مرتب کر کے لکھی ہوئی ہیں وہ ضروری نہیں ہیں وہ عوام الناس کی سہولت کے لئے ہیں کہ اس کے ساتھ ان کو چکر بھی یاد رہ جاتے ہیں اور کچھ منقول وغیر منقول دعائیں بھی سامنے آجاتی ہیں، ورنہ دعا اپنی زبان میں مانگیں جو بھی مانگیں دل میں مانگیں سب جائز ہیں، لیکن اعلیٰ ترین ذکر یہ تسبیحات ہیں یا یہ "ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار" یہ کلمہ حضور ﷺ سے صراحتاً ثابت ہے۔

مدینہ منورہ میں مقبول ترین عبادت:

اور جب مدینہ منورہ کی حاضری ہوتی ہے تو جیسے وہاں بیت اللہ سامنے ہے اور اللہ یاد آتا ہے اور یہاں مسجد نبوی کا گنبد سامنے ہوتا ہے تو سرور کائنات ﷺ کا تصور آتا ہے، مقام کا تقاضا ہے کہ جب سرور کائنات ﷺ کا بیان آتا ہے تو لازماً زبان

کے اوپر درود شریف جاری ہوتا ہے تو یہاں سب سے مقبول ترین عبادت جو ہے وہ صرف صلوۃ وسلام ہے، جتنا پڑھ سکتے ہیں پڑھیں، اور اس میں بھی کوئی مواجہ شریف میں جانا ضروری نہیں وہاں دقت بھی پیش آتی ہے وہاں سکون واطمینان بھی نہیں بلکہ وہاں حاضری ہوگئی دن میں ایک دفعہ ہوگئی باقی مسجد میں بیٹھ کے تسبیح اپنے ہاتھ میں لو نہ لو جتنا بھی پڑھ سکتے ہو سرور کائنات ﷺ پر صلوۃ وسلام بھیجو۔

ہر حال میں صلوۃ وسلام حضور ﷺ تک پہنچتا ہے :

دور اور قریب کا فرق ہے حدیث شریف میں آتا ہے یاد رکھیے ہمارے اکابر کا یہ عقیدہ ہے اس روایت کے ساتھ جو سرور کائنات ﷺ سے ثابت ہے "مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُهٗ" جو میری قبر کے قریب آکر درود پڑھے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے، صلوۃ وسلام پڑھا ہوا گم نہیں ہوتا کہیں براہ راست پہنچتا ہے یا فرشتوں کے ذریعہ سے پہنچا دیا جاتا ہے، یہ ہمارے اکابر کا معمول ہے اور ہمارے اکابر کا عقیدہ ہے، باقی ہمارا کام یہ ہے کہ جو سن لیا غائبانہ ہم اس کے اوپر ایمان لاتے ہیں۔

یہ سوال عام طور پر لوگ خواہ مخواہ شک پیدا کرنے کے لئے اٹھانا شروع کر دیتے ہیں کہ قریب کتنا ہوتا ہے اور دور کتنا ہوتا ہے؟ کہاں تک ہم سمجھیں کہ یہ قریب ہے اور کہاں تک ہم سمجھیں کہ یہ دور ہے، ان شبہات میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، عقیدہ یہ رکھو کہ اگر قریب ہیں تو سنتے ہیں اور اگر دور ہیں تو پہنچا دیا جاتا ہے، بہر حال صلوۃ وسلام حضور ﷺ کے ہاں پہنچتا ہے، آدمی اگر مسجد میں بیٹھا ہو تو ذہنی طور پر اپنے آپ کو قریب سمجھتا ہے اور اگر مسجد سے باہر ہو تو ذہنی طور پر اپنے آپ کو دور سمجھتا ہے صلوۃ وسلام حضور ﷺ کو پہنچتا ہے اور آپ سلام سنتے بھی ہیں اور بعض روایات میں ہے

کہ سلام آپ ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے تو نام لے کر کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص آپ ﷺ کو سلام کہہ رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ اس کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

سادہ سا عقیدہ یہی ٹھیک ہے اور اس کے مطابق اس تصور کے ساتھ مسجد میں مسجد کے آس پاس روضہ اقدس کے سامنے اگر انسان خطاب بھی کرے اور یہ دل میں خیال ہو کہ رسول اللہ ﷺ براہ راست سن رہے ہیں تو یہ بھی ٹھیک ہے "الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ" مگر مسجد سے باہر پڑھیں تو عام طور پر جس طرح سے "اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد" یہ اللہ سے دعا ہے اور اگر اسے بھی پڑھیں لیکن دل میں عقیدہ یہ ہو کہ فرشتے پہنچادیتے ہیں اور جب فرشتے وہاں پہنچائیں گے تو خطاب بن جائے گا تو اس طرح سے بھی یہ ٹھیک ہے۔

سماع درود کے متعلق علماء دیوبند کا عقیدہ :

اس مسئلہ کی تفصیل شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "شہاب ثاقب" کے اندر کی ہے، جو آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں کہ اگر آپ پاکستان سے بھی خطاب کے ساتھ پڑھیں لیکن اس عقیدہ کے ساتھ کہ فرشتے پہنچادیں گے تو یہ ٹھیک ہے جیسے فرشتے پہنچائیں گے خطاب ہو جائے گا، لیکن یہ عقیدہ کہ ہر جگہ سے سنتے ہیں، ہر جگہ سے براہ راست سنتے ہیں یہ عقیدہ ہمارے اکابر کا نہیں ہے یہ اللہ کی شان ہے ہر بات سنتا ہے، ہر جگہ سے سنتا ہے، ہر کسی کی سنتا ہے، ہر وقت سنتا ہے، یہ اللہ کی خصوصیات میں سے ہے۔

سرور کائنات ﷺ کے سماع پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ صراحت کی ہے ان کی کتابوں میں موجود ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ حضور ﷺ قریب سے براہ راست سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں اور دور سے درود شریف فرشتوں کے ذریعے سے پہنچادیا جاتا ہے، بہرحال وہ پڑھا ہوا جو ہے وہ کہیں راستے میں

گم نہیں ہوتا وہ سرورکائنات ﷺ تک پہنچ جاتا ہے، یہاں سب سے اچھی اوراعلیٰ عبادت صلوۃ وسلام ہے، بیت اللہ کو دیکھتے ہیں تسبیحات پڑھنے کو جی چاہتا ہے روضہ اقدس کو دیکھتے ہیں تو صلوۃ وسلام پڑھنے کو جی چاہتا ہے، وقت کے تقاضے کے ساتھ دونوں جگہ دونوں باتوں کی اہمیت ہے جس کی اللہ توفیق دے، تو باتیں ساری آپ کے سامنے آتی رہتی ہیں کوئی نئی بات تو کرنے کے لئے ہوتی نہیں۔

کمال ایمان کے لئے صرف محبت کافی نہیں :

آپ کے ہاں بھی علماء خطاب کرتے ہیں باتیں ساری سامنے آجاتی ہیں لیکن ایک بات کی طرف دل ذرا متوجہ تھا وہ میں کچھ اس انداز سے عرض کردوں دو باتیں متقابل ہیں جس طرح توحید کے مقابلہ میں شرک ہے اسی طرح سنت کے مقابلہ میں بدعت ہے، سنت وبدعت یہ دونوں متقابل ہیں توحیداور شرک یہ بھی آپس میں متقابل ہیں یہ مثال کے طور پر میں کہہ رہا ہوں، اور حضور ﷺ فرماتے ہیں "من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقداستکمل الایمان" (مشکوۃ ص ۱۴ ج ۱) یہاں دو باتیں بالمقابل ذکر کی ہیں "من احب للہ" جواللہ کے لئے محبت کرے "وابغض للہ" اوراللہ کے لئے بغض رکھے، گویا کہ محبت اور بغض یہ دونوں آپس میں متقابل ہیں، اگر کسی کو دیتا ہے "اعطی للہ" تو اللہ کی رضا کے لئے دے اوراگر نہیں دیتا "منع للہ" روکتا ہے تو اللہ کی رضا کے لئے روکے کہ اللہ نے یہاں خرچ کرنے سے منع کیا ہے اس لئے میں نہیں کرتا یہ بھی متقابل ہیں اللہ کے لئے دینا اور اللہ کے لئے روکنا یہ بھی دونوں باتیں متقابل ہیں۔

فرمایا کہ جس شخص کے اندر یہ جذبہ آگیا کہ آپس میں محبت بھی ہے بغض بھی ہے دیتا بھی ہے نہیں بھی دیتا، ہرصورت میں اللہ کی رضا پیش نظر ہے "استکمل الایمان" تو اس شخص کا ایمان کامل ہوگیا، تو گویا کہ ایمان کے لئے صرف محبت کافی

نہیں بلکہ کمال ایمان کے لئے بغض بھی ضروری ہے ،بات سمجھ میں آرہی ہے کہ ایمان کی تکمیل کے لئے محبت ہی کافی نہیں ،ایک آدمی کو توحید سے محبت ہے شرک سے نفرت نہیں ہے اس طرح وہ موحد سے محبت کرتا ہے مشرک سے نفرت نہیں کرتا،سنت سے محبت ہے لیکن بدعت سے نفرت نہیں ہے،،کوئی رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کے خلاف عمل کرتا ہے تو دل میں کڑھن نہیں ہے اس کا مطلب کہ ایک پہلوتو ہے محبت والا بغض والا پہلونہیں ہے،اوررسول اللہ ﷺ نے دونوں کو برابر ذکر کیاہے''من احب لله وابغض لله''جہاں سنت کی محبت وہاں خلاف سنت سے نفرت یہ دونوں باتیں ہوں گی تو ایمان کامل ہے اورصرف ایک بات ہوتو یوں سمجھو کہ ایمان کامل نہیں ہے محبت کے ساتھ بغض بھی ضروری ہے۔

سورۃ فاتحہ متعدد مرتبہ پڑھتے ہیں لیکن.......:

یہ بات جوذہن میں آئی''من احب لله وابغض لله''تواس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذہن میں سورۃ فاتحہ کی طرف طبعیت متوجہ ہوگئی یہ توسورۃ فاتحہ میں بھی ہے اور ہم اس کو صبح وشام پڑھتے ہیں لیکن ادھرتوجہ نہیں جاتی کہ کیالکھاہے، اللہ کی کتاب کی سورتوں میں سے ایک سورت فاتحہ ایسی ہے کہ جتنا اس کا تکرار ہے کسی اور سورت کا تکرارنہیں ہے،سترہ رکعتیں توفرض ہیں دن رات میں اس میں توآپ سورۃ فاتحہ پڑھتے ہی پڑھتے ہیں،بارہ سنت مؤکدہ ہیں ان کے اندربھی سورۃ فاتحہ ہوتی ہے توکل انتیس(۲۹) ہوگئیں ،اوراگرنوافل ہوں توظہر کے بعد دونفل،عصرسے پہلے چارمغرب کے بعدپھرعشاء سے پہلے اورعشاء کے بعداور دوتہجد کے ملالیں پھرجاتے ہیں مسجد کی طرف توتحیۃ المسجد بھی پڑھ لی تحیۃ الوضوء بھی پڑھ لی توکم ازکم پچاس دفعہ ایک نمازی آدمی سورۃ فاتحہ پڑھتاہے اوراتناتکرارکسی سورت کا نہیں ہے جتنا اس کاتکرارہے۔

لیکن چونکہ ہمارا ذہن مطلب اور مفہوم کی طرف نہیں جاتا اور بسا اوقات اس کے سری اثرات ہماری صحت پر مرتب نہیں ہوتے، یہاں پر غفلت برت لیتے ہیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے شعر سے وضاحت :

ویسے ہی مثال کے طور پر سمجھانے کے لئے ایک بات عرض کردوں، ہمارے ہاں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو بہت اہمیت ہے، پاکستان میں لوگ کہتے ہیں کہ یہ مصور پاکستان ہے، اور دنیا جو ہے وہ ان کو حکیم الامت کہتی ہے اور واقعتاً ان کی کلام بڑی حکمت پر مبنی ہے ان کا ایک شعر ہے،

آ تجھ کو بتلاؤں کہ تقدیر امم کیا ہے
شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر

کہ آمیں تجھ کو بتاؤں کہ امت کی تقدیر کیا ہے جس وقت تک امت کے ہاتھ میں تلوار اور نیزہ ہے سمجھو کہ امت ترقی کی طرف جارہی ہے یہ امت کی ابتداء ہے ابھر رہی ہے اور جس وقت طبل ورباب ہاتھ میں آگیا گانے بجانے کے آلات ہاتھ میں آگئے تو سمجھو کہ امت کی انتہاء ہے، شمشیر وسناں اول طبل ورباب آخر یا طاؤس ورباب آخر یہ آلات کے نام ہیں جو موسیقی کے ہیں کہ جب وہ قوم کے ہاتھ میں آجائیں تو یوں سمجھو کہ اختتام ہے، اور اگر کوئی مراثی طبل ورباب پر گانے بجانے لگ جائے،

آ تجھ کو بتلاؤں کہ تقدیر امم کیا ہے،

اور بجا رہا ہو طبل ورباب یعنی اسی شعر کو طبل ورباب پر گانے لگ جائے

آ تجھ کو بتلاؤں کہ تقدیر امم کیا ہے
شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر

تو آپ کیا کہیں گے کہ یا تو اس کا دماغ خراب ہے اس کو یہ پتہ ہی نہیں کہ کہہ کیا رہا ہے اور کر کیا رہا ہے، یا تو وہ اس شعر کا مذاق اڑا رہا ہے یا پھر وہ اس کو سمجھتا ہی نہیں ہے، یہی ہوگا ورنہ زبان کے ساتھ امت کے اختتام کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور خود گا رہا ہے بسا اوقات یوں ہوتا ہے۔

صراط مستقیم کسے کہتے ہیں؟:

اب ہم جو سورت فاتحہ پڑھتے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا سکھائی ہے یہی الفاظ جو میں نے آپ کے سامنے پڑھے ہیں "اھدنا الصراط المستقیم" یا اللہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت دے، صراط مستقیم کا لفظی ترجمہ ہے سیدھا راستہ اور سیدھا راستہ جو ہوا کرتا ہے وہی سب سے مختصر ہوتا ہے جتنا آپ پیچ وتاب کھاتے ہوئے جائیں گے مسافت بڑھتی جاتی ہے، اور اگر راستہ سیدھا ہو تو مسافت کم ہوتی ہے اور ایک صراط مستقیم کا معنی یہ بھی آتا ہے "بے خطر راستہ" جیسے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ایک رباعی ہے جس کا ایک مصرعہ ہے۔

راہ راست برو گرچہ دور است

اب راہ راست کا معنی تو یہی ہے کہ سیدھا راستہ، سیدھے راستے پر چلو اگرچہ دور ہی ہو، اب وہاں خواہ مخواہ ذہن میں ایک سوال اٹھتا ہے کہ سیدھا راستہ چھوٹا ہو تو اس کے دور ہونے کا کیا سوال؟ راہ راست برو گرچہ دور است، تو وہاں اس کا معنی یہی ہے کہ بے خطر راستے پر چلو خواہ دور ہی کیوں نہ ہو، تو صراط مستقیم میں دونوں باتیں ہیں چھوٹا بھی ہو مسافت کم اور بے خطر ہو اس میں کوئی خطرہ نہ ہو کسی قسم کا، بے خوف انسان اس کے اوپر چلتا جائے اور بہت تھوڑے وقت میں منزل پر پہنچ جائے اس کو کہتے ہیں صراط مستقیم اللہ نے ہمیں یہ کہا کہ یہ دعا کیا کرو کہ یا اللہ! ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت دے۔

صراط مستقیم کونسا راستہ ہے؟:

اب وہ صراط مستقیم کونسا راستہ ہے؟ اب یہاں بات کر رہا ہوں معاف کرنا لفظوں کے ہیر پھیر میں نہ جانا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ قرآن وحدیث میں غور کیا کرو جو تمہاری سمجھ میں آجائے وہ صراط مستقیم ہے یہ نہیں کہا، قرآن وحدیث میں غور کر کے لوگوں نے بہت ٹیڑھے راستے نکال لئے جس کو دیکھو قرآن اٹھائے پھرتا ہے، جس کو دیکھو حدیث کی کتاب اٹھائے پھرتا ہے، اللہ نے یہاں شخصیات کو سامنے رکھا ہے ''**صراط الذین انعمت علیھم**'' صراط مستقیم کونسا؟ ان لوگوں کا راستہ جن پر اللہ کا انعام ہوا وہ شخصیات ہیں اور اللہ کا انعام کن پر ہوا یہ ہیں منعم علیہم ''**اولئک الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا**'' انبیاء علیہم السلام ہیں، شہداء ہیں، صدیقین ہیں، صالحین ہیں یہ ہیں منعم علیہم۔

لیکن یہ بات اہل علم تو جانتے ہیں کوشش کرتا ہوں سمجھانے کی ان میں بھی ترتیب اللہ نے رکھی ہے یہ خاص سے عام کی طرف ہے، یہ ترتیب خاص سے عام کی طرف ہے، انبیاء علیہم السلام سب سے خاص گروہ ہے، صدیق اس سے عام ہے صدیق نبی بھی ہوسکتا ہے غیر نبی بھی ہوسکتا ہے، شہداء، شہداء صرف اللہ کے راستے میں خون بہانے والے نہیں، جو اپنے قول وعمل سے حق کی شہادت دیتے ہیں وہ سب مراد ہیں، وہ صدیق سے بھی عام ہیں اور آگے آ گیا صالحین، صالحین کا معنی اللہ کے فرمانبردار لوگ جن کو ہم اولیاء اللہ نیک لوگ کہتے ہیں وہ سب سے عام ہیں۔

کیونکہ قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام پر بھی صالحین کا لفظ آیا ہے ''**انہ فی الآخرۃ لمن الصالحین**'' تو صالح کا لفظ جو ہے یہ نبی پر بھی بولا جاتا ہے، صدیق پر بھی بولا جاتا ہے، شہید پر بھی بولا جاتا ہے، تو صالح کا لفظ سب سے عام ہے، اس لئے اگر ان چاروں کو مختصر کرنا ہو تو مختصر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ''**صراط الصالحین**'' صراط

الصالحین کے اندر نبی بھی آگئے ،صراط الصالحین کے اندر صدیقین بھی آگئے اورشہداء بھی آگئے اور صالحین سب سے عام ہوگیا اللہ کے فرمانبردار جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جن کو ہم نیک لوگ کہتے ہیں یا جن کو ہم اپنی سادہ زبان میں اولیاء اللہ کہتے ہیں صالحین کا مصداق وہ ہوگئے یہ چاروں گروہوں کو شامل ہے ،تو مختصر کر کے آپ یوں سمجھ لیجئے کہ اے اللہ ہمیں صالحین کے راستے پر چلا ،ہمیں صالحین کے راستہ کی ہدایت دے۔

نحوی قاعدے کی وضاحت مثال سے :

کیونکہ نحوی طور پر ''اھدنا الصراط المستقیم'' مبدل منہ ہے اور ''صراط الذین انعمت علیھم'' اس سے بدل ہے ،مبدل منہ وضاحت کے لئے ہوتا ہے اصل مقصود بدل ہوتا ہے ،میں کہتا ہوں کہ تیرا بھائی زید میرے پاس آیا تھا ،بتایا ہے کہ زید آیا ہے لیکن زید کئی ہوسکتے ہیں اس نے تیرا بھائی کہہ کر متعین کیا ہے کہ میرے پاس تیرا بھائی زید آیا ،تیرا بھائی کہنا مقصود نہیں ،زید کہنا مقصود ہے ،اور اگر بھائی کہنا مقصود ہو تو یوں کہیں گے کہ میرے پاس زید تیرا بھائی آیا تو وہاں زید بتانا مقصود نہیں بھائی بتانا مقصود ہے ،تو یہاں صراط مستقیم گویا کہ مقصود نہیں ہے وضاحت کے لئے ہے اصل مقصود ہے صراط الصالحین ،نیک لوگوں کا راستہ یہ دعا مانگو کہ اے اللہ! ہمیں صالحین کے راستے پر چلنے کی توفیق دے یہ معنی ہے ''اھدنا الصراط المستقیم'' کا۔

صالحین کون لوگ ہیں؟ :

اب آگے پھر سوال ہوگا کہ ہم صالحین کن کو سمجھیں ؟ صالحین کا کیا معیار ہے؟ تو صالحین کے ساتھ دو لفظ بڑھا دیئے گئے ''غیر المغضوب علیھم ولا الضالین'' کہ صالحین وہ ہوتے ہیں کہ نہ ان پر اللہ کا غضب ہوتا ہے نہ وہ بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں ''مغضوب علیھم'' جن پر اللہ کا غضب ہو ،غیر کا معنی کہ وہ نہیں ہونے چاہئیں ، صالحین جو ہیں وہ مغضوب علیھم نہیں ہوتے ،اور ضالین کا معنی بھٹکے ہوئے جو صحیح راستے

سے اتر گئے، لائن سے اتر گئے صالحین وہ بھی نہیں ہوتے ،تو یہ بدل سے آگے بدل ہے، اس لئے اس نام کو مختصر کرنا ہو تو یوں کہیں گے کہ یا اللہ ہمیں مغضوب علیہم اور ضالین کے راستہ پر نہ چلا ہمیں صالحین کے راستہ پر چلا۔

اور جب ہم تفاسیر کا مطالعہ کرتے ہیں مثلاً جیسے ہمارے ہاں مدارس میں جلالین پڑھائی جاتی ہے کیونکہ مختصر تفسیر ہے اور بہت جامع تفسیر ہے تو وہاں اس میں لکھا ہوا ہوگا ورنہ ہر تفسیر کے اندر یہ بات لکھی ہوئی ہوگی کہ مغضوب علیہم سے یہود مراد ہیں اور ضالین سے نصاریٰ مراد ہیں ،اور ساتھ جلالین میں یہ لفظ ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ ہوگیا کہ یہود و نصاریٰ کا طریقہ یہ صراط مستقیم نہیں ہے یہ ساتھ جلالین میں الفاظ لکھے ہوئے ہیں ،اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کا طریقہ یہ صراط مستقیم نہیں ہے اور یہ لوگ صالحین کا مصداق نہیں ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے راستے سے نفرت ضروری ہے:

آگے اس میں دو پہلو آگئے'' صراط الصالحین '' ایک پہلو آگیا محبت کا یہ تقاضا کرتا ہے کہ آپس میں محبت رکھو اور دوسرا پہلو آگیا'' مغضوب علیهم'' اور'' ضالین'' کا وہ منفی پہلو آگیا ،اس سے نفرت رکھو ،تو اگر ضالین اور مغضوب علیہم کے راستے سے نفرت نہیں تو صالحین کے راستے سے محبت کافی نہیں ہے، ایمان کامل تب ہوگا جب صالحین کے راستے کے ساتھ محبت ہو اور یہود و نصاریٰ کے راستے سے نفرت ہو یہ وہ بات ہے جو ہم پچاس دفعہ دن میں کہتے ہیں کہ یا اللہ! ہم صالحین کے راستے پر چلنا چاہتے ہیں ہمیں یہود و نصاریٰ کے راستہ پر نہ چلا، پچاس دفعہ دن میں کم از کم یہ بات کہتے ہیں لیکن ہم نے یہ سوچنے کی تکلیف ہی نہیں کی کہ یہود کا طریقہ کیا ہے؟ ضالین کا طریقہ کیا ہے؟ جس سے بچنے کی ہم دعا کر رہے ہیں اور صالحین کا طریقہ کیا ہے؟ جس پر چلنے کی ہم تمنا کر رہے ہیں یہ تو وہی آگیا
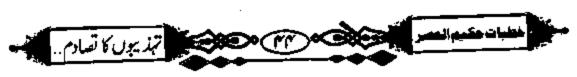
شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر

یہود کی مختصر تاریخ:

یہود جو ہیں جو اس وقت پوری دنیا میں فتنے کی صورت اختیار کئے ہوئے ہیں مختصر سی تاریخ ہے ان کی کہ اسرائیل نام ہے اصل کے اعتبار سے یعقوب علیہ السلام کا اور یہ پوتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے، ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسحاق علیہ السلام اسحاق کے علیہ السلام بیٹے یعقوب علیہ السلام، یعقوب کا معنی اسرائیل، اور اسرائیل یعقوب علیہ السلام ان کے بارہ بیٹے ہیں جن میں یوسف علیہ السلام بھی تھے اور یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی ماں باپ کی طرف سے بنیامین علیہ السلام بھی تھے، اور باقی دس بھائی جو ہیں وہ دوسری والدہ سے ہیں ایک والدہ سے نہیں ہیں قرآن کریم میں مستقل اس نام کی ایک سورت ہے۔

کبھی بھی ہمارا ذہن اس بات کی طرف نہیں جاتا کہ اللہ کے یہ بندے یعقوب علیہ السلام کی اولاد جن کا باپ نبی دادا نبی جن کا پڑدادا نبی، لیکن یہ اتنا سازشی ٹولا تھا کہ سب سے پہلے سازش انہوں نے اپنے بھائی اور باپ کے خلاف کی، معلوم ہوگا آپ کو یوسف علیہ السلام کا قصہ تو پڑھا ہوگا، قرآن میں کیا بتایا سب سے پہلے سازش انہوں نے باپ اور بھائی کے خلاف کی، باپ کو بھی دھوکہ دیا بھائی کو بھی دھوکہ دیا، یوسف علیہ السلام کو کس طرح سے انہوں نے گھر سے اغواء کیا اور اغواء کرنے کے بعد کس طرح سے غلام بنا کر بیچا اور اپنے طور پر آنکھوں سے دور ہٹانے کی کتنی کوشش کی اور باپ کے سامنے آ کے کیا قصہ بنالیا تھا کہ بھیڑیا کھا گیا یہاں سے اس قوم کی ابتداء ہوتی ہے۔

یہود کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ برتاؤ:

انبیاء علیہم السلام ان میں آئے لیکن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ رہا ان کی اپنی نسل کے نبی تھے اللہ کے ممتاز بندے تھے ان کو سمجھانے آئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں کہتا ہے "فریقا کذبو وفریقا یقتلون" انبیاء علیہم السلام کے گروہ میں سے ایک گروہ کو

کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو ان کو جھوٹا قرار دے دیا اور ان کی بات نہیں مانی اور کچھ نبیوں کو قتل ہی کر دیا ''**یقتلون النبیین بغیر حق**'' یہ فریق نبیوں کو ناحق قتل کرتا رہا اللہ ان کی تاریخ بتاتا ہے ''**کلما جاء ھم رسول بمالا تھوی انفسھم**'' یہ خواہشات کے بندے ہیں، لذتوں کے پجاری، مال و دولت کے غلام، جب نبی ان کے پاس آتا تھا ''**بمالا تھوی انفسھم**'' جو بات ان کی خواہش کے خلاف کرتا تھا ان کی خواہش کے مطابق نہیں کہتا تھا ''**فریقا کذبوا وفریقا یقتلون**'' یا تو ان کو جھٹلایا یا قتل ہی کر دیا یہ ان کی تاریخ کی ایک خاص بات ہے کہ اپنی خواہشات کے خلاف بات برداشت نہیں کرتے انہوں نے اپنی خواہش پر چلنا ہے جو ان کی خواہش کی مخالفت کرے گا وہ اس کو جھٹلائیں گے یا مختلف بہانوں سے ماریں گے اپنی خواہشات کو سب پہ حاوی رکھنا چاہتے ہیں۔

یہود کی ذلت قرآن کی زبانی :

پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ جمعہ کے اندر فرمایا ''**مثل الذین حملوا التوراۃ**'' وہ لوگ جن پر تورات کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی قرآن میں دو سو سے زیادہ جگہ موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے کتاب کیسے ملی بہت لمبی تاریخ ہے میں کس مسئلے میں الجھ گیا آپ کے سامنے مختصر کر کے اس کو ذرا عرض کر دوں اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جن پر تورات کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی اور انہوں نے ذمہ داری نبھائی نہیں ''**مثلھم کمثل الحمار یحمل اسفارا**'' ان کی مثال گدھے جیسی ہے جن پر کتابیں لدی ہوں جن کو تورات دی گئی اور انہوں نے اس کی ذمہ داری محسوس نہیں کی ''**مثلھم کمثل الحمار**'' قرآن کہہ رہا ہے میں نہیں کہہ رہا یہ سورت جمعہ میں ہے یہ گدھے ہیں گدھے، کتابیں تو ان کے اوپر لدی ہوئی ہیں لیکن ان مذہبی کتابوں سے متاثر نہیں ہیں۔

اور انہی میں سے ایک بدبخت کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے "مثله کمثل الکلب ان تحمل علیه یلهث او تترکه یلهث" اس کی مثال کتے جیسی ہے جس کی زبان لٹکی ہوئی ہے ہر وقت اس کی رال ٹپکتی ہے،اس کے اوپر کوئی بوجھ ڈالو تو بھی ہانپتا ہے اور نہ ڈالو تو بھی ہانپتا ہے اور ان کی خاصیت ہے کہ "اخلد الی الارض" ان کا سارا میلان زمین کی طرف ہے زمین پر قبضہ کرنا اور اس سے اپنی خواہشات کو پورا کرنا قرآن ان کا مزاج بتاتا ہے تو یہ کتے کی مثال قرآن نے دی ہے ان کے ساتھ اور قرآن کہتا ہے "منهم القردة والخنازیر" ان لوگوں میں سے بعضوں کو اللہ نے خنزیر بنایا اور بعضوں کو بندر بنایا۔

اور ایک واقعہ کے ساتھ واقعہ نقل کر کے قرآن کہتا ہے "کونوا قردة خاسئین" ذلیل بندر ہو جاؤ سارے بندر بن گئے ،بندروں کا ذکر اس میں، گدھوں کا ذکر اس میں، کتوں کا ذکر اس میں، خنزیر کا ذکر اس میں،اب اگر میں ایک ایک لفظ کی تشریح کرنا چاہوں کہ ان لوگوں کے مزاج میں خنزیر جیسی کونسی خصلتیں ہیں ،کتوں کی کونسی خصلتیں ہیں ،گدھوں جیسی کونسی خصلتیں ہیں ،بندروں جیسی کونسی خصلتیں ہیں تو میں ان کی پوری تاریخ آپ کے سامنے بیان کر سکتا ہوں ،کبھی کبھی ان کی معنویت کو اللہ نے ظاہری شکل میں ظاہر کر دیا کسی کو سور بنادیا ،کسی کو بندر بنادیا،کسی کو کتا بنادیا ،کسی کو گدھا بنادیا ،یہ تاریخ ہے اس قوم کی،اب ایک طرف تو ان بندروں کی کتوں کی، خنزیروں کی ،گدھوں کی تہذیب ہے۔

حضور ﷺ کے جمالات وکمالات شعراء کی زبانی:

اور ایک طرف افضل الانبیا ﷺ کی تہذیب ،اشرف الانبیا ﷺ کی تہذیب کہ جس جیسا موتی پیدا ہی نہیں کیا اللہ نے ،دنیا میں حسن و جمال لو تو حسن و جمال میں بے مثال مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں

حسن یوسف کو تیرے حسن سے نسبت ہوسکتی نہیں
وہ محبوب زلیخا تو شاہد ستار

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں،

احسن منک لم ترقط عینی
واجمل منک لم تلد النساء

تیرے سے زیادہ جمیل میری آنکھ نے دیکھا نہیں تیرے سے زیادہ خوبصورت کسی ماں نے جنا نہیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں،

لو احی لائمات زلیخا ورأین جبینه
لآثرن بالقطع القلوب علی الید

زلیخا کو ملامت کرنے والیاں یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مست ہوگئی تھیں اگر تیری پیشانی دیکھ لیتیں تو دل کاٹ کے رکھ دیتیں، حسن و جمال ایسا، کمالات کی تو بات ہی کیا ہے،

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللہ کے بعد کائنات میں اس کی مثال موجود نہیں، مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ لکھتے ہیں،

سارے نبیوں کے کمال ایک تجھ میں ہیں
تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دوچار

اگر کسی میں ہیں تو دوچار ہوں گے سارے نبیوں کے مجموعی کمال تیرے اندر ہیں مثال کے ساتھ کتنا شاندار واضح کیا اس بات کو،

توبوئے گل ہے اگر مثل گل ہیں اور نبی
تونوردیدہ ہے اگر وہ ہیں دیدہ بیدار

اگر باقی نبیوں کی مثال پھول کے ساتھ دی جاسکتی ہے تو پھول کی خوشبو تو ہے اور اگر باقی نبی آنکھ کی طرح ہیں تو آنکھ کا نور تو ہے اس سے زیادہ جامعیت کمالات اور کیا بتائی جاسکتی ہے، بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

 حسن و جمال میں بے مثال،

کمالات میں بے مثال،

باقی فیض [illegible] اور ساری کائنات کے [illegible] جتنے احسانات ہیں اتنے کسی کے نہیں، خود آپ ﷺ نے فرمایا "الله اجود جودا" سب سے زیادہ فائدہ مخلوق کو اللہ نے پہنچایا "ثم انا اجود بنی آدم" آدم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے زیادہ اجود میں ہوں، میرا فیض ساری مخلوق کو ہے قیامت تک نمایاں ہوگا ساری مخلوق کو۔

رسول اللہ ﷺ کی سنت اور گدھوں کتوں کی تہذیب:

اب ایک طرف تو سنت ہو اس نبی کی جو ایک ایک محفوظ کی ہوئی ہے ہمارے اکابرین نے ہمارے علماء نے محفوظ رکھی ہوئی ہے، اور ایک طرف تہذیب ہے ان گدھوں کی بندروں کی سوروں کی اور کتوں کی تو "انعمت علیھم" میں یہ ہیں اور "مغضوب علیھم" میں یہ ہیں، اور ضال کی مثال تفسیر میں نصاریٰ کے ساتھ لکھی ہے کہ ان میں جہالت ہی جہالت ہے، سوائے خواہشات نفس کے ان کے پلے کچھ بھی نہیں۔

تو جب سرور کائنات ﷺ کا طریقہ ایک طرف ہو جس کو ہم سنت نبوی سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسری طرف ان گدھوں کی تہذیب ہو اور ان خنزیروں بندروں کی تہذیب ہو تو ایمان کا کمال تب ہوگا کہ سرور کائنات ﷺ کی سنت سے محبت ہو اور ان کے مخالفین کے طریقے سے نفرت ہو، لیکن محرومی ہماری یہ ہے کہ آج یہ یہود و نصاریٰ کی

تہذیب ہی ساری دنیا کے اوپر چڑھ گئی، خاص طور پر مسلمانوں کو انہوں نے نشانہ بنا کر برباد کیا آج

- سکھ اپنی شکل وصورت پہ قائم ہے،
- ہندو اپنی شکل وصورت پہ قائم ہے،

مسلمان اپنی شکل وصورت بھی گنوا بیٹھے ہیں، اپنی تاریخ بھی یاد نہیں کہ مسلمان کونسے ہیں اور تاریخ کونسی ہوتی ہے یہ سب بھلا بیٹھے ہیں اس لئے ''من احب لله و ابغض لله'' کے ساتھ سرور کائنات ﷺ کے طریقے سے محبت یہ ایمان کا ایک پہلو ہے، اور یہود ونصاریٰ کے طریقے سے نفرت یہ ایمان کا دوسرا پہلو ہے، جب تک یہ دونوں نہیں ہوں گے اس وقت تک ایمان کامل نہیں، گھڑی دیکھ رہا ہوں تو میں مجبور ہو رہا ہوں اپنے خیالات سمیٹنے پر صرف ایک واقعہ کو نقل کر کے میں بات کو ختم کرتا ہوں۔

عیسائی تہذیب سے محبت کا انجام:

یہ واقعہ میں نے سنا تھا حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے خیر المدارس کے اسٹیج پر آج سے اٹھاون سال پہلے کی بات ہے، آج سے اٹھاون سال پہلے جب میرا دورہ حدیث شریف کا سال تھا انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر میں نے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنا نہ ہوتا تو شاید میں یقین نہ کرتا، اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے ماموں تھے سگے ماموں، کہتے ہیں کہ ان کی زبان سے سنا تھا اس لئے میں نے یقین کیا تو بعد میں ہم نے کئی اور کتابوں میں بھی دیکھ لیا وہ کہتے ہیں کہ ایک صوفی صاحب تھے مدینہ منورہ میں صوفی کہتے ہیں اپنے ہاں نیک آدمی کو، نمازی تھا،

 طواف کرتا تھا،

نمازیں پڑھتا تھا،

تہجد پڑھتا تھا،

قرآن پڑھتا تھا،

سب کچھ کرتا تھا،
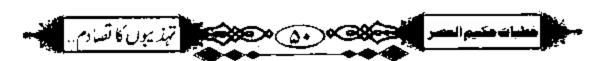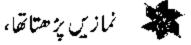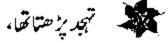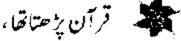
لوگ سمجھتے تھے کہ بڑا نیک ہے فوت ہوگیا جب فوت ہوگیا تو اس کو بقیع میں دفن کردیا یہ مکے کا واقعہ ہے یا مدینے کا مجھے اس میں شبہ سا ہوگیا ہے یہ مولانا فرماتے ہیں کہ مدینے کا ہے، یہ اہل علم کو میں اس لئے کہا کرتا ہوں کہ میرے قریب بیٹھا کردتا کہ میں غلطی کروں تو وہ نکال دیں تو اچھا ہے کہ لقمہ دیدیا انہوں نے یہ مدینے کا واقعہ ہے۔

اور یہاں آپ نے دیکھا ہوگا کہ قبر میں ایک ڈالا، دو ڈالے، تین ڈالے، یہ ڈالتے رہتے ہیں قبروں میں ،تو پھر کوئی اور فوت ہوا تو اسی صوفی صاحب کی قبر کھولی تو اندر لڑکی تھی صوفی صاحب نہیں تھے ،لڑکی کی لاش تھی اندر، ہنگامہ ہوگیا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ یہاں تو فلاں بزرگ دفن کیا تھا اور یہاں لڑکی کیسے آگئی جو لوگ دیکھنے والے تھے ان میں کچھ حاجی آئے ہوئے تھے حلب شہر کے جو شام میں ہے وہ وہاں کا تھا اس نے اس بچی کو دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو حلب کے عیسائیوں کی لڑکی ہے یہ بقیع میں کیسے آگئی اور حیرانی بڑھ گئی جب حیرانی اور بڑھ گئی تو آپ جانتے ہیں کہ ایسے واقعات میں انسان تفصیل کے پیچھے لگ جاتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہوئی کہ صوفی میں کیا گڑبڑ تھی جس کی بناء پر اس کو یہاں سے دفع کیا گیا بقیع سے وہاں، جب حلب میں اس کی قبر کھودی گئی تو صوفی صاحب وہاں پڑے تھے عیسائیوں کے قبرستان میں ، پہلے وہ بزرگ جس کو یہاں دفن کیا تھا وہ عیسائیوں کے قبرستان حلب میں دیکھا گیا ، اور عیسائیوں کی لڑکی جو حلب میں دفن

ہوئی تھی وہ بقیع میں دیکھی گئی تو ہر ہر قدم جو تھا زیادہ پریشان کن، کوئی صورت سمجھ میں نہیں آئی کہ صوفی کے ساتھ کیا ہوا؟ کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس کی بیوی سے رابطہ قائم کیا کہ بیوی ہر طرح سے رازدار ہوتی ہے کوئی راز چھپا ہوا نہیں ہوتا بیوی سے، بیوی سے پوچھا بھی یہ کیا گھر میں کوئی گڑبڑ کرتا تھا یا کیا قصہ تھا یہ، جب بیوی سے رابطہ کیا گیا تو بیوی نے یہ کہا کہ اور تو مجھے اس کے اندر کوئی نقص معلوم نہیں سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا ایک بات اس میں قابل اعتراض تھی کہ جب بھی اس کو غسل کی حاجت پیش آتی تھی تو یہ کبھی کبھی یوں کہہ دیتا تھا کہ عیسائی مذہب بڑا اچھا ہے کہ اس میں غسل فرض نہیں ہے کہ اس کے اندر کم از کم غسل تو نہیں کرنا پڑتا۔

اللہ اور اللہ کے رسول تو بڑے باغیرت ہیں اگر تمہیں یہ بات عیسائیوں کی پسند ہے تو جاؤ عیسائیوں کے قبرستان میں، مسلمانوں کے قبرستان سے تمہارا کیا تعلق، اگر عیسائیوں کا مذہب پسند ہے تو جاؤ دفعہ ہو جاؤ یہاں سے ایک جز ء یہ ہے، اگر ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھیں تو کتنے طریقے ایسے ہیں جو ہم عیسائیوں کے طریقوں کو اسلامی طریقوں کے مقابلے میں بہتر سمجھتے ہیں، اور اسلامی طریقوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

اورادھر جب پتہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ در پردہ وہ لڑکی مسلمان تھی ماں باپ کو پتہ نہیں تھا، اس لئے انہوں نے عیسائی سمجھ کر وہاں دفن کر دیا لیکن چونکہ حقیقت میں مسلمان تھی اللہ نے اسے بقیع میں منتقل کر دیا۔

دعوتِ فکر:

اور یہ واقعہ آپ کو صرف اس لئے سنا رہا ہوں کہ ذرا اپنے ایمان کا بھی جائزہ لے لو کہ محبت کے ساتھ بغض ہمارے اندر کتنا ہے، اسلام کی محبت، سرور کائنات ﷺ کی اول سے لیکر آخر تک زندگی کی ہر سنت کے ساتھ محبت "من احب سنتی فقد احبنی

ومن احبنی کان معی فی الجنۃ' جو میرے طریقے سے محبت کرے گا اس نے میرے سے محبت کی اور جس نے میرے سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

اس محبت کے ساتھ ساتھ بغض بھی ضروری ہے اتنی ہی نفرت یہود ونصاریٰ کی تہذیب سے ہوتو جاکے ایمان کامل ہوگا،اوراگرہم یہود ونصاریٰ کے طریقوں کو اچھا سمجھتے رہے یا عملی طور پر ہم ان کو ترجیح دیتے رہے یا خدانہ کرے کہ ہم نے بھی اسلامی حکم کو ان کے مقابلہ میں پست اور ان کے کسی طور طریقے کو ہم نے افضل سمجھا تو اپنے ایمان کی خیر مناؤ، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے ،اللہ ہمیں سمجھنے کی توفیق دے سنت کے ساتھ محبت اور یہود ونصاریٰ کے طریقے سے نفرت اللہ ہم سب کو نصیب فرمائے۔
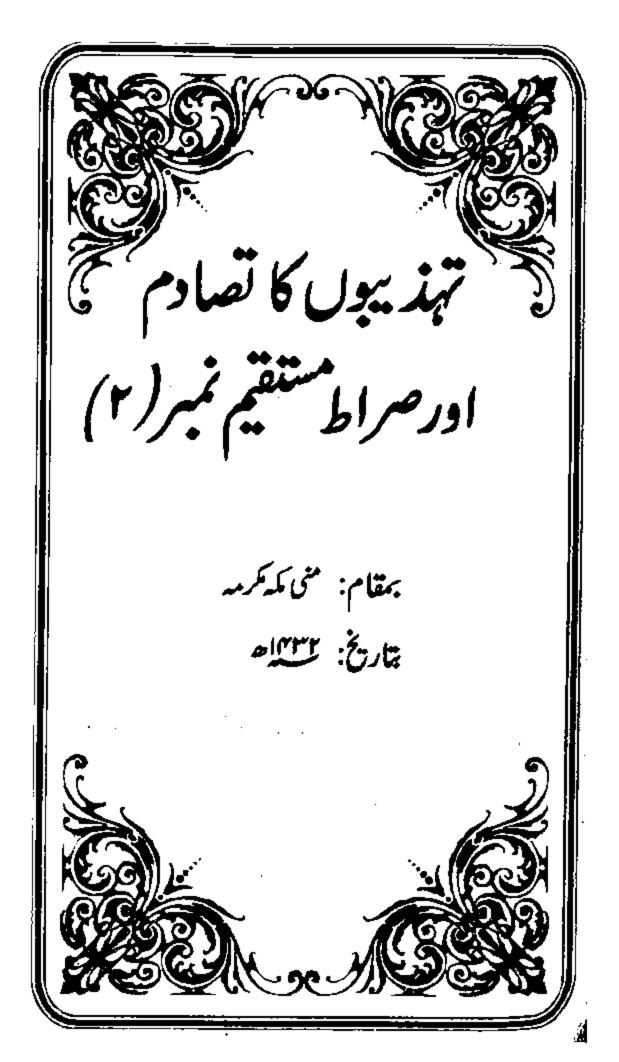
آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تہذیبوں کا تصادم

اور صراط مستقیم نمبر (۲)

بمقام: منیٰ مکہ مکرمہ

بتاریخ: ۱۴۳۲ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

اَمَّابَعْدُ : فَاَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِهْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِّيْنَ،وَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِاسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ (مشکوۃ ص۱۴ ج۱)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِىُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِىُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰالِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اَسْتَغْفِرُاللّٰهَ رَبِّىْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُاللّٰهَ رَبِّىْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُاللّٰهَ رَبِّىْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔

تمہید:

مدینہ منورہ میں حاضری کے موقع پر جو بیان کی نوبت آئی تھی اس میں میں نے سورۃ الفاتحہ کا آخری حصہ تلاوت کیا تھا، اور سرور کائنات ﷺ کے اقوال مبارکہ میں سے یہی قول پڑھا تھا جو اس وقت آپ کے سامنے پڑھا ہے، اور عنوان میں نے اپنے بیان کا رکھا تھا سرور کائنات ﷺ کے طریقے اور سنن کا سب سے اعلیٰ وارفع ہونا، آپ میں سے شاید بعض احباب اس وقت بھی موجود ہوں گے، اور جو موجود نہیں تھے ان کے لئے بطور تمہید کے عرض کرتا ہوں۔

حضور ﷺ کی سنن عادیہ اپنی ذات میں حسین تھیں لیکن اگر تقابل کے طور پر ذکر کیا جائے تو میں نے یہ عنوان باندھنے کی کوشش کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے جو غفلت ہے وہ عیسائیت اور یہودیت کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے، آپ کا افضل انسان ہونا، آپ کا افضل الانبیاء ہونا ہر لحاظ سے ثابت ہے، اس پر کچھ بیان ہوا تھا اب موضوع کچھ منتشر سا ہے، بہت میں نے اپنے ذہن کو دوڑانے کی کوشش کی کہ میں حج کے متعلق یا مکہ معظمہ کے متعلق کچھ آپ حضرات کی خدمت میں عرض کروں لیکن طبیعت پر غلبہ اسی بات کا ہوا اور میں اپنے خیالات کو جمع کرنے پر کامیاب نہیں ہوسکا۔

ایمان نظریات کی اصلاح کا نام ہے:

میرے خیال میں اصل میں ایمان نظریات کی اصلاح کا نام ہے اور آج تہذیبوں کے تصادم میں اس بات کا جاننا بہت ضروری ہے کہ

- طرز زندگی،
- طرز معاشرت،
- طریق معیشت،

جو کچھ بھی ہے جس میں سرورِ کائنات ﷺ کے طریقے کی مخالفت ہے وہ طریقہ اختیار کرنے کے قابل نہیں اور کوئی قابل تعریف نہیں۔

انبیاء ورسل کی تعداد:

انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا بعد میں نبی آئے کتنے آئے صحیح تعداد اللہ کے علم میں ہے، صرف ایک روایت حدیث شریف میں موجود ہے، مشکوۃ شریف میں یہ روایت ہے کہ ایک صحابی نے حضور ﷺ سے پوچھا تھا کہ یارسول اللہ! انبیاء کی تعداد کتنی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار، اور پھر انہوں نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ ان انبیاء میں سے رسولوں کا ایک مستقل گروہ ہے، رسول اسے کہتے ہیں جو اپنے متبعین کے لئے نئی شریعت لے کر آئے، اس لئے بنی اسرائیل میں نبی تو بہت ہوئے ہیں لیکن رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی نئی شریعت لے کر آئے ہیں، اور اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نئی شریعت لے کر آئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تین سو تیرہ۔

اب یہ روایت میں آئی ہوئی بات ہے لیکن علمی انداز میں یہ خبر واحد ہے، یہ اصطلاحی لفظ ہے اہل علم کے نزدیک، اور خبر واحد جو ہوتی ہے وہ قرآن کریم کی آیت کی طرح قطعی نہیں ہوا کرتی اس سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے، اس لئے ہمارے اکابر کا یہ مسلک ہے کہ متعین تعداد میں انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اللہ کے جتنے بھی پیغمبر آئے، ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش جو اللہ کے علم میں ہیں ہم سب کو مانتے ہیں، اللہ کی جانب سے رسول جتنے بھی آئے تین سو تیرہ یا کم وبیش جو اللہ کے علم میں ہیں ہم سب کو مانتے ہیں، یہ حدیث کی اصطلاح ہے جس کو اہل علم جانتے ہیں کہ خبر واحد ظن کا فائدہ دیا کرتی ہے۔

امتوں کی تشکیل:

انبیاء علیہم السلام آتے گئے سلسلہ چلتا گیا ہمارے سامنے اس وقت بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہی جن نبیوں کی امت موجود تھی کہ اللہ کے نبی آئے اس کے بعد کوئی دوسرا رسول نئی شریعت لے کر آیا، اب اس رسول کے آنے سے نئی امت تشکیل پائی، پچھلی امت کا نام ختم ہوگیا، اس کے نبی آتے گئے پھر رسول آیا اور وہ نئی شریعت لے کر آیا تو جب انہوں نے نئی شریعت کو قبول کیا تو پچھلی امت کا نام ختم ہوگیا، اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امت ابراہیمی موجود تھی موسیٰ علیہ السلام نئی شریعت لے کر آئے اسرائیلوں کے لئے تو عنوان موسیٰ علیہ السلام کی امت کا بنا یہودیت، عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے عیسیٰ علیہ السلام کے پاس نئی شریعت تو جس وقت ان لوگوں نے مانا تو یہودیت کا دور ختم ہوگیا اب عیسائیت کا دور آگیا یہودیت کا دور ختم ہوگیا۔

اور عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو نصرانیت کا دور ختم ہوگیا اب دور مسلمانوں کا آگیا اور اسی لئے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو مان لیا جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے خلاف احکام دے تو امت مسلمہ کا نام تبدیل ہوجائے گا، قادیانیت بن جائے گی مرزائیت بن جائے گی اور جو چاہو نام رکھ لو تو پہلے انبیاء علیہم السلام کی امتوں میں سے کوئی امت حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ زمین پر اپنا تشخص نہیں رکھ سکی اپنا وقت گزارنے کے بعد جیسے اللہ کو منظور تھا نئے نبی آنے کے بعد بے نام ونشان ہوگئی، اب اگر یہاں بھی ایسے ہوتا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کو مان لیتے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیتے تو پوری امت مسلمہ متحد ہوتی نہ یہودیت کا نام ہوتا نہ عیسائیت کا نام ہوتا۔

سابقہ امتوں میں سے دو امتوں کا وجود:

لیکن موسیٰ علیہ السلام کو ماننے والوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا، اس لئے

یہودیت پر پکے ہوگئے انہوں نے اپنا نام نہیں بدلا ،عیسائیت والوں نے سرورکائنات ﷺ کو ماننے سے انکار کردیا وہ عیسائیت پر پکے ہوگئے وہ نصرانی رہے انہوں نے اپنا نام نہیں بدلا ، اس وقت آپ ﷺ کے دور میں دوامتیں تھیں جو دونبیوں کی طرف منسوب تھیں ،اور باقی انبیاء ؑ میں سے کسی نبی کی امت کسی نام کے ساتھ اس وقت روئے زمین پر موجود نہیں تھی ، اس لئے ذہنی طور پر ٹکراؤان دو کے ساتھ ہوا یہود کے ساتھ اور نصاریٰ کے ساتھ ،قرآن کریم دونوں کے تذکروں کے ساتھ ہی بھراپڑا ہے، یہود اپنی جگہ پکے نبی کو ماننے کے لئے تیار نہیں،نہ عیسیٰ علیہ السلام کو مانا نہ حضور ﷺ کو مانا دونوں میں سے کسی کو نہیں مانا ان کی پارٹی اپنے نام کے ساتھ مختص ہوگئی، عیسائی اپنی جگہ پکے انہوں نے حضور ﷺ کو ماننے سے انکار کردیا توان کی پارٹی جوتھی وہ اس نام کے ساتھ مختص ہوگئی۔

امت مسلمہ کا تصادم یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ ہے:

یہی وجہ ہے کہ تصادم اگر ہے تو ان دو کے ساتھ ہے یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ اور باقی دنیا میں جو ایسے فرقے موجود ہیں جو کسی نبی کے بھی قائل نہیں ، اللہ کے وجود کے بھی قائل نہیں ان کے پاس کوئی تہذیب ہے ہی نہیں ،وہ اپنی رسومات کے پابند ہیں ،وہ اپنے آپ کو کسی آسمانی مذہب کی طرف منسوب بھی نہیں کرتے ان کے ساتھ ہمارا مقابلہ نہیں ہے ،وہ کہتے ہیں کہ ہم حیوانات کی طرح پیدا ہوئے ،کھاؤپیو دوڑو نہ ماضی نہ مستقبل "ان هي الا حيوتنا الدنيا نموت ونحيا" یہی زندگی ہے اسی میں ہم پیدا ہوتے ہیں اسی میں ہم مرتے ہیں اوراس کے بغیر کچھ نہیں۔

- عیسائی اور یہودی آخرت کے قائل تھے،
- آدم علیہ السلام کے قائل تھے،

- سارے سلسلے کے قائل تھے،
- فرشتوں کے قائل تھے،
- جنت کے قائل تھے،
- دوزخ کے قائل تھے،

سارے عقائد کو ماننے والے ہیں پہلے کوئی نبی ایسا نہیں جس کا انہوں نے انکار کیا ہو سب ان حقائق کو بیان کرتے ہیں، یہ تعصب ہے موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کو نہ ماننے کی بناء پر اور عیسیٰ علیہ السلام کے بعد محمد رسول اللہ کو نہ ماننے کی بناء پر باقی ان کے ساتھ جھگڑا نہ جنت کا تھا نہ دوزخ کا تھا نہ آگے نہ پیچھے، کوئی جھگڑا نہیں، اور یہ مدعی توحید بھی تھے، یہ ہے خلاصہ اس وقت کے لوگوں کا اور یہ بدنصیبی ہے کہ یہ لوگ اپنے دین میں تحریف کرتے کرتے اتنے تنگ نظر ہو گئے تنگ نظر ہونے کی بناء پر انہوں نے بھی اپنی زندگی کا معیار وہی بنالیا کہ بس پیدا ہونے سے لے کر موت تک نہ انہوں نے اپنا ماضی یاد رکھا ہے نہ انہوں نے اپنا مستقبل یاد رکھا ہے۔

تنگ نظر کون؟:

معاف کرنا کہنے والے لوگ کہتے ہیں کہ مولوی بڑے تنگ نظر ہیں، مولوی تنگ نظر نہیں مولوی کی نظر تو آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر جنت کے آخر تک جاتی ہے، مولوی تنگ نظر کہاں ہیں؟ تنگ نظر تو وہ ہے جو کہتا ہے کہ ماں کے بطن سے پیدا ہونے کے بعد زندگی شروع ہوتی ہے مرنے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے تنگ نظر تو یہ ہے اس لئے ان کی ساری کوشش اول سے آخر تک تمام تر کوششیں اسی زندگی کے لئے ہیں، نظر بہت محدود کر دی انہوں نے عملاً یہ ایسے ہی ہیں چاہے ان کی کتابوں میں لکھا ہے جنت کا ذکر بھی، دوزخ کا ذکر بھی، قبر کی زندگی، آخرت کی زندگی، لیکن اس وقت ان کی عملی زندگی جو ہے ان لوگوں سے مختلف نہیں ہے سوچ کے اعتبار سے جو سرے سے آخرت کے،

خدا کے وجود کے قائل ہی نہیں سرے سے رسالت کے قائل نہیں جیسے روس چین یونان جاپان فرانس وغیرہ جتنے ممالک بھی ہیں ان سب کی عملی زندگی کی کوششیں ماں کے پیٹ سے مرنے تک کے لئے ہے، اور ان کی بھی عملاً ساری کی ساری کوشش اسی زندگی کے لئے ہے۔

 کتابیں یہ بھی اٹھائے پھرتے ہیں،

 تورات اٹھائے پھرتے ہیں،

 انجیل اٹھائے پھرتے ہیں،

جو محرف ہے ہمارے خیال کے مطابق اس میں دوزخ کا ذکر ہے جنت کا ذکر ہے لیکن ان کا کوئی عمل نہ جہنم سے بچنے کے تصور سے ہے نہ جنت کے تصور سے ہے ان کا ہر عمل جو ہے وہ دنیا کی عیش وعشرت اور دنیاوی تکالیف سے بچنے کے لئے ہے

 صحت زیر بحث ہے،

 لباس زیر بحث ہے،

 رزق زیر بحث ہے،

 تعمیر زیر بحث ہے،

 دنیا کو جنت بنانے کے لئے بحث ہے،

کہ خوشنما زندگی ہونی چاہیئے آگے کوئی سوچ نہیں اس لئے ہمارا جو ٹکراؤ ہے وہ ان دو تہذیبوں کے ساتھ ہے۔

یہود ونصاریٰ کے متعلق قرآن کا نظریہ:

اور میں نے یہ اجمالاً عرض کیا تھا پچھلے دنوں میں کہ دونوں طبقوں کا ذکر قرآن کریم میں اللہ نے مختلف انداز میں کیا ہے جنہوں نے سنا ہے ان کے سامنے بات ہوگی ان کا طبقہ اتنا اجڈ ہوگیا کہ ان کے طبقے کی مثال اللہ نے گدھے کے ساتھ دی ہے

قرآن کریم میں سورۃ جمعہ میں دیکھ لینا "کمثل الحمار یحمل اسفارا" اور ان کی مثال کتے کے ساتھ دی ہے قرآن کریم میں سورۃ اعراف میں "فمثله کمثل الکلب ان تحمل علیه یلهث اوتترکه یلهث" اور ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا "جعل منهم القردة والخنازیر" ان کو اللہ نے بندر بنادیا اور سور بنادیا خنازیر یہ خنزیر کی جمع ہے، قردۃ قرد بندر کو کہتے ہیں۔

اور ان کے طبقے کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے کہا کہ ان کی نافرمانی کی بناء پر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا "کونوا قردة خاسئین" ذلیل بندر بن جاؤ، یہ بندر ہو گئے ہفتہ کے دن شکار سے منع کیا تھا ہفتے کے دن شکار کرتے تھے، ساری قرآن شریف سے بات کر رہا ہوں یہ میں کوئی قصے کہانیاں نہیں سنا رہا آپ کو، یہ سب قرآن کریم میں ہیں قرآن کریم میں ہے کہ اللہ کہتا ہے کہ ہم نے ان کے اوپر لعنت کی، کیوں لعنت کی "وقولهم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول الله" انہوں نے کہا کہ ہم نے مسیح علیہ السلام کو قتل کیا ہے میں ان پر لعنت بھیجتا ہوں جھوٹ بولتے ہیں، "وبقولهم علی مریم بهتانا عظیما" مریم علیہا السلام کے بارے میں انہوں نے بہتان عظیم لگایا، عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر، میں ان پر لعنت کرتا ہوں جھوٹ بولتے ہیں، انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا "وقتلهم الانبیاء بغیر حق" ایک ہی جگہ ساری لعنتیں مذکور ہیں "لَعَنّٰهُمْ" ہم نے ان کے اوپر لعنت کی کیوں کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا دوسری آیت میں ربانیین کا لفظ ہے کہ اللہ والے علماء کو قتل کیا، ہم نے کہا تمہارا یہ کردار باعث لعنت ہے تم پر لعنت ہو، یہ سب ایک ہی جگہ مذکور ہے۔

اتنی لعنت ان کے اوپر برسی کہ قرآن میں ہے "لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علیٰ لسان داود وعیسی ابن مریم" ان کے کردار کی بناء پر داؤد علیہ السلام نے بھی ان کے اوپر لعنت کی اور ان کے کردار کی بناء پر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بھی

ان کے اوپر لعنت کی ،قرآن کریم کی کتنی آیتوں میں ذکر کیا گیا "**فاولئك عليهم غضب من الله**" ان پر اللہ کا غضب ہے "**فباء وا بغضب على غضب**" غضب بالاغضب کے مستحق ہوئے یہ تو ملعون بھی ہیں مغضوب بھی ہیں اتنا یہ اللہ تعالیٰ کی نظر سے گرے ہوئے ہیں اللہ کی کتاب میں ان کا تذکرہ آیا ہوا ہے ،اس لئے سورۃ فاتحہ کے اندر مغضوب علیہم کا مصداق یہودی بنائے گئے اور ضالین کا مصداق نصاریٰ کو بنایا گیا تینوں تہذیبوں کا ذکر سورۃ فاتحہ میں ہے لیکن ہم نے کبھی سوچا نہیں۔

یہود ونصاریٰ کا گمان :

لیکن اس کے باوجود ان کو زعم کیا تھا؟ "**نحن ابناء الله واحباء ه**" یہ ہے ایک ذہنی برتری جس کے اندر یہ پھنسے ہوئے ہیں "**نحن ابناء الله واحباء ه**" ہم تو اللہ کے بیٹے ہیں ہم تو اللہ کے محبوب ہیں، "**واحباء ه**" کا عطف علمی طور پر ابناء کے اوپر عطف تفسیری ہے کہ ہماری مراد بیٹوں سے حقیقی بیٹے نہیں، **واحباء ه** اس کی تفسیر ہے مطلب یہ تھا کہ ہم اللہ کے ایسے پیارے ہیں جس طرح سے انسان کو اپنا بیٹا پیارا ہوتا ہے یہ ان کا دعویٰ تھا "**نحن ابناء الله واحباء ه**" اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ان سے پوچھو "**فلم يعذبكم بذنوبكم**" اگر تم اللہ کے ایسے ہی محبوب ہو تو آئے دن تمہاری پٹائی کیوں ہو رہی ہے تمہارے گناہوں کی بناء پر "**بل انتم بشر ممن خلق**" جس طرح سے باقی انسان ہیں تم بھی ایسے انسان ہو اگر سیدھے طرح رہو گے تو ٹھیک ہے نہیں سیدھے رہو گے تو پٹائی ہو گی۔

بنی اسرائیل کی پٹائی مشرکین کے ہاتھوں :

جیسے اس کا ذکر پندرھویں پارے کے پہلے رکوع میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے سورۃ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں دو دفعہ ان کی پٹائی کا صراحتاً ذکر ہے لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ بظاہر

✱ اپنے آپ کو توحید کی طرف منسوب کرنے والے،

 انبیاء علیہم کا نام لینے والے،

 انبیاء علیہم کا کلمہ پڑھنے والے،

اور جو ان کی پٹائی کے لئے متعین ہوئے وہ مشرک ،لیکن ان متعین کئے ہوئے لوگوں کے بارے میں اللہ کہتا ہے "بعثنا علیھم عبادا لنا "ہم نے ان کے اوپر اپنے بندے متعین کردیے، جنہوں نے مار مار کے ان کے حلیے بگاڑ دیے 'ولیتبروا ما علوا تتبیرا" جو مار مار کے ان کے چہرے بگاڑ دیں ہم نے ایسے بندے ان کے اوپر متعین کردیے ہیں، اب یہ عجیب بات ہے کہ یہ کلمہ تو پڑھنے والے تھے اور ان پر متعین مشرک تھے جنہوں نے ان کا یہ حال کردیا تاریخ بھری پڑی ہے واقعات کے ساتھ کہ ان کے ساتھ کیا ہوا؟

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو ذکر کرنے کے بعد ایک ہی جملہ کے اندر اس اشکال کا بہترین جواب دیا کہ شہزادہ باغی بنے تو بسا اوقات چوڑھوں سے جوتے لگوائے جاتے ہیں لیکن جوتے مارنے والا پھر بھی اس سے افضل نہیں ہوتا، پھانسی دینے کے لئے کسی چوڑھے کو متعین کردیا جائے تو جس کو پھانسی دی جارہی ہے وہ چوڑھا اس سے افضل تو نہیں ہوجاتا تو یہ اپنے آپ کو بادشاہ کہلوانے والے بگڑ گئے، جب بگڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے چوڑھوں سے جوتے لگوادیے۔

مسلمانوں کے لئے توجہ کا مقام:

معاف کرنا تھوڑا سا وسعت کرکے دیکھو! آج ہمارا بھی یہی حال ہے کہ جو مغضوب اور مجرمین کا گروہ ہے آج ہم پر یہی مسلط ہے اور ہم انہی کے ہاتھوں جوتے کھا رہے ہیں باوجود اس بات کے کہ ہمیں پتہ ہے کہ ہم اللہ کی محبوب امت ہیں، کیا شک ہے اس میں کہ ہم اللہ کے محبوب نہیں ،لیکن اللہ کی محبت پانے کے لئے

محبت والے کام تو کرو، نہیں کروگے تو یہی حال ہوگا جو ان کا ہوا، اب یہی ہم پر مسلط ہیں جن پر لعنت کی ہوئی ہے آج ہم انہی کے ہاتھوں جوتے کھا رہے ہیں۔

مسلمانوں کے زوال اور نصاریٰ کے عروج کی ابتداء:

آج ہم پیدا ہوئے اس دور میں تو ہم سمجھتے ہیں کہ شاید ہمیشہ ہی ہمیں جوتے لگتے آرہے ہیں اور ان کو ہم پر بالادستی حاصل ہے ہماری نوجوان نسل کو ماضی سے غافل کردیا گیا، سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد عیسائیت اور یہودیت دونوں کو کچلا گیا تھا تاریخ اٹھا کر دیکھو! بنوامیہ کا دور، بنوعباس کا دور، بارہ سو سال تک پوری دنیا پر مسلمانوں نے حکومت کی ہے، تاریخ کا یہ حصہ ہے، ان کو غلبہ کب ملنا شروع ہوا؟ میں صرف اشارہ کرتا ہوں تفصیل کی گنجائش نہیں، اٹھارہ سوستاون میں انڈیا یعنی متحدہ ہندوستان کے اوپر غلبہ ان کا ہوا، ان کے عروج کا زمانہ اس وقت شروع ہوا ہے جس کو اب پونے دوسو سال ہوگئے ہیں، اٹھارہ سوستاون میں انہوں نے انڈیا کے اوپر مکمل طور قبضہ کیا ہے تو ہندوستان سے برطانیہ تک جتنے درمیان میں ممالک تھے سب پر ان کا تسلط حاصل ہوگیا، صرف ہندوستان پر قبضہ کرنے کے ساتھ، اس لئے ہمارے اکابر کا خیال تھا کہ ان کے قدم یہاں سے اکھیڑو تب جاکے دوسروں کی جان چھوٹے گی، جب تک ہندوستان ان کے قبضے میں ہے دنیا کی جان نہیں چھوٹے گی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا جب یہاں سے ان کا تسلط ختم ہوا تو ایک ایک ملک کرکے ان سے نکلتا چلا گیا اور ان کی حکومت جس کے بارے میں کہتے تھے کہ ان کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا اب اتنی سی رہ گئی کہ پتہ نہیں وہاں طلوع بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ تاریخ کی طرف اشارہ کررہا ہوں، تو اٹھارہ سوستاون میں عیسائیوں کو غلبہ حاصل ہوا اور مسلمانوں کا زوال شروع ہوا ہے، مغلیہ خاندان تو سارا ختم ہوگیا تھا لیکن

عثمانی خاندان کی حکومت قائم تھی انہوں نے پھر شکست کھائی ہے جنگ عظیم ثانی میں اور جنگ عظیم ثانی ختم ہوئی ہے انیس سو پینتالیس میں۔

تو برطانیہ کی کمر ٹوٹی ہے اس جنگ میں پھر امریکہ نے سر اٹھایا، امریکہ نمایاں ہوا ہے روئے زمین پر انیس سو پینتالیس کے بعد اور آج دو ہزار گیارہ ہے سن پینتالیس سے لے کر دو ہزار گیارہ تک کی عمر ہے امریکہ کی اڑسٹھ سال ہوگئے یہ عمر ہے امریکہ کی اور روس میں انقلاب آیا انیس سو سترہ میں اور بوریا بستر گول ہوگیا انیس سو نوے میں تہتر سال روس رہا، اور امریکہ کو اڑسٹھ سال ہو گئے، اب وہ بھی جان کنی میں مبتلا ہوگیا ہے ان شاء اللہ۔

مسلمانوں نے نظام تعلیم سے مار کھائی ہے:

لیکن مسلمان نوجوان کو اس جدید تہذیب نے تعلیم کے انداز میں اپنے مالک سے ایسا غافل کیا ہے کہ جیسے شیر کے بچے کو یقین دلایا جائے کہ تو بھیڑ کا بچہ ہے، اس لئے ہر کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہذیب سے روگردانی شروع کردی ہے، یہ تعلیم کے انداز میں انقلاب آیا ہے۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور قوم کے ذمہ شکر واجب ہے کہ مولوی سخت جان ہے جس نے اس تعلیم کو تھوڑا سا باقی رکھا ہے تو آج تمہیں اپنی تاریخ یاد دلائی جارہی ہے ورنہ اس میدان تعلیم نے تو بالکل ہی ذہن بدل کر رکھ دیا ہے، یہ تعلیم آئی، آپ بھول جاتے ہیں ہم نہیں بھولے، لارڈ میکالے نے اس نظام تعلیم کو قائم کیا جو آج آپ کے سکولوں اور کالجوں میں ہے، اس نے کہا تھا کہ ہندوستانی اگر عیسائی نہیں ہوں گے تو نہ مسلمان رہیں گے نہ ہندو رہیں گے، شکل ان کی ہندوستانیوں والی ہوگی لیکن دل ودماغ انگریزوں والا ہوگا، لارڈ میکالے کا یہ جملہ تاریخ کے ریکارڈ میں موجود ہے کہ میں نے ایسا نظام بنادیا ہے کہ اس کو پڑھنے کے بعد ہندوستانی شکل وصورت کے اعتبار سے

ہندوستانی ہوں گے لیکن اپنے دل ودماغ کے اعتبار سے عیسائی ہوں گے، اس کا رونا رویا ہے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے

ہم تو سمجھے تھے کہ لائے گی خوشحالی تعلیم
کیاخبر تھی کہ چلاآئے گا الحاد بھی ساتھ

ہم تو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ خوشحالی آئے گی یہ تو ہمیں پتہ نہیں تھا کہ یہ خوشحالی توہمارا ایمان بھی لے جائے گی،

- لباس بدل دیا،
- شکلیں بدل دیں،

یونیفارم کی پابندی ضروری کیوں؟:
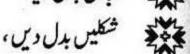
کبھی کبھی اس بات پر رونا آتا ہے اور روکر بھی کیا کریں؟ رونے کی بھی گنجائش نہیں آج مسلمان اونچی شلوار کا مذاق اڑاتا ہے، پگڑی کا مذاق اڑاتا ہے حالانکہ یہ فخر کی چیزیں تھیں آج آپ دیکھ رہے ہیں کالجوں میں، سکولوں میں، سکول کالج کا منتظم یا کالج کا پرنسپل وہ ایک یونیفارم متعین کردیتا ہے طالب علم کے لئے خاص طور پر مشرف دور کے بعد تو پہلی کلاس کے طالب علم کے گلے میں بھی ٹائی لٹکادی ہے، تین تین چار چار سال کے بچے بھی ٹائی لگا کر سکول جاتے ہیں، اب اگر کوئی کہے کہ کپڑا ہی تو ہے اگر کوئی ٹائی ایک فٹ لمبی کرلے تو اس میں کیا حرج ہے، یا ٹائی والے ٹائی کی جو خاص لمبائی رکھتے ہیں ان سے کہو کہ اس کو چھ انچ لمبی کرلو، یا چار انچ اونچی کرلو تو کیا کوئی کرنے کے لئے تیار ہے؟

کیاپولیس اپنا لباس فوج والا بناسکتی ہے؟ فوج اپنا لباس پولیس والا بناسکتی ہے؟ ہر محکمہ کے لئے ایک لباس متعین ہے، اب پرنسپل کی بنائی ہوئی یونیفارم پر تو پابندی ہو نہ نیچے ہو نہ اوپر ہو، لیکن اگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ مسلمان کی شلوار ٹخنوں سے

اوپر ہونی چاہیے تو مسلمان کہتے ہیں کہ اس میں کیا حرج ہے؟ یہ حرج والی بات ادہر کیوں نہیں کرتے؟ کہ اگر تم نے نیلا رنگ متعین کیا ہے اور ہم لال پہن کر آجائیں تو اس میں حرج کیا ہے؟ اگر تم نے سفید یونیفارم متعین کی ہے ہم کالی پہن کر آجائیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ بھائی ہمارے ملک کا جھنڈا ہے اس کی جگہ اسرائیل کا لہرادو کہ کپڑا ہی ہے اس میں حرج کیا ہے لیکن نکلو تو سہی ایک مرتبہ جھنڈا لے کے، یہاں ہر چیز میں حرج نظر آتا ہے اور وہاں کچھ بھی نظر نہیں آتا اتنا انہوں نے ہمیں اپنے مذہب سے بیگانہ کرکے اپنی تہذیب سے مانوس کرلیا ہے۔

جدید تعلیم نے ہمارا سب کچھ بگاڑ دیا:

صبح صبح جب بچوں کے ریوڑ سکولوں کی طرف جارہے ہوتے ہیں کبھی ان کو دیکھا تو کروطالب علموں کے ساتھ سڑکیں بھری ہوئی ہوتی ہیں لیکن نہیں پتہ چلتا کہ مسلمانوں کے بچے ہیں یا عیسائیوں کے بچے ہیں،

 اس تعلیم نے ہمارا حلیہ بگاڑ دیا،

 ہمارا لباس بگاڑ دیا،

ہمارا اٹھنا بیٹھنا بگاڑ دیا،

اور ہمیں دین سے غافل کردیا، آہستہ آہستہ ایسا سیکولر کیا ہے اپنے ملک کی بات ہے کہ دینیات کو ختم کرنا بڑی بات ہے حتی کہ کتابوں سے بسم اللہ تک ختم کردی ہے، دانش کے نام سے سکول جو بن رہے ہیں ان میں دیکھو کہ کیا تعلیم دی جارہی ہے، پہلی جماعت سے انگریزی کی تعلیم شروع ہوجاتی ہے تو سارا زوال ہمارے اوپر اس تعلیم کے میدان سے آیا ہے۔

مسلمان کی تعلیم قرآن سے شروع ہوتی تھی، نورانی قاعدہ سے شروع ہوتی تھی، باقی علوم بھی سب مسلمان سیکھتے تھے، کرتے تھے اور انتہاء جو ہوتی تھی وہ اسی تعلیم

پر ہوتی تھی ،اب بھی آپ دیکھ لیں انجینئر ڈاکٹر مسلمان بھی ہیں ،شکل وصورت اٹھنا بیٹھنا سب مسلمانوں جیسا ہے کیا ان کے لئے دنیا تنگ ہوگئی، وہ بھی تو اسی دنیا میں رہتے ہیں لیکن تمہاری سمجھ میں نہیں آتی ۔

آزادی نسواں کی لعنت:

اور عالمی سطح پر جس تہذیب کے آنے کے ساتھ لعنت آئی ہے وہ ہے عورتوں کی آزادی کا نعرہ ، یہ ایک مستقل بربادی کا باعث ہے ،اور ایسا سبق پڑھایا پتہ نہیں ان کے پاس کیا جادو ہے ذہن کو ایسا مسحور کرتے ہیں کہ مجاہد دہشت گرد، جہاد دہشت گردی، اور شرافت کا نام شرارت ،شرارت کا نام شرافت ،اب عورت کو بازاری جنس بنادیا اور نام رکھ دیا آزادی نسواں، حالانکہ اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ نے جب پیدا کیا ہے تو اللہ ہی انسان کی فطرت کو جانتا ہے اللہ نے پاؤں بنائے ہیں تو پاؤں ہمیشہ نیچے رہیں گے ،سر بنایا ہے تو سر ہمیشہ اوپر رہے گا ،تم ہزار کوشش کرلو کہ آدھادن سر نیچے ہو اور پاؤں اوپر ہوں اور آدھا دن پاؤں نیچے ہوں اور سر اوپر ہو تو کیا یوں قلابازی کھاتے ہوئے زندگی گزرے گی یہ تو فطرت کا تقاضا ہے ۔

دولت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے:

میں عام طور پر کہا کرتا ہوں عورتوں کے مجمع میں کہ میری بہنو اور بیٹیو! ذرا بات سن لو! دنیا میں دو چیزیں چھپا کے رکھنے کی ہیں ایک دولت اور ایک عورت ، یہ دو چیزیں چھپا کے رکھنے کی ہیں ، چھپا کے رکھنا بے قدری نہیں بلکہ قدر کی علامت ہے ،تم اپنا سونا بازار میں ظاہر کرو شام تک اس سونے سے محروم ہوجاؤ گے، اپنی دولت کو لوگوں کے سامنے نمایاں کرو کہ میرے گھر میں اتنا سرمایہ پڑا ہے رات کو ہی پتہ چل جائے گا کہ تم کتنے سرمائے کے مالک ہو، لیکن آپ جانتے ہیں کہ ہر آدمی چور نہیں ہوتا ہر آدمی ڈاکو نہیں ہوتا، کسی کی پیشانی پر لکھا ہوا نہیں ہوتا کہ یہ چور ہے یہ ڈاکو ہے۔

اب تو کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کتنے چور ہیں اور کتنے محافظ ہیں پہلے تو کہا کرتے تھے کہ سو میں سے کوئی ایک چور ہوتا ہے، اور کہیں ڈاکہ پڑ جاتا تو لوگ مثالیں دیا کرتے تھے کہ فلاں جگہ ڈاکہ پڑ گیا ہے، اب تو لوگوں نے کہنا ہی چھوڑ دیا کہ فلاں جگہ ڈاکہ پڑ گیا ہے، اب یہ اتنا عام ہو گیا، کسی کی پیشانی پر لکھا ہوا نہیں ہوتا کہ یہ چور ہے، یہ ڈاکو ہے، اور سو میں سے یا ہزار میں سے ایک چور ہوگا، لیکن اس کے باوجود پیٹیاں بناؤ تالے لگاؤ، محافظ بٹھاؤ، اپنی دولت کو محفوظ کر کے رکھو کہ کہیں کوئی چور اچک کر نہ لے جائے یہ دولت کی قدر کی وجہ سے ہے یا بے قدری کی وجہ سے ہے۔

یہ تو آٹھ سو سال پہلے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا کہ آدمی اپنی جیب میں موتی وہی محفوظ رکھ سکتا ہے جو ہر کسی کو جیب تراش سمجھے، اگر ہر کسی پر اعتماد کرنا شروع کر دیا تو جیب کٹا بیٹھے گا، اس طرح اپنی دولت کی حفاظت کرو، مسجد میں حفاظت کرو، بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے اپنی دولت کی حفاظت کرو، حجر اسود کا بوسہ لیتے وقت حفاظت کرو، وہ کہتے ہیں کہ ہر کسی کو جیب تراش سمجھو تب جا کے تم اپنی جیب کو محفوظ رکھ سکو گے، ورنہ اگر ہر کسی پر اعتماد کرنا شروع کر دیا تو جیب کٹوا بیٹھو گے یہ دولت کی بات ہے۔

عورت بھی چھپا کے رکھنے کی چیز ہے:

اور دوسری چیز چھپا کے رکھنے کی عورت ہے اب میں کیا بات کروں؟ ہمارے ہاں دو لفظ استعمال ہوتے ہیں، ایک عورت اور ایک مستورات، عورت بھی عربی لفظ ہے اور مستورات بھی عربی کا لفظ ہے عورت کا لفظی معنی ہے چھپا کے رکھنے کی چیز، لفظی معنی ہی اس کا یہ ہے، ہماری فقہ کی کتابوں کے اندر آتا ہے "عورة الرجل مابين السرة الى الركبة" مرد کے بدن میں ناف سے لیکر گھٹنے تک کا حصہ عورت ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کو چھپا کے رکھا جاتا ہے، اس کا عریاں ہونا باعث عار ہے عورت کا لفظی معنی یہ ہے قرآن کریم میں لفظ استعمال ہوا ہے "ان بيوتنا عورة وماهي بعورة ان

یریدون الا فرارا" کہ منافق حضورﷺ سے کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں ان کی حفاظت کی ضرورت ہے اس لئے ہمیں اجازت دو ہم گھر جائیں، قرآن کہتا ہے کہ گھر غیر محفوظ نہیں تھے گھر سے بھاگنا چاہتے تھے یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ جس کو حفاظت کی ضرورت ہو اس کو عورت کہتے ہیں، لفظی معنی اس کا یہی ہے کہ چھپا کر رکھنے کی چیز جس کو ظاہر کرنے سے انسان کو شرم آئے اسے عورت کہتے ہیں۔

اور مستور کا لفظ تو آپ سارے ہی سمجھتے ہوں گے کہ ستر چھپانے کے کہتے ہیں اور مستور چھپی ہوئی چیز کو کہتے ہیں تو مستور کا لفظی معنی چھپا کر رکھی ہوئی، اڈے ہوں اسٹیشن ہوں ہر جگہ لکھا ہوتا ہے "برائے مستورات" اس کے مقابلہ میں لفظ ہے مکشوفات کھلی ہوئی چیز۔

سر ننگا،

سینہ ننگا،

بازو ننگے،

گھٹنے سے نیچے پنڈلیاں ننگی،
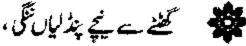
تو یہ اصل کے اعتبار سے مکشوفات ہیں مستورات نہیں ہیں، اب ان کو ہم اگر مستورات کہیں تو کیا ہم جھوٹ نہیں بولتے،

برعکس نہند نام زنگی کافور

کہ ایک شخص کا نام کافور تھا لیکن تھا وہ حبشی، اور کافور سفید رنگ کا ہوتا ہے کہتے ہیں کہ یہ عجیب الٹا حساب ہے کہ زنگی کا نام کافور رکھ دیا، لکھے نا پڑھے نام محمد فاضل یہ تو الٹا معاملہ ہے، زنگی تو کالا ہوتا ہے اور کافور سفید ہوتا ہے، کالے کا نام نور رکھ دیا، تو مکشوفات کا نام مستورات ان کو بھی چھپا کے رکھا جاتا ہے۔
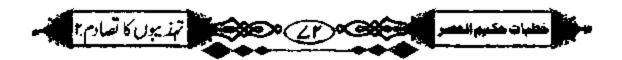
عورت کے بارے میں اسلام کا مؤقف اور جدید تہذیب:

سب سے بڑی انسانیت کی شرافت اس کی عصمت اور نسب کی حفاظت کے ساتھ ہے، حیوان اور انسان میں کیا فرق ہے؟ اور اس نئی تہذیب نے عورت کو،

- نہ ماں رہنے دیا،
- نہ بہن رہنے دیا،
- نہ بیٹی رہنے دیا،

اللہ نے اس عورت کو چار درجے دیے ہیں، ماں کا درجہ مستقل، کتنا ادب واحترام اور کتنی محبت کا درجہ ہے، بیٹی کا درجہ مستقل، کتنی محبت والا درجہ ہے، بہن کا درجہ مستقل اور بیوی کا درجہ مستقل، عورت کے چار درجے ہیں عورت ماں بھی ہے، بہن بھی ہے، بیٹی بھی ہے، بیوی بھی ہے، بیوی ہونے کی حیثیت سے اس کا سرپرست خاوند ہے، بہن ہونے کی حیثیت سے اس کا معاون بھائی ہے، ہر تکلیف کے وقت دوڑ کے آتا ہے، ماں ہونے کی حیثیت سے اس کا خدمت گزار اس کا بیٹا ہے اس کو تو چاروں طرف سے مخدومیت حاصل ہے

- کسی کی ماں ہے،
- کسی کی بہن ہے،
- کسی کی بیٹی ہے،
- کسی کی بیوی ہے،

اور اس گندی تہذیب نے عورت کو بازاری جنس بنادیا، بہن ماں اور بیٹی کا فرق ہی مٹادیا، اب بازار میں آپ کو کوئی کتا نہیں ملے گا جس پر ننگی عورت کی تصویر نہ ہو، اتنا اس کو بازاری جنس بنا کر رکھ دیا ہے اور عنوان یہ دیا کہ تم آزاد ہوگئی ہو گھر بیٹھ کر خاوند کو ایک کپ چائے نہیں پلاسکتی اور ہوائی جہاز میں پانچ سو آدمیوں کی خدمت کرتی ہے،

کسی کو پانی دے،

 کسی کو روٹی دے،

 کسی کو کچھ دے،
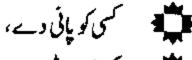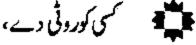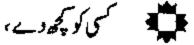
کہا یہی جاتا ہے کہ یہ آزادی ہے، اس کو کہتے ہیں یہودیت اور اس کو کہتے ہیں پروپیگنڈا، یہ ہے اس تہذیب کا انداز جو آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں، یہ تہذیب کے انداز میں زوال ہے، تہذیب کے انداز میں ہماری شکل بدلی، ہمارا لباس بدلا، ہمارا رہنا سہنا بدلا، اور تعلیم کے انداز میں ہی عورت کو بازار میں گھسیٹا گیا، اور حیا والا عنصر اس تعلیم کے ذریعہ ختم کر دیا گیا۔

کسی بھی شریعت میں عورت اپنے اخراجات کی ذمہ دار نہیں:

اور معیشت، خرچ، اخراجات شرعی نقطہ نظر سے آدم علیہ السلام سے لے کر اس منزل تک ہر شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ عورت کے اوپر معاش کی ذمہ داری نہیں ہے، عورت اپنے اخراجات کی خود ذمہ دار نہیں ہے، آدم علیہ السلام سے یہ بات چلی آرہی ہے، حیران سے ہو رہے ہو آپ کی خدمت میں عرض کردوں قرآن کریم میں ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو اور اس کی بیوی کو جنت میں ٹھہرادیا اور ساتھ یہ کہا دیکھنا شیطان تم دونوں کو کہیں جنت سے نہ نکال دے، اور اگلا صیغہ واحد کا ہے پھر مشقت تیرے سر آجائے گی، مشقت میں تو پڑ جائے گا یہ جنت میں پیغام دیا اللہ نے۔

مشقت میں کیا پڑ جائے گا، یہاں بھوک نہیں لگتی کہ بیوی کہے روٹی لاؤ، یہاں کپڑے نہیں پھٹتے کہ بیوی کہے کہ کپڑے لا کر دو، تمہیں اپنے کپڑوں کی فکر بھی ہوگی، بیوی کے کپڑوں کی فکر بھی ہوگی، اپنے کھانے کی فکر بھی ہوگی بیوی کے کھانے کی فکر بھی ہوگی، تجھے پیاس نہیں لگتی اور تجھے بھوک نہیں لگتی ہر ضرورت یہاں پوری ہو رہی ہے،

بیوی نے بیٹھ کر مطالبہ کرتا ہے کھانے کے لئے لاؤ، پینے کے لئے لاؤ، سائے کا انتظام کرو، اس لئے مشقت ایک پر ہے، اللہ تعالیٰ نے پہلا پیغام یہی دیا ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام کے ہاں ماں کا خرچ اولاد کے ذمہ، بیوی کا خرچ خاوند کے ذمہ، بہن جس وقت تک اس کی شادی نہ ہو اس کا خرچ بھائی کے ذمہ یا باپ کے ذمہ ہر شریعت کا مسئلہ یہی ہے، یہ بیٹھ کر گھر سنبھالیں، بچوں کی پرورش کریں، جس سے قوم بنتی ہے قبیلہ بنتا ہے، اور یہ ہمارا سب کچھ اس جدید تہذیب نے اجاڑ کر رکھ دیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی اتباع گمراہی تو کتوں خنزیروں کی اتباع گمراہی کیوں نہیں؟:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تہذیب کی برتریت کے مقابلہ میں آپ کے لئے یہ بات کہنے لگا ہوں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کے کچھ اوراق لے کر آ گئے اور آ کر کہا یا رسول اللہ! یہ تورات ہے پڑھنی شروع کر دی، پڑھتے ہوئے اپنے دھیان میں گئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر نظر نہیں ڈالی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہونا شروع ہو گیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دیکھ کر کہنے لگے کہ اوئے تیری ماں تجھے روئے تو دیکھ نہیں رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر کیا آثار ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نظر اٹھا کر دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناراضگی کے اثرات ہیں تو فوراً کہنے لگے "رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر! یہ تورات لئے پھر رہے ہو اس کو پڑھ کر کہیں اس کے نظریات نہ اختیار کر لینا، یہ تو تحریف شدہ ہے آج اگر موسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں آ جائیں تو میرے قرآن کی اتباع کے بغیر چارہ نہیں، موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوں تو وہ بھی میری اتباع کریں گے، یہودیت تو اپنی جگہ رہی ان کا نبی بھی میری اتباع کرے گا، اور ایک روایت میں لفظ یہ بھی ہیں آج اگر موسیٰ علیہ السلام آ جائیں اور تم ان کے پیچھے لگ جاؤ اور مجھے چھوڑ دو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بعد تو موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے چلنا بھی گمراہی ہے موسیٰ علیہ السلام کی اتباع گمراہی ہے، ان کتوں خنزیروں، بندروں اور گدھوں کے پیچھے لگنا گمراہی کیوں نہیں ہے؟ اس سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برتری اور کیا ہوگی؟ آپ کی امت کی اور کیا برتری ہوسکتی ہے؟ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات ہوگئی، باقی رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ تو قطعی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا سے زندہ اٹھائے گئے اور انہوں نے واپس آنا ہے اور جس وقت وہ واپس آئیں گے عملاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پابندی کریں گے، موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو فرمایا کہ اگر وہ آجائیں تو میری اتباع کریں گے اور عیسیٰ علیہ السلام نے تو آنا ہے اور آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تہذیب کو اپنانا ہے۔

تو یہ اسوۂ یہودی جس کو ہم نے سر پر چڑھالیا ہے ان کے نبی نے بھی اگر دنیا میں آنا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت خود کو اس سے غافل کر کے بیٹھ گئی کہ جن کی اتباع نبیوں نے کرنی ہے ان کی سنت کے مقابلہ میں ہمیں طریقہ یہودیوں کا پسند ہے، ہمیں طریقہ عیسائیوں کا پسند ہے، اس سے زیادہ بدنصیبی ہماری کیا ہوسکتی ہے۔

صراط مستقیم پر ہدایت کی دعا:

اس لئے آخری بات عرض کرتا ہوں، سورۃ فاتحہ میں ہم جو پڑھتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت دے، اور صراط مستقیم ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے وہ ہیں نبیین، صدیقین، شہداء، صالحین، ہم اس پر چلنے کی ہدایت مانگتے ہیں اور ہمیں اس راستہ سے بچا جو مغضوب علیہم کا راستہ ہے یعنی یہودیوں کا، اور ہمیں اس راستہ سے بچا جو ضالین کا راستہ ہے یعنی عیسائیوں کا، تفسیروں میں لکھا ہے کہ مغضوب علیہم سے یہود مراد ہیں اور ضالین سے عیسائی مراد ہیں، جس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا طریقہ صراط مستقیم

نہیں ہے، اب ہم دن میں زیادہ نہ پڑھیں سترہ رکعتیں فرض تو پڑھتے ہی ہیں تو سترہ مرتبہ زبان سے یہ کہتے ہیں اور سنتیں بھی پڑھیں تو کم ازکم پچاس دفعہ سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! اپنے مقبول بندوں کے راستہ پر ہمیں چلا، اور یہود ونصاریٰ کے طریقے سے ہمیں بچا، پچاس دفعہ ہر روز اللہ کے سامنے کھڑے ہوکر ہم یہ بات کہتے ہیں لیکن جب طریقہ سامنے آتا ہے تو یہود ونصاریٰ کا طریقہ پسند ہے اور صالحین کے طریقہ سے اعراض کرتے ہیں۔

آ تجھ کو بتلاؤں کہ تقدیر امم کیا ہے؟:

اس پر علامہ اقبال کا شعر یاد آرہا ہے،

آ تجھ کو بتلاؤں کہ تقدیر امم کیا ہے
شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر

آ تجھ کو بتادوں کہ امتوں کی تقدیر کیسے بنتی ہے اگر نیزہ ہاتھ میں ہے تو امت ترقی کی طرف جارہی ہے اور جب گانے بجانے کے آلات ہاتھ میں آگئے تو امت تنزلی کی طرف جارہی ہے، اور گانے بجانے کے آلات پر اگر یہی شعر پڑھنا شروع کردیں یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟ موسیقی بجائیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہیں طاؤس ورباب آخر، طاؤس ورباب آخر۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور صالحین کے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے (آمین)

تتمہ:

یہ عظمت ہے حضور ﷺ کے طریقہ کی جو میں نے ایک نئے انداز میں آپ حضرات کی خدمت میں بیان کی ہے سورۃ فاتحہ کے ساتھ، اب جب بھی آپ سورۃ فاتحہ

پڑھیں تو یہ تقابل کا تصور آپ کے ذہن میں آنا چاہیے ، اللہ مجھے بھی راہ راست پر قائم رکھے اور آپ سب کو بھی راہ راست اختیار کرنے کی توفیق دے۔

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

توبہ کی حقیقت اور فضیلت

بمقام: منیٰ مکہ مکرمہ

بتاریخ: ۱۴۳۲ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (سورۃ الزمر ۵۳)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔

جنات وآدم کی تخلیق:

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت جنات کو انسانوں سے پہلے پیدا کیا اور یہ جنات میں سے تھا جس کو ہم ابلیس کہتے ہیں یا جس کو ہم شیطان کہتے ہیں، یہ جنات میں سے ہے بلکہ یوں کہہ لیجئے کہ جس طرح سے آدم علیہ السلام اولاد آدم کے باپ ہیں اس طرح سے جنات کا اصل یہ ہے، یہ بات کہ جنات کو پہلے پیدا کیا اور آدم علیہ السلام کو بعد میں پیدا کیا یہ سورۃ حجر کے دوسرے رکوع میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے "**والجان خلقناہ من قبل من نار السموم**" من قبل کے لفظ سے مجھے غرض ہے کہ پہلی آیت میں اللہ نے آدم کا ذکر کیا اور اس کے بعد ہے کہ اس سے پہلے ہم نے ابلیس کو آگ سے پیدا کیا، اس لئے میں جو کہہ رہا ہوں کہ جنات کو اللہ تعالیٰ نے پہلے پیدا کیا ہے یہ بات قرآن کریم میں صراحتاً آئی ہوئی ہے۔

اور یہ بات بھی صراحتاً آئی ہوئی ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے اور جنات کی تخلیق آگ سے ہے، یا تو یہی آیت جو ابھی میں نے پڑھی ہے اس میں صراحت ہے کہ جنات کی تخلیق آگ سے ہے اور آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہے یہ بات قرآن کریم کی بہت ساری آیات میں مذکور ہے، یہ لفظ پہلے میں نے آپ کے سامنے بول دیا کہ اللہ کی حکمت کا تقاضا تھا ہم اس حکمت تک نہیں پہنچ سکتے اس لئے اللہ کے معاملات کو اپنی عقل کی گرفت میں لانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے، عقل بھی اللہ کی مخلوق ہے، مخلوق اپنے خالق پر حاوی نہیں ہوسکتی اس لئے اللہ کے معاملات میں چوں چرا کرنا اپنی حد سے تجاوز کرنا ہے، اپنی حد کے اندر رہنا چاہیئے، جو بات صراحت کے ساتھ ثابت ہو جائے سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس کو ماننا ہمارا حق ہے، وہ جو کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں "**لا یسئل عما یفعل**" اس سے سوال نہیں کیا جاسکتا کہ کیوں کیا؟ یہ اعلان ہے اس کی طرف سے۔

آدم علیہ السلام اور اولاد آدم کی خصلت:

میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ یہ دو مخلوقیں ہیں بعد میں اس سے دو گروہ نمایاں ہوئے ایک گروہ نمایاں ہوا آدم علیہ السلام کی خصلت پر کہ غلطی ہوگئی رونے لگ گئے معافی مانگ لی، یہ آدم علیہ السلام کی اولاد آدم کی صفت پر ہے کہ غلطی ہوگئی اقرار کرلیا انکار نہیں کیا جب تک اپنے مالک کو راضی نہیں کرلیا روتے ہی رہے، روتے ہی رہے، مطلب یہ کہ آدم علیہ السلام چونکہ پہلے شخص تھے جن کے ساتھ واقعہ پیش آیا تو ہمارے ابا کو یہ طریقہ بھی نہیں آتا تھا کہ اللہ کو منانا کیسے ہے؟ اب رو رہے ہیں بولتے کچھ نہیں، کہہ کچھ نہیں سکتے آتا ہی کچھ نہیں کیا کہیں؟ اب اس ارحم الراحمین کو رحم آیا اس نے طریقہ بتایا کہ میرے سامنے معافی مانگنے کا یہ طریقہ ہے "فتلقیٰ آدم من ربه كلمات" آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے اللہ نے کہا کہہ "ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنكونن من الخسرين" اللہ ہم سے زیادتی ہوگئی، ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اپنا نقصان کیا اگر تو نے رحم نہ کیا تو ہم بہت خسارے میں چلے جائیں گے یہ اللہ نے کلمات سکھائے۔

مثال سے وضاحت:

یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کا بچہ کوئی غلطی کرے آپ نے اس کو پکڑ کر سمجھانا شروع کیا یا مارنا شروع کیا اب وہ رو تو رہا ہے لیکن اس کو یہ بھی پتہ نہیں کہ میں آپ کو راضی کیسے کروں؟ معافی مانگنے کا طریقہ کیا ہے؟ اب آپ اسے کہیں گے کہ کہہ مجھ سے غلطی ہوگئی، ایسے ہی کہا کرتے ہیں نا؟ بچوں سے کہلواتے ہیں کہ کہہ مجھ سے غلطی ہوگئی اور کہہ کہ آئندہ ایسے نہیں کروں گا، تو ہمارے محاورے کے مطابق بھی ایسا ہی ہے جب درخواست کا مضمون حاکم خود بتائے تو منظور کیوں نہیں ہوگی، جب حاکم کہے کہ تو لکھ کر لا تو پھر وہ منظور کیوں نہیں کرے گا، ایک تو ہے درخواست دی اس نے کہا اس میں یہ

غلطی ہے لے جا، غلطیاں لگا کر درخواست واپس کردے اور ایک یہ ہے کہ مضمون خود بتائے کہ یہ لکھ کر لاؤ، تو جب مضمون وہی ہے جو اس نے خود بتایا ہے تو پھر اس کو مسترد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوگی۔

اب یہ اللہ نے بتایا ہے کہ یوں کہو "ربنا ظلمنا انفسنا" غلطی کرنے میں حضرت حواء علیہا السلام ساتھ شریک ہیں لیکن حواء علیہا السلام کا ذکر اللہ نے ساتھ نہیں کیا، صرف آدم علیہ السلام کا ذکر ہے، حواء علیہا السلام کا ذکر نہیں ہے ہر معاملہ میں عورت کو مرد کے پیچھے چھپا کے رکھا ہے، غلطی دونوں نے کی ہے لیکن قرآن کہتا ہے "عصیٰ آدم ربہ" حضرت حواء علیہا السلام کا تذکرہ نہیں ہے، اب ایک طبقہ تو یہ پیدا ہو گیا جنہوں نے اپنے باپ کی سنت کو اپنایا غلطی ہونا یہ انسان کی فطرت میں داخل ہے یہ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق ہی ایسی بنائی ہے غلطی تو اس نے کرنی ہی کرنی ہے، ایک گروہ ہے جن کو اللہ نے غلطیوں سے پاک رکھا ہے اور وہ ہے انبیاء علیہم السلام کا گروہ ان سے غلطی نہیں ہوتی، وہ معصوم ہیں کیونکہ انہوں نے نمونہ بننا ہے باقی انسان کی طبعیت میں ہے اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ غلطی اس سے ہوتی ہے، بھول چوک ہو جاتی ہے "نسی آدم فنسی ذریتہ" آدم علیہ السلام بھی بھولے ہیں ان کی اولاد بھی بھول جاتی ہے آدم علیہ السلام سے خطاء ہوئی ہے اولاد بھی خطا کر جاتی ہے۔

ابلیس کی خصلت:

اور ایک دوسرا گروہ ہے جو پہلے دن سے اللہ کے سامنے اکڑنے والا ہے رونا دھونا تو اپنی جگہ رہا اللہ کے سامنے اکڑنے والا، اللہ نے حکم دیا کہ میرے خلیفہ کو سجدہ کرو، فرشتوں کو حکم دیا صراحتاً، جب فرشتوں کو حکم دیا تھا جو اعلیٰ مخلوق تھی تو جو ادنیٰ مخلوق وہاں موجود تھی وہ بھی اس میں شامل تھی، جب فرشتوں کو حکم تھا جو اعلیٰ مخلوق تھی تو ادنیٰ کو تو بطریق اولیٰ اس کا حکم تھا، قرآن کریم میں صراحت ہے میں نے تجھے حکم دیا تھا تو نے سجدہ

کیوں نہیں کیا؟ ابلیس نے یہ نہیں کہا کہ فرشتوں کو حکم دیا تھا مجھے حکم نہیں دیا تھا یہ نہیں کہا اس نے یہ عذر نہیں کیا "مامنعك ان تسجدلما خلقت بيدى" جب میں نے کہا تھا تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ وہ آگے سے کہتا ہے کیوں کرتا سجدہ یہ تو عقل کے خلاف ہے۔

آگے اللہ کے حکم کے مقابلہ میں اکڑ گیا، یہ تو عقل کے خلاف ہے میں آگ سے پیدا ہوا ہوں آگ روشن ہے چمکدار ہے اور یہ مٹی سے بنا ہے آگ مٹی کے مقابلہ میں افضل ہے، لہذا میں اس سے بہتر ہوں، کیوں؟ "خلقتنی من نار و خلقته من طین" اس کو مٹی سے بنایا ہے اور مجھے آگ سے بنایا ہے تو جو گھٹیا ہوتا ہے عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو حکم دیا جائے کہ وہ اعلیٰ کو سجدہ کرے یہ بڑھیا کو حکم دینے کا کیا مطلب؟ یہ اکڑ گیا یہ اکڑ آ گئی اللہ کے حکم کے مقابلہ میں یہ قصہ یہیں سے شروع ہوا، جیسے اب بھی کچھ لوگ اللہ کا حکم کے آجانے کے بعد آگے سے اکڑنا شروع کر دیتے ہیں وہ صحیح وارث ہوتے ہیں اس کے، یہ نکتہ یاد رکھنا ان شاء اللہ العزیز آپ کے کام آئے گا۔

ابلیس کو اللہ تعالیٰ کا جواب:

جب وہ اکڑ گیا تو اللہ اس کے ساتھ مناظرہ کے لئے نہیں بیٹھا کہ تو نے کیسے کہہ دیا آگ افضل ہے مٹی سے؟ مٹی میں یہ خوبی ہے، یہ خوبی ہے، یہ خوبی ہے، آگ میں یہ نقص ہے مناظرہ نہیں کیا اللہ نے، یہ جو منطق اس نے چلائی اللہ کے سامنے اپنی عقل کے مقدمے جوڑ کر جیسے منطقی نتیجے نکالا کرتے ہیں اس کا جواب پتہ ہے اللہ نے کیا دیا؟ "فاخرج منها فانك رجيم وان عليك لعنتى الى يوم الدين" دفع ہو جا یہاں سے نکل جا، مردود کہیں کا قیامت تک مردود ہے، یہ اللہ کا جواب ہے، نکل جا یہاں سے تو مردود ہے "ان عليك لعنتى الىٰ يوم الدين" قیامت تک تجھ پر میری لعنت ہے، بسا اوقات عقل مندوں کو ایسے ہی جواب دینا

پڑتا ہے کہ عقل کو رکھو گھر اللہ کے حکم کے مقابلہ میں تمہاری عقل کی کوئی قدر نہیں ہے پہلا سبق جو دیا ہے اس تصادم میں وہ یہی ہے۔

ایک طرف نیاز مندی ہی نیازمندی ہے غلطی ہوگئی ہے حضور معاف کردو، رور ہے ہیں بولا نہیں جاتا، عذر نہیں کیا جاتا، اور ایک طرف اکڑ ہی اکڑ ہے۔

ابلیس کی دھمکیاں اور اللہ تعالیٰ کا جواب:

توجہ کرو، اس بات کو ذرا پلے باندھ لینا، ابلیس نے اللہ کے سامنے کہا "لاحتنکن ذریته" وہ تیرا لاڈلا جس کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مجھے مردود بنادیا مجھے ذرا مہلت دے "لاحتنکن ذریته" میں اس کی ذریت کا احتناک کروں گا، یہ دھمکی دے رہا ہے اللہ کے سامنے، مجھے ذرا مہلت دے دیکھوں گا یہ تیرے فرمانبردار کیسے بنتے ہیں؟ میں اس کی اولاد کا احتناک کروں گا اب رہی یہ بات کہ احتناک کیا ہوتا ہے؟ میرا خیال یہ ہے کہ اس مجمع کے اندر اکثریت شہری لوگوں کی ہے، کاروباری لوگوں کی ہے، کاشتکار اور زمیندار لوگ شاید کم ہوں گے وہ اس بات کو جلدی سمجھتے ہیں۔

بسا اوقات ایک بچھڑا اچھلتا بہت ہے، قابو نہیں آتا، اکڑتا ہے تو ان کاشت کاروں کی عادت ہے کہ اس کے منہ میں رسہ ڈال کر نچلا جبڑا اس کا باندھ دیتے ہیں جب نچلا جبڑا باندھ دیا جائے پھر جب وہ اچھلتا ہے، تو جبڑا چھوٹتا ہے جبڑے میں تکلیف ہوتی ہے اس لئے سکون سے کھڑا ہو جاتا ہے اس کو احتناک کہتے ہیں، میں اس کی اولاد کو اس طرح قابو کروں گا دیکھوں گا حرکت کیسے کرتی ہے؟ ایک جگہ اس کے لفظ نقل کیے ہیں کہ میں ان کے

- آگے سے آؤں گا،
- پیچھے سے آؤں گا،

- دائیں سے آؤں گا،
- بائیں سے آؤں گا،
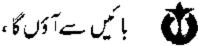
"لاتجد اکثرھم شاکرین" ان کی اکثریت تیری شکر گزار نہیں ہوگی ،
یہ اس نے اللہ کے دربار میں دھمکیاں دی ہیں ، اللہ نے فرمایا ٹھیک ہے تو اپنا زور لگالے میری طرف سے تجھے مہلت ہے جو چاہے کر، لیکن یادرکھ تو بھی اور جو تیرے قبضے میں آجائیں گے ان کے لئے جہنم کی آگ ہے ، میرا کیا بگڑے گا میں سب کو اکٹھا کر کے جہنم میں بھیج دوں گا "لاملئن جھنم منک وممن تبعک منھم اجمعین" تجھے بھی اور تیری اولاد کو بھی تیرے چیلے چانٹے جتنے ہوں گے سب کو اکھٹا کر کے جہنم میں بھیج دوں گا ، اس کا نتیجہ پھر یہ ہوا اللہ کے سامنے اکڑ دکھانے کا اور اللہ کے حکم کے مقابلہ میں عقل لڑانے کا۔

یہ ہے سلسلہ جو وہاں سے شروع ہوا اور قیامت تک اس قسم کے بدنصیب پیدا ہوتے رہیں گے جو اللہ کے حکم کے مقابلہ میں اپنی عقل کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ اس کے صحیح وارث ہیں ، اوران کے لئے بشارت قرآن کریم میں موجود ہے کہ اس قسم کے جتنے بھی لوگ ہوں گے سب کو اکٹھا کر کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا ، اس میں اللہ کا کیا نقصان ہے؟،

عاجزی کرنے والوں کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے:

اور دوسری طرف ہمارے بابا نے کی تھی نیاز مندی اس نے اللہ کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے ،اور رو دیا تھا تو رونے والوں کے لئے رحمت کا دروازہ اللہ نے ہمیشہ کے لیے کھول دیا ہے ، غلطی کر کے رونے والوں کے لئے ہمیشہ کے لئے رحمت کا دروازہ کھلا ہے ، کتنے بڑے بڑے جرم کر کے کیوں نہ آئے تفصیل میں نہیں جا سکتا وقت بھی کم ہے کتنے بڑے بڑے جرم اسی شہر میں ہوئے ، کتنے بڑے بڑے مجرم

موجود تھے، بتوں کو پوجنے والے صرف یہ نہیں کہ بتوں کو پوجا بلکہ اللہ کے نبی کے ساتھ جو برا سلوک کیا ہے وہ بھی سامنے ہے،
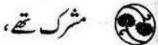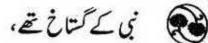
 مشرک تھے،

  نبی کے گستاخ تھے،

 نبی پر ظلم کرنے والے تھے،

 ستم کرنے والے تھے،

اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس وقت آنکھیں کھلیں تو اب ان کو اپنے جرائم یاد آرہے ہیں کہ ہم نے تو بہت جرم کیے ہیں اب ہم جائیں اللہ کے رسول کے سامنے تو کس منہ سے جائیں، اب ان کو اپنے جرائم یاد آرہے ہیں۔

میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد مکہ سے مدینہ گئے بہت ہوشیار صحابی ہیں، بعد میں مصر کے فاتح بنے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے جا کر کہتے ہیں کہ ہاتھ بڑھایئے میں بیعت کرنا چاہتا ہوں، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے صحابی ہیں یہ تینوں اکٹھے گئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا مکہ نے آج تو اپنے جگر کے ٹکڑے ہماری طرف پھینک دیے ہیں ہاتھ بڑھایئے میں بیعت کرنا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہاتھ بڑھا دیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا، پہلے کہا ہاتھ بڑھایئے میں بیعت کرنا چاہتا ہوں "ابسط بیمینك لابایعك" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھایا انہوں نے اپنا ہاتھ پیچھے کرلیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمرو یہ کیا؟

صلح چونکہ ہو چکی تھی اس لئے آنا جانا شروع ہو گیا تھا، مشرک مدینہ جاتے تھے، مسلمان مکہ آتے تھے آمدورفت شروع ہوگئی تھی وہ کہنے لگے کہ میں بیعت کرنے

سے پہلے ایک شرط لگانا چاہتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا وہ کیا؟ کہا کہ پچھلی غلطیاں معاف ہوجائیں جو کچھ کیا تھا سب آنکھوں کے سامنے تھا، اگر ان غلطیوں کو سامنے لانا ہے تو پھر بیعت کرنے کا کیا فائدہ؟ ہم تو چھوٹ سکتے ہی نہیں، اس لئے کہا کہ پچھلی غلطیاں معاف ہوجائیں، یہ شرط لگائی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے، آپ ﷺ نے فرمایا عمرو تجھے معلوم نہیں "ان الاسلام یھدم ماکان قبلہ" (مشکوٰۃ ص ۱۴ ج ۱) جب ایک کافر مشرک مسلمان ہوتا ہے پچھلے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں "ان الاسلام یھدم ماکان قبلہ وان الھجرۃ یھدم ماکان قبلہ" جب انسان دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام میں داخل ہوجاتا ہے تو اس کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

مجھے کچھ یاد پڑتا ہے کہ اس روایت میں "ان الحج یھدم ماکان قبلہ" بھی ہے کہ حج کے ساتھ بھی سارے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں تو جب آپ نے اس کو بشارت دی تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو:

اس قسم کے اشکال کو دور کرنے کے لئے قرآن کریم کی یہ آیت آئی جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ عام اعلان کردو "یعبادی الذین اسرفوا" او میرے بندو جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہوئی ہے "لاتقنطوا من رحمۃ اللہ" اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، "ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا" بے شک اللہ تعالیٰ سارے ہی گناہ معاف کرنے والا ہے، یہ آیت ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے شرک کے زمانے میں زیادتی کی ہوئی تھی عام معافی کا اعلان کردیا گیا کہ مایوس نہ ہو جو کچھ ہوچکا سب معاف ہے یہ اعلان ان کے متعلق ہے "ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا" اس میں مغفرت ذنوب کا عمومی اعلان کیا گیا۔

اور مسئلہ یہی ہے کہ مشرک کافر شرک کے زمانے میں جتنی بھی برائیاں کرلیں لیکن جب مسلمان ہوتا ہے تو اس کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

مسلمان کے توبہ کرنے پر اللہ کی خوشی:

پھر مسلمان ہوجانے کے بعد اب وہ دائرہ آگیا اپنا فرمانبرداروں کا اب اس میں اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول نے توبہ کی ترغیب بھی دی ہے اور ساتھ ساتھ کچھ ضابطے بھی بتائے ہیں، اصل کے اعتبار سے ان ضابطوں کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے ترغیب تو اتنی دی ہے کہ اگر میں توبہ کی ترغیب کی روایتیں سنانے لگ جاؤں تو وقت میں گنجائش ہی نہیں، قرآن کریم بھرا پڑا ہے توبہ کرنے کا مطالبہ، توبہ کے فضائل، حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں، قرآن کریم میں بار بار آیتیں آئی ہوئی ہیں۔

لیکن ایک روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ سب روایتوں کی جان ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بھولا بھٹکا بندہ

- جو اللہ کے راستہ سے ہٹا ہوا ہے،
- اللہ کا باغی بنا ہوا ہے،
- اللہ کا نافرمان ہے،

جب وہ اپنی غلطی کا احساس کرکے اللہ کے دروازے پر آتا ہے تو اللہ کو اتنی خوشی ہوتی ہے، اتنی خوشی ہوتی ہے جس کو ایک مثال کے ساتھ واضح فرمایا ہے، اللہ خوش ہوتا ہے کتنا خوش ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فرض کرو کہ ایک آدمی ہے اس زمانہ میں بڑے بڑے ریگستانوں میں اونٹوں پر سفر ہوتا تھا، میلوں تک پانی نہیں ہوتا تھا، ریگستان میں کھانے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی، ایک آدمی اونٹنی پر سوار ہے اور اپنا سارا زاد راہ اس نے اس اونٹنی پر لادا ہوا ہے اور وہ جارہا ہے، ایک جگہ جاکر کسی ضرورت یا آرام

کے لئے اترا تو اس کی آنکھ لگ گئی ، اور جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹنی کہیں بھاگ گئی ، اونٹنی وہاں موجود نہیں ہے ، اب آپ نہیں اندازہ کرسکتے کیونکہ ہمارے سامنے وہ حالات نہیں ہیں ، کہ جہاں میلوں پانی موجود نہ ہو کھانے کے لئے کوئی چیز موجود نہ ہو اور ایسے وقت میں سارا ہی زاد راہ گم ہوجائے ، پیدل سفر نہیں کرسکتا ریگستان میں ، تو وہ شخص جو تھا اتنا پریشان ہوا اتنا پریشان ہوا ادھر دیکھا ادھر دیکھ ، جب اس کی اونٹنی کہیں نظر نہ آئی تو کہنے لگا اب تو مرنا ہی ہے چلو جہاں اونٹنی گم ہوئی تھی وہیں جاکے لیٹ جاتا ہوں ، آنکھیں بند کرلیتا ہوں موت آجائے گی تو مرجاؤں گا ، بھوکا مرجاؤں گا پیاسا مرجاؤں گا کہیں جانے کی طاقت نہیں ہے اور جو کچھ پاس تھا وہ سب گم ہوگیا۔

اب آپ اندازہ کریں کہ اس شخص کے دل ودماغ کے اوپر کتنا صدمہ ہوتا ہے جب وہ مرنے کی نیت سے لیٹا گویا کہ موت کے منہ میں چلا گیا ، مرنے کی نیت سے لیٹا تو ذرا سی آنکھ لگ گئی اور جب تھوڑی دیر میں آنکھ کھلتی ہے تو وہی اونٹنی سازوسامان کے ساتھ موجود ہے ، اب اس اونٹنی کو دیکھ کے یہ سمجھو کہ یہ مرا ہوا زندہ ہوگیا ، اور حضور ﷺ فرماتے ہیں اتنا خوش ہوا اتنا خوش ہوا کہ خوشی میں عقل کھو بیٹھا ، اب کہنا تو یہ تھا "**اللهم انت ربی وانا عبدك**" کہ اے اللہ ! واقعی تو میرا رب اور میں تیرا بندہ ہوں ، میری ضرورت تو نے پوری کی ہے کہنا تو یہ تھا لیکن اس کے منہ سے نکل گیا "**اللهم انت عبدی وانا ربك**" کہ یا اللہ ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں ، اس کے منہ سے یہ نکل گیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا "**اخطاء من شدة الفرح**" خوشی کی شدت میں اسے ہوش نہیں رہی اس لئے منہ سے یہ نکل گیا ، اب یہ خوشی کی انتہاء ہے کہ اس کو یہ نہیں پتہ کہ میں کیا کہہ رہا ہوں ، تو اس طرح خوشی میں انسان بسا اوقات ہوش کھو بیٹھتا ہے ، فرمایا کہ جتنا گم شدہ اونٹنی کے ملنے پر خوشی اس شخص کو ہوئی ہے ،

اللہ بندے کے توبہ کرنے سے اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے (سبحان اللہ) بتاؤ اس سے زیادہ کیا تصور کیا جا سکتا ہے اللہ کی خوشی کا، بندہ جب توبہ کرتا ہے تو اللہ کتنا خوش ہوتا ہے اس مثال کے ساتھ سمجھایا ہے حضور ﷺ نے کہ بندہ کا اللہ کے دروازے پر لوٹ آنا اللہ کے لئے اتنا خوشی کا باعث ہے۔

اس لئے میں نے کہا کہ یہ روایت تمام روایات کی جان ہے جن میں توبہ کے فضیلت بیان کی گئی ہے، اور توبہ کی ترغیب دی گئی ہے، اس سے زیادہ بڑھ کر کسی چیز کے ساتھ اس کو ظاہر نہیں کیا جا سکتا اتنا خوشی کا اظہار فرمایا ہے، توبہ کرنے والوں کے اوپر اللہ اتنا خوش ہوتا ہے۔

جان بوجھ کر گناہ کرنا توبہ کی توفیق سے محروم کر دیتا ہے:

لیکن ساتھ ساتھ آدم کا بچہ چونکہ بھول بھی جلدی جاتا ہے، ایک طرف کو دیکھتا ہے دوسری طرف سے ڈھول ہو جاتا ہے یہ کہیں توبہ کو گناہوں کا بہانہ ہی نہ بنا لے اس لئے ساتھ ساتھ تھوڑا تھوڑا اللہ تعالیٰ نے اس کا پیدا کرنا بھی واضح کیا ہے، اس کو یوں سمجھو! کہ جیسے کسی نے مرہم ایجاد کر دی کہ زخم کے اوپر لگاؤ تو فوراً زخم ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن اس مرہم کو آزمانے کے لئے خود تو اپنے آپ کو زخمی نہ کرو، زخم ہو گیا تو مرہم لگا لو، آپ کہیں کہ چونکہ مرہم مل گئی ہے اس لئے زخم لگا کر اس کو استعمال کر کے دیکھیں تو یہ کہاں کی عقلمندی ہے؟۔

مرہم اس لئے تو نہیں دی گئی کہ تم بیٹھے بیٹھے اپنے آپ کو زخمی کرتے رہا کرو اور مرہم لگاتے رہو وہ تو اس لئے دی ہے کہ اگر کسی وجہ سے زخم ہو گیا تو اس کا یہ علاج ہے تو توبہ گناہ کا دروازہ نہیں کھولتی کہ جب اللہ نے اتنا دروازہ کھول دیا ہے تو پیٹ بھر کر گناہ کرو بعد میں توبہ کر لینا، یہ تو اس لئے ہے کہ آدم کا بچہ جو انتہائی

فرمانبرداری کے ساتھ چلتا ہے اگر غلطی ہوگئی تو اللہ کہتا ہے مایوس ہونے کی بات نہیں ہے، توبہ کرلو توبہ اس طرح ہے۔

یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں یہ چوتھے پارے کے آخری رکوع سے پہلے والے رکوع میں ہے "انما التوبة علی الله للذین یعملون السوء بجهالة ثم یتوبون من قریب" یہ بھی قرآن کریم میں ہے، اس ارحم الراحمین کی کلام ہے "انما التوبة علی الله للذین یعملون السوء بجهالة" یہ توبہ کی قبولیت ان لوگوں کے لئے ہے جو نادانی اور بے وقوفی سے غلطی کر بیٹھتے ہیں، جان بوجھ کر نہیں کرتے، نادانستہ ہوگئی "ثم یتوبون من قریب" پھر جب غلطی کا پتہ چلتا ہے تو جلدی توبہ کر لیتے ہیں ان کی توبہ کا قبول کرنا تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے "اولئك یتوب الله علیهم" یہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ قبول کرتا ہے۔

"ولیست التوبة للذین یعملون السیئات" ان لوگوں کے لئے کوئی توبہ نہیں ہے جو مسلسل گناہ کرتے چلے جاتے ہیں، گناہ کرتے چلے جاتے ہیں، زندگی میں ان کو توبہ کی نوبت نہیں آئی "حتیٰ اذا حضر احدهم الموت قال انی تبت الآن" جس وقت موت کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اب میری توبہ، جب مرنے لگتے ہیں تو توبہ کرتے ہیں فرمایا ان کے لئے کوئی توبہ نہیں ہے، "ولا الذین یموتون وهم کفار" اور نہ توبہ ان کے لئے جو کفر کی حالت میں مرجاتے ہیں، یا شرک کی حالت میں مرجاتے ہیں ان کے لئے بھی کوئی توبہ نہیں ہے، کافر کی توبہ قبول نہیں، مشرک کی توبہ قبول نہیں، اور زندگی بھر تسلسل کے ساتھ جرم کرنے والوں کی توبہ موت کے وقت قبول نہیں۔

اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا جس وقت تک سانس نہ اکھڑے، جب تک موت کا یقین نہ آجائے کہ اب میں مر رہا ہوں ایسے وقت میں کوئی توبہ نہیں ہے اس

ضابطہ کو ذہن میں رکھیے اس لئے جان بوجھ کر کسی گناہ کے اوپر اصرار کرنا بسا اوقات انسان کو توبہ کی توفیق سے محروم کردیتا ہے، اور پھر اگر مرتے وقت توبہ توبہ پکارے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اب وقت گزرگیا۔

فرعون کی فرعونیت ایک چلو پانی سے نکل گئی:

فرعون کا قصہ آپ کے سامنے ہے ساری زندگی کہتا رہا"انا ربکم الاعلیٰ" نعرے لگاتا رہا اور جب ایک چلو پانی ناک میں گیا، کیا خیال ہے آپ کا کہ سارا سمندر ناک میں گھس گیا تھا، کتنا پانی ناک میں گیا ہوگا؟ ایک چلو سے زیادہ پانی نہیں جاسکتا تو فوراً کہنے لگا"آمنت برب موسیٰ وھارون" رب موسیٰ وہارون پر میں ایمان لے آیا ہوں، اللہ نے کہا"آلئٰن" اب ایمان لاتے ہو اور پہلے ساری زندگی نافرمانی کرتے رہے اس لئے نوجوان یا دوسرے لوگ جن کو اللہ نے زندگی کے اندر اسباب دیے ہیں بسا اوقات مغالطے ہوتے ہیں کہ میں یہ ہوں، میں وہ ہوں، یہ بھی ایک مغالطہ ہوتا ہے، یادرکھیے! جب وقت آتا ہے،

- تو نہ دولت کام آتی ہے،
- نہ علم کام آتا ہے،
- نہ اقتدار کام آتا ہے،
- نہ فوجیں کام آتی ہیں،
- کچھ کام نہیں آتا،

فرعون کی فرعونیت پانی کے ایک چلو سے نکل گئی، نمرود کی نمرودیت ایک مچھر سے نکل گئی، ہم ان کے مقابلہ میں کیا ہیں۔

خدا نے ایسے ہزاروں نقشے مٹا دیے ہیں بنا بنا کر:

اس لئے میں ان نوجوانوں کو کہا کرتا ہوں جو شیشہ دیکھ کر اپنا صاف منہ دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں کہ ہم کیسے خوبصورت ہیں میں کہا کرتا ہوں کہ ایک وظیفہ یاد کرلو، دماغ سارے کا سارا ان شاء اللہ ٹھیک ہوجائے گا جب شیشہ سامنے آئے تو شیشہ دیکھ کر کہا کرو،

خدا نے ایسے ہزاروں نقشے مٹا دیے ہیں بنا بنا کر

غرور ہے تو کس بات کا؟ فخر ہے تو کس بات پر ہے؟ ایسے تو روز پیدا ہوتے ہیں اور روز مرتے ہیں۔

یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں یہ بھی قرآن کریم میں ہے "الذین اذا فعلوا فاحشة اوظلموا انفسهم ذکرو االله فاستغفروا لذنوبهم ومن یغفرالذنوب الا الله ولم یصروا علی مافعلوا" یہ اللہ نے اپنے بندوں کی تعریف کی ہے "اذافعلوا فاحشة" جب ان سے کوئی بے حیائی کی حرکت سرزد ہوجاتی ہے "اوظلموا انفسهم" یا کوئی چھوٹا موٹا گناہ کر لیتے ہیں "ذکروا الله" پھر وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں، پھر اللہ سے استغفار کرتے ہیں اور اللہ کے بغیر گناہ کون معاف کرسکتا ہے، تو اللہ کو یاد کر کے توبہ واستغفار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ معاف کردیتے ہیں "ولم یصروا علی مافعلوا وهم یعلمون" جانتے ہوئے اس گناہ پر وہ اڑتے نہیں ہیں اصرار نہیں کرتے، جو اڑ جائے اور اصرار کرے یہ آیت بھی اس کا دروازہ بند کرتی ہے۔

گناہوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے:

اور گناہ کا مطلب سمجھانے کے لئے آخری بات عرض کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ

مجھے بھی معاف فرمائے ، مجھے بھی توفیق دے ،آپ کو بھی توفیق دے ، اور یہ باتیں ہمارے ذہن میں رہ جائیں ، جہاں گناہ کرنے کے ساتھ اللہ ناراض ہوتا ہے ،اور ہمارا مقدر خراب ہوتا ہے دل پریشان ہوتا ہے دل کا اطمینان ختم ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ میرا میرے اکابر کا یہ عقیدہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ پر بھی ہمارے اعمال پیش ہوتے ہیں ،گاہے گاہے ہمارے اعمال پیش ہوتے ہیں کہ آپ کی امت میں یہ ہورہا ہے ، اور بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ کوامت کی بداعمالیوں سے تکلیف ہوتی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی ؒ کے وعظوں میں ایک قصہ پڑھا تھا وہ سنا کے بات ختم کرتا ہوں فرماتے ہیں کہ دہلی میں ایک شاعر تھا اس نے سرور کائنات ﷺ کی شان میں ایک بہت شاندار نعت کہی نعتیں شاعر کہتے ہیں ہم سنتے رہتے ہیں ، اور وہ فارسی میں تھی ، اور وہ نعت پہنچ گئی ایران کیونکہ ایران اور مغلیہ خاندان کے تعلقات بہت تھے ،تو وہاں ایک شخص بے چارہ وہ اس نعت سے، اتنا متاثر ہوا کہ اس نے سمجھا شاید یہ کوئی اللہ والا ہے ، یہ شاعر تو واقعی اللہ والا ہے ، اور حضور ﷺ کا عاشق صادق ہے ، اس کی تو زیارت کرنی چاہیئے ، بہت متاثر ہوا اور چل دیا ، اس وقت پیدل سفر ہوتا تھا تو وہ پیدل چلا اس بزرگ کی زیارت کرنے کے لئے جب وہ وہاں پہنچا تو پوچھتا ہے کہ اس نام کا شاعر کہاں ہے؟

کسی نے بتایا کہ وہ بازار میں نائی کی دکان پہ بیٹھا حجامت بنوا رہا ہے وہ شخص وہاں چلا گیا ، جا کے جو دیکھا تو وہ داڑھی منڈوا رہا تھا ، وہ تو ہکا بکا رہ گیا کہ میں کیا سمجھ کر آیا تھا اور یہ کیا ہے؟ کہتا ہے آغا ریش مے تراشی ، آغا داڑھی منڈواتے ہو؟ وہ آگے سے کہتا ہے ،

ریش مے تراشم ولکن دل کسے نمے خراشم

میری بات ہے یہ کہ میں داڑھی تو منڈواتا ہوں لیکن کبھی کسی کا دل نہیں دکھاتا یہ میری صفت ہے وہ آغا کہنے لگا ،تو آگے سے اس آدمی نے جواب دیا کسی کا دل دکھاتے ہو یا نہیں رسول اللہ ﷺ کا دل ضرور دکھاتے ہو، کہتے ہیں چیخ مار کر وہ آغا بے ہوش ہوگیا اور ہوش میں آنے کے بعد کہتا ہے" جزاك الله "اللہ تجھے بدلہ دے تو نے تو میری آنکھیں کھول دی ہیں، یہ بات کہہ کر تو نے تو میری آنکھیں کھول دی ہیں، ہم سمجھ رہے ہیں کہ ہم کسی کے دل کو تکلیف نہیں پہنچاتے لیکن یہ عیسائیوں اور یہودیوں والی شکل لے کر روضہ اقدس پر جب جانا ہوگا خاص طور پر تو کیا رسول اللہ ﷺ کا دل نہیں دکھتا ہوگا کہ امتی میرا ہے، کلمہ میرا پڑھتا ہے لیکن تہذیب اپنائی ہوئی ہے عیسائیوں والی ،تہذیب اپنائی ہوئی ہے ہندوؤں والی ،علامہ اقبال کہتا ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تمدن میں ہنود
تم مسلمان ہو جن کو دیکھ کر شرمائیں یہود

بہرحال توبہ کے لئے شرط ہے کہ نادانی کے ساتھ گناہ ہوا ہو اور گناہ ہوتا ہی نادانی سے ہے، عقل سے کام لیا جائے تو گناہ ہوتا ہی نہیں، اور پھر جب تنبیہ کی جائے تو فوراً انسان متوجہ ہو جائے اور پھر آئندہ کے لئے اصرار نہ ہو بلکہ توبہ کے لئے شرط ہے کہ عہد ہو کہ آئندہ نہیں کروں گا، اللہ کی رحمت کا دروازہ کھلا ہے، اس کے گناہ سارے کے سارے اللہ معاف کر دیتے ہیں۔

حج کے موقع پر تمام گناہوں سے توبہ کرو:

اب چونکہ یہ موقع حج کا ہے اور حج پر ہم امیدیں لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ معاف کریں گے تو ہمیں کثرت کے ساتھ استغفار کرنا چاہیئے، اور ساتھ ساتھ اپنا ایک ایک گناہ یاد کر کے توبہ کر کے آئندہ کے لئے نہ کرنے کا عہد کرنا چاہیئے، چاہے وہ نماز ہے

چاہے وہ روزہ ہے،

 چاہے وہ حج ہے،

- چاہے وہ زکوٰۃ ہے،
- چاہے وہ دنیاوی معاملات ہیں،

جو بھی کوتاہی ہے اس کی معافی اللہ سے مانگیں اور اللہ کی رحمت سے امید رکھیں ان شاء اللہ العزیز اس عمل کی برکت سے تمہاری زندگی کے اندر انقلاب آنا چاہیے، پہلے کی زندگی اور حج کر کے جانے کے بعد اتنا بڑا سفر کر کے آئے اور اتنی بڑی مشقت اٹھائی، اتنے اخراجات برداشت کیے، پورا چلہ لگایا، لیکن اس کے باوجود بھی حال میں تغیر نہ ہو تو پھر آپ جانتے ہیں کہ یہ گھاٹے کا سودا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس خسارے سے محفوظ رکھے، اور گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

جامعیت عقیدہ توحید

بمقام: منیٰ مکہ مکرمہ

بتاریخ: ۱۴۳۲ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔
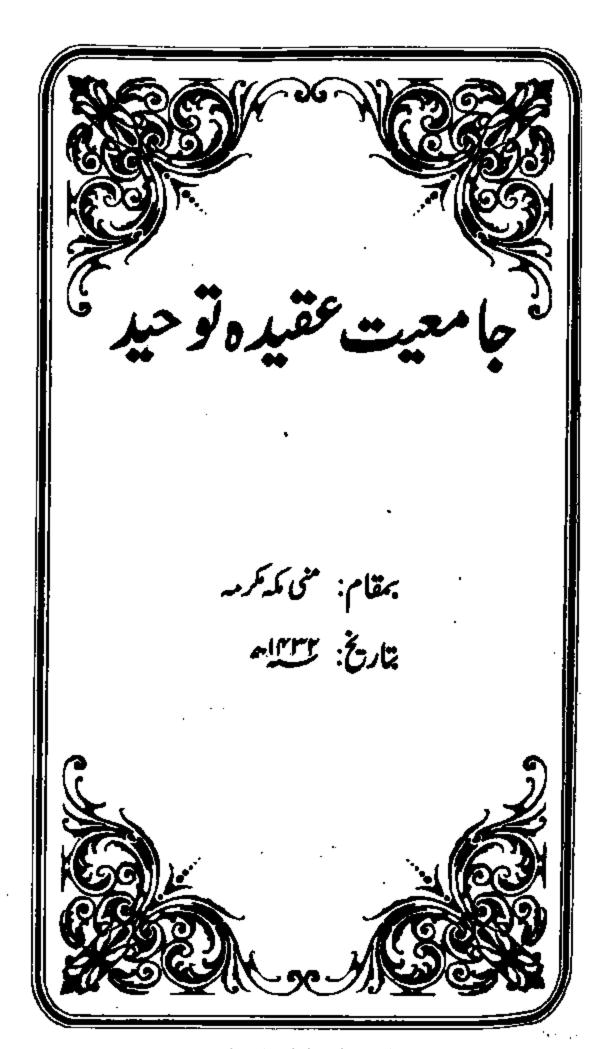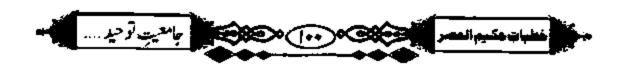
اَمَّا بَعْدُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَالْحَجِّ اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔

تمہید:

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہماری اس جماعت میں جس کو آپ ختم نبوت کہتے ہیں علماء، ذی استعداد، ذی صلاحیت لوگ موجود ہیں، فضائل ومسائل اور وظائف یاد کرانے کے لئے اللہ کا شکر ہے کہ سارے موجود ہیں، اور وقتاً فوقتاً آپ حضرات کے لئے ایسے مواقع مہیا کرتے ہیں جس سے آپ کے علم میں اضافہ کرتے ہیں، آپ کا شوق بڑھاتے ہیں اور ابھارتے ہیں اس پر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، اور یہ فضائل ومسائل اور وظائف مختلف اوقات میں ہو چکے ہیں اور ہوتے رہیں گے ان شاء اللہ۔

میرے جیسے ضعیف کمزور اور بوڑھے شخص کو آپ کے درمیان میں بٹھا دیا جاتا ہے تو نہ فضائل کے بیان کی طرف طبیعت چلتی ہے، اور نہ مسائل کے بیان کی طرف طبیعت چلتی ہے، بس یوں کہہ لیجئے کہ دردِ دل کی کچھ آہیں زبان سے نکل جاتی ہیں اور آپ حضرات کو سنا دیتا ہوں، اللہ مجھے اچھی بات کہنے کی توفیق دے، چونکہ واعظ تو میں ہوں نہیں، درس گاہی آدمی ہوں، پڑھنا پڑھانا شغل ہے، اس لئے میری گفتگو کا انداز زیادہ تر درس گاہی ہوتا ہے، اس لئے توجہ رکھیں گے تو اللہ کے فضل وکرم سے کوئی نہ کوئی بات کام کی ہاتھ آہی جائے گی۔

اسلام کی بنیاد پانچ چیزیں ہیں:

صحیح البخاری کتاب الایمان کی یہ پہلی روایت ہے جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے ذرا سی لفظی اختلاف کے ساتھ کیونکہ مسلم شریف میں یہ روایت ہے تو وہاں صوم کا ذکر پہلے ہے، اور حج کا بعد میں ہے، اور صحیح بخاری میں یہ روایت ہے تو وہاں حج کا لفظ پہلے ہے صوم کا بعد میں ہے، لیکن شارحین اس موقع پر ترجیح مسلم کی روایت کو دیتے ہیں کہ صوم کا ذکر پہلے ہے اور حج کا بعد میں ہے، حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے بہت دفعہ آپ نے سنا اور سنتے رہتے ہیں یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو آپ صرف مجھ سے ہی سن رہے ہیں۔

پانچ چیزیں اسلام کی بنیاد ہیں ان میں سے پہلی ہے شہادت توحید ورسالت، "شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ" اور دوسری ہے اقامت صلوٰۃ، نماز کو قائم کرنا ،اور تیسری ہے ایتاء زکوٰۃ،زکوٰۃ کا ادا کرنا ،اور چوتھی ہے صوم رمضان، رمضان کے روزے ،اور پانچواں ہے حج بیت ، بیت اللہ کا حج۔

شہادت کا مفہوم:

اس میں جو پہلی بات ہے اس کی حیثیت اس طرح ہے جس طرح درخت میں جڑ کی ہوتی ہے کیونکہ دوسری روایت جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے اس میں ایمان کو ایک شجرہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے،تو پہلی بات جس میں شہادت کا مطالبہ کیا گیا ہے،شہادت کا معنی زبان سے گواہی دینا تو اصل ہے "لاالٰہ الا اللہ محمدرسول اللہ" اس لیے ذکر اذکار میں "لاالٰہ الا اللہ" آتا ہے،"اشھدان لا الٰہ الا اللہ" یہ ذکر میں نہیں آتا،تو اصل "لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ہے اور اشھد کا معنی ہے کہ اس جزء کے صحیح ہونے پر میں گواہ ہوں ، میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے،صحیح ہے میں اس کو تسلیم کرتا ہوں،شہادت کا یہ مفہوم ہے۔

بے خدا تہذیب:

اب "لاالٰہ الا اللہ"جو پہلا جزء ہے یہ بنیاد ہے اس کائنات کے نظم کی، یہ دنیا خیر اور شر کا مجموعہ ہے ،اس لئے اس وقت اس دنیا میں جو لوگ موجود ہیں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت نوح علیہ السلام تک تو دینی اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں تھا پھر نوح علیہ السلام کے بعد اختلافات شروع ہوئے توحید اور شرک کے ،ان کا آپ کے

سامنے اجمالاً ذکر آجائے گا، اس وقت اللہ کی مخلوق جو اس زمین پر موجود ہے جن کو ہم انسان کہتے ہیں ان میں ایک بہت بڑی جماعت ایسی ہے جو صرف "لا الٰہ" پر رک گئی، آگے نہیں بڑھے، وہ کہتے ہیں کہ ہے ہی کوئی نہیں "لا الٰہ" کا معنی کوئی بھی نہیں، اللہ ہے ہی نہیں۔

آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ روس والوں کے نظریات یہی ہیں وہاں انہی لوگوں کی کثرت ہے یہ علاقہ سارے کا سارا بے خدا تہذیب والا علاقہ ہے یہ صرف "لا الٰہ" پر رک گئے وہ سرے سے خدا کے وجود کے قائل ہی نہیں آپ سارے پڑھے لکھے حضرات ہیں جس وقت روس میں انقلاب آیا تھا اور یہ بے خدا تہذیب غالب آئی تھی تو روس نے اپنے ملک میں بین الاقوامی ائیر پورٹوں پر بڑے بڑے بورڈ لگوا دیے تھے جس میں یہ لکھا تھا کہ روس نے اپنے وجود سے اللہ کے تصور کو، خدا کے تصور کو باہر نکال دیا ہے (میں نے تو رسالوں میں پڑھا ہے وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا) روس کے وجود میں خدا کا کوئی تصور نہیں ہے یہ تو رہ گئے "لا الٰہ" پر۔

متعدد الٰہ ماننے والے:

اور پھر کچھ ایسے بھی آئے جو "لا الٰہ" سے آگے بڑھے وہ کہتے ہیں کہ ہیں تو سہی لیکن دو ہیں، ایک خیر کا خدا ہے ایک شر کا خدا ہے، یہ تھے آتش پرست، مجوسی، انہوں نے "لا الٰہ" سے کچھ آگے قدم بڑھایا تو ایک سے بڑھ کر دو بنا دیے مجوسی تہذیب یہ ہے، ایک گروہ اور اٹھا وہ کہتے ہیں کہ تین ہیں، درمیان میں کچھ پانچ کہنے والے بھی آئے، "لاتذرن ودا ولا سواعا ولا يغوث ويعوق ونسرا" یہ پانچ والے تھے، سورۃ نوح کے اندر ان کا ذکر آئے گا تو دو کہنے والے بھی آئے تین کہنے والے بھی آئے، پانچ کہنے والے بھی آئے۔

اور کچھ اس سے بھی آگے بڑھے وہ کہتے ہیں کہ بہت سارے ہیں کتنے ہیں؟ وہ آپ کے پڑوس میں بیٹھے ہیں ہندو وہ کہتے ہیں سینکڑوں نہیں، لاکھوں نہیں کروڑوں ہیں، آپ نے سنا ہوگا کہ ہندوؤں کے دیوتا تینتیس کروڑ ہیں، اس کائنات کا کوئی ذرہ ایسا نہیں جس کی یہ پوجا نہ کرتے ہوں،

- بندر پوجتے ہیں،
- درخت پوجتے ہیں،
- پانی پوجتے ہیں،
- آگ پوجتے ہیں،
- پہاڑوں کو سجدہ کرتے ہیں،
- پتھروں کو کرتے ہیں،

پتہ نہیں کیا کیا کرتے ہیں اس پڑھی لکھی دنیا میں وہ بھی موجود ہیں، اور ان کے ساتھ ہی تعلق تھا اس شہر (مکہ) میں رہنے والوں کا، انہوں نے بھی بہت سارے بنا رکھے تھے، تین سو ساٹھ تو بیت اللہ میں رکھے ہوئے تھے ''آلھۃ'' کا لفظ قرآن کریم نے ان کے لئے بولا ہے ''اجعل الآلھۃ الھا واحدا'' یہ آلہہ الٰہ کی جمع ہے، انہوں نے بھی بے شمار بنائے ہوئے تھے۔

لا الٰہ الا اللہ میں شریک گروہ:

- ہمارا نہ ان سے تعلق جو ''لا الٰہ'' پر اکڑ گئے،
- ہمارا نہ ان سے تعلق ہے جو دو کے قائل ہیں،
- ہمارا نہ ان سے تعلق ہے جو تین کے قائل ہیں،
- ہمارا ان سے بھی کوئی رشتہ نہیں جو پانچ کے قائل ہیں،

اور ہمارا ان سے بھی کوئی تعلق نہیں جو لا تعداد مانتے ہیں،

اس لئے ہمارے سامنے جو کلام ہے وہ "لا الہ الا اللہ" ایک ہی ہے یہاں تک پہنچتے پہنچتے ہم دنیا کی ان سب قوموں سے کٹ گئے لیکن اس "لاالہ الا اللہ" میں ابھی دو گروہ ہمارے اندر شامل ہیں، آدم علیہ السلام سے لیکر موسیٰ علیہ السلام تک جتنے بھی انبیاء علیہم السلام آئے سب نے "لاالہ الا اللہ" پڑھا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرا جزء آتا گیا "نوح رسول اللہ، ابراھیم خلیل اللہ رسول اللہ، اسماعیل رسول اللہ، اسحاق رسول اللہ، یعقوب نبی اللہ، ساتھ ساتھ یہ جزء آتے رہے، لیکن "لاالہ الا اللہ" موجود رہا۔

لیکن اب ان امتوں میں سے کسی امت کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے، صرف دو جماعتیں موجود ہیں ایک ہیں "لاالہ الا اللہ موسیٰ کلیم اللہ" والے اور ایک ہیں "لاالہ الا اللہ عیسیٰ روح اللہ" والے، یہ "لاالہ الااللہ" میں تو ہمارے ساتھ شریک ہیں اگلا جزء جو انہوں نے بڑھایا اس کے لئے ایک لفظ استعمال کروں گا اس کی حقیقت پہلے سمجھا دوں، ہمارے ہاں بولا جاتا ہے کہ فلاں چیز منسوخ ہوگئی، منسوخ کا لفظ عام طور پر بولتے ہیں۔

منسوخ کا مفہوم:

منسوخ کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ پہلی بات غلط تھی اب صحیح بات آگئی جب آپ کہیں کہ فلاں بات منسوخ ہوگئی تو اس کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ یہ پہلے بات غلط تھی اب صحیح بات آگئی ہے، منسوخ جو چیز ہوا کرتی ہے اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ جب پاکستان بنا ہے انیس سو سنتالیس میں تو انیس سو پچپن تک پاکستان میں جو نوٹ چلتا تھا اس کے اوپر مسٹر جناح کی تصویر نہیں تھی صرف چاند ستارہ تھا، یہ انیس سو پچپن میں پاس ہوا ہے میں دورۂ حدیث شریف میں تھا آخری سال تھا میرا تعلیم کا ظہر کے بعد مفتی

محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مسلم شریف کا سبق ہوتا تھا تو انہوں نے اس دن دفتر میں سبق پڑھایا اور اخبار لئے بیٹھے تھے تو جب ہم کلاس میں داخل ہوئے تو افسردہ سے ہوکر فرمانے لگے دیکھو آج یہ قانون بن گیا ہے، اسمبلی سے پاس ہوگیا ہے آئندہ کے لئے پاکستان کے نوٹ پر مسٹر جناح کی تصویر ہوگی، اس لئے مجھے یاد ہے کہ یہ میرے دورہ والے سال کی بات ہے، اب اس سے پہلے جو نوٹ تھے چاند تارے والے ان کو ہم کہتے ہیں کہ وہ منسوخ ہوگئے ، اب جب ہم ان کے لئے منسوخ کا لفظ بولتے ہیں تو اس کا کیا معنی ہے؟ ایک وقت تھا جب سو کا نوٹ جس کے اوپر چاند تارہ تھا وہ اس مالیت کا حامل تھا، مارکیٹ میں چلتا تھا آپ

- چاہے اس سے فروٹ خرید لیں،

- چاہے اس سے سبزی خرید لیں،

- چاہے گوشت خرید لیں ،

- چاہے کپڑا خرید لیں ،
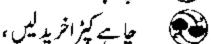
آپ کو اس نوٹ کا معاوضہ ملتا تھا، منسوخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب اس کی مالیت ختم ہوگئی اب یہ نیا نوٹ چل پڑا ہے، اب آج ایک آدمی انیس سو پچپن سے پہلے والا نوٹ لے آئے ،اور آپ کے پاس کپڑے کی دکان پر آجائے ،اور آپ کو کہے کہ اس کو لو، آپ اس کو نہیں لیں گے ، وہ کہتا ہے کہ اللہ کی قسم نوٹ صحیح ہے، میں نے نہیں بنایا ،حکومت کا بنایا ہوا ہے ، نمبر اس پر حکومت کا ہے، دستخط اس پر وزیر خزانہ کے ہیں، میں قرآن سر پر رکھ کر کہتا ہوں کہ یہ اصلی نوٹ ہے نقلی نہیں ہے، اب ہم اس کو یہ تو نہیں کہیں گے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے، ہم کہیں گے کہ بھائی بالکل صحیح کہتے ہو، نوٹ بالکل صحیح لیکن اس کی مدت ختم ہوگئی ہے جنہوں نے بنایا تھا انہوں نے کہا ہے کہ اس تاریخ کے بعد اس کی مالیت ختم ہے، نوٹ اصلی ہے لیکن مالیت ختم ہے، اب یہ مارکیٹ میں چلے گا نہیں، یہ کسی بچہ کو کھیلنے کے لئے دیدو یا تاریخ میں محفوظ کرلو۔

ابھی پچھلے دنوں اخبار میں آیا کہ پانچ سو کا بڑے سائز والا نوٹ جو پاکستان میں پہلے چل رہا تھا یکم نومبر سے منسوخ ہے یہ تازہ تازہ خبر ہے، اب وہی نوٹ جو یکم نومبر سے پہلے مارکیٹ میں مالیت رکھتا تھا اب یکم نومبر کے بعد اس کی مالیت ختم ہوگئی ہے، آپ لے کر جائیں گے لیکن کوئی نہیں پوچھے گا، تو منسوخ کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اس پر عمل کا حکم ختم ہوگیا، اس بات کا غلط ہونا کوئی ضروری نہیں، بات غلط نہیں ہوا کرتی، بات صحیح ہوا کرتی ہے۔

کلمہ بالکل صحیح لیکن عمل کا وقت ختم ہوگیا ہے:

اب "لاالہ الا اللہ موسیٰ کلیم اللہ" بالکل سو فیصد صحیح ہے، جو نہ مانے کافر ہے آپ کا بھی ایمان ہے، میرا بھی ایمان ہے، آپ بھی مانتے ہیں، میں بھی مانتا ہوں، اب اگر کوئی یہودی کہے بتاؤ یہ کلمہ صحیح ہے یا غلط؟ ہم کہیں گے بالکل صحیح ہے، وہ کہے گا صحیح ہے تو پھر تم اس کو پڑھتے کیوں نہیں؟ اور اس کے مطابق چلتے کیوں نہیں؟ ہم کہیں گے بھائی جس نے یہ بنایا تھا اس نے یہ منسوخ کردیا ہے اب اس کی مالیت ختم ہے، کلمہ صحیح ہے لیکن اب اس کے ساتھ اللہ کی رضا نہیں خریدی جاسکتی، اس کے ساتھ جنت نہیں لی جاسکتی، اس کے ذریعہ سے جہنم سے نہیں بچا جاسکتا، اب اس کی مالیت ختم ہوگئی ہے، اب نوٹ چلے گا عیسیٰ روح اللہ کا۔

اب عیسیٰ روح اللہ کا نوٹ چل پڑا اور کتنی مدت تک یہ مارکیٹ میں مالیت رکھتا تھا، صحیح بخاری کی پہلی جلد پندرھویں پارے کی آخری روایت ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک چھ سو سال کا فاصلہ ہے، لیکن شارحین لکھتے ہیں کہ یہ کسر کو حذف کرکے ہے ورنہ تحقیق کے مطابق یہ پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ ہے یہ فترت کا زمانہ کہلاتا ہے، پانچ سو ساٹھ سال تک یہ نوٹ چلا ہے اس زمین کے اوپر، اب آگے اس کا دور بھی ختم ہوگیا اب آگیا نیا سکہ، اب اگر کوئی

عیسائی ہمیں کہے کہ "لا الٰہ الا اللہ عیسیٰ روح اللہ" پڑھوتو ہم کہتے ہیں کہ کلمہ بالکل صحیح ہے کلمہ کو غلط نہیں کہہ سکتے، ہمارا ایمان ہے عیسیٰ روح اللہ ہیں لیکن اب اس کلمہ کے ذریعہ سے اللہ کی رضا حاصل نہیں کی جاسکتی، جنت نہیں لی جاسکتی، جہنم سے نہیں بچ سکتے، جس نے یہ سکہ بنایا تھا اس نے منسوخ کر دیا یہ ہے منسوخ کا معنی کہ جس چیز کو منسوخ کیا جائے وہ غلط نہیں ہوگی، ہاں البتہ یہ ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنے کا وقت ختم ہوگیا ہے، آئندہ مارکیٹ میں وہ نہیں چلے گا۔

کافر کسی نبی کا امتی نہیں ہوتا:

اس لئے ایک بات ذرا سمجھنے کی ہے کہ یہودیت کا دور موسیٰ علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک ہے، عیسائیت کا دور عیسیٰ علیہ السلام سے لیکر محمد رسول اللہ تک ہے، محمد رسول اللہ کا دور اس وقت سے لیکر قیامت کی دیواروں تک ہے، ایک بات حدیث شریف میں آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے بڑی امت میری ہوگی، بلکہ فرمایا کہ جنت کی ایک سوبیس صفیں ہیں تو اسّی صفیں میری امت کی ہوں گی، اور چالیس صفیں باقی ساری امتوں کی ہوں گی۔

لیکن دنیا میں جب ہم دیکھتے ہیں تو ہر وقت پروپیگنڈہ یہ ہوتا ہے کہ روئے زمین پر سب سے بڑی تعداد عیسائیوں کی رہی ہے ہر دور میں، اور آج بھی کہنے والے یہی کہتے ہیں کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، تو تعداد تو عیسائیوں کی زیادہ ہے لیکن قیامت کے دن یہ تعداد کدھر چلی جائے گی؟ قیامت کے دن سب سے زیادہ تعداد رسول اللہ ﷺ کو ماننے والوں کی ہوگی، اس نکتہ کو یاد رکھئے! آج اگر کوئی شخص اپنے آپ کو کہتا ہے کہ میں موسیٰ علیہ السلام کا امتی ہوں وہ جھوٹ بولتا ہے آج یہ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے کافر ہو چکا ہے اور کافر کسی نبی کا امتی نہیں ہوتا، کیا ان کی سفارش کریں گے

موسیٰ علیہ السلام جو عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے اور محمد رسول اللہ کو نہیں مانتے ؟ موسیٰ علیہ السلام کے یہ کیا لگتے ہیں؟

آج اگر محمد رسول اللہ کا نام لینے والا کہہ دے کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتا میں عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتا کہ نعوذ باللہ اگر کوئی کہے تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے قریب آنے دیں گے؟ تو اگر محمد رسول اللہ پڑھنے والا موسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں رہتا، محمد رسول اللہ پڑھنے والا عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں رہتا تو موسیٰ علیہ السلام کا نام لینے والا جنت کا حق دار کیسے رہے گا؟ کافر کسی نبی کا امتی نہیں ہوتا اس لئے یہودی اصل وہی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک ہیں، بعد والے کافر ہیں وہ موسیٰ علیہ السلام کے امتی نہیں ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کے امتی ہیں۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے آج کوئی کافر، منکرِ قرآن، جنت کا منکر، کسی اور چیز کا منکر یہ کہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہوں جیسے یہ جھوٹ بولتا ہے اسی طرح وہ بھی جھوٹ بولتے ہیں، اور عیسائی صرف وہی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ہیں وہ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے کافر ہو گئے تو اب عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کو منہ نہیں لگائیں گے یہ عیسیٰ علیہ السلام کے امتی نہیں ہیں لہذا تعداد جو جنت میں جاتی ہے یہودیوں کی وہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک ہے، اور عیسائیوں کی وہ جاتی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت چونکہ قیامت تک ہے اس لئے دور بھی لمبا ہے تو تعداد بھی سب سے زیادہ ہوگی، باقی اگر کوئی شخص کسی نبی کی طرف منسوب کر کے اپنے آپ کو کسی نبی کا امتی قرار دیتا ہے تو وہ جھوٹ بول رہا ہے، کافر کسی نبی کا امتی نہیں ہوتا، جو کسی وجہ سے کافر ہو کوئی نبی اسے اپنے نزدیک نہیں آنے دے گا، ہر نبی اس کو دھتکار دے گا، آج موسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر نہیں

آ سکتا عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر نہیں آ سکتا، کافر کی سفارش کوئی نبی نہیں کرے گا، کوئی کافر کسی نبی کی امت میں شمار نہیں ہو سکتا، اس لئے اب اگلا دور جو ہے وہ محمد رسول اللہ کا ہے، **لا الٰہ الا اللہ عیسیٰ روح اللہ** ''منسوخ، **لا الٰہ الا اللہ موسیٰ کلیم اللہ** بھی منسوخ۔

اب ان کا دور نہیں ہے اب یہ سکہ

- اللہ کی رضا خریدنے کے لئے،
- اللہ کی جنت لینے کے لئے،
- اللہ کی جہنم سے بچنے کے لئے،

کام نہیں آئے گا، اس کی مالیت ختم ہوگئی ہے منسوخ کا یہ معنی ہے، اب ہم یہودیوں سے بھی کٹ گئے، عیسائیوں سے بھی کٹ گئے اب ہمارے لئے برادری بن گئی ''**لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ**'' پر۔

توحید اللہ کو ایک ماننے کا نام ہے:

ایک بات ذہن میں رکھیے! ایک بزرگ کہتے ہیں کہ دھوکہ میں نہ آنا باتوں کے چکر میں نہ پڑنا توحید ''ایک'' کہنے کا نام نہیں ہے 'ایک' جاننے کا نام ہے، کہنے کو تو منافق بھی کہتے تھے ''**لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ**'' ان کے کہنے کا کیا اعتبار ہے؟ قرآن کہتا ہے ''**اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله**'' جب یہ منافق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ''**نشهد انك لرسول الله والله يعلم انك لرسوله**'' اللہ کو پتہ ہے کہ تو اللہ کا رسول ہے ''**والله يشهد ان المنافقون لكذبون**'' لیکن اللہ گواہ ہے کہ منافق جھوٹ بولتے ہیں، گویا کہ منافق کی زبان سے ''**انك لرسول الله**'' بھی جھوٹ ہے۔

بات وہی ہے کہ دھوکہ نہ کھا جانا توحید ''ایک'' جاننے کا نام ہے، ماننے کا نام ہے زبان سے کہنے کا نام نہیں ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کے ساتھ ہم اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں، اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں، لیکن یہ بات اوپر سے لے کر نیچے تک اتنی گہری ہے کہ قرآن میں یہ بات دو جگہ آئی ہے ''افرء یت من اتخذ الٰھہ ھواہ'' آپ نے ایسا شخص دیکھا ہے کہ جس نے اپنی خواہشات کو الٰہ بنا رکھا ہے؟ اللہ کے علاوہ اپنے دل کے اندر اس نے الٰہ بنا رکھا ہے، لفظ الٰہ بولا، اپنی خواہش نفس کو الٰہ بنا رکھا ہے، جس سے معلوم ہو گیا کہ الٰہ صرف باہر نہیں ہے اندر بھی ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ

ابراہیمی نگاہ پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس سینہ میں چھپ چھپ کے بنا لیتی ہے تصویریں

ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑے تھے اور یہ ہوس سینہ میں تصویریں بنا لیتی ہے اس کے جانچنے کے لئے ابراہیمی نگاہ چاہیئے اس لئے راستہ سے میں نے آپ کو تھوڑا سا نیچے اتارا ہے کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کو ہم نے اپنایا لیکن اس ''لا الٰہ الا اللہ'' میں کیا قوت ہے کہ اس نے ساری دنیا کو کاٹ کے رکھ دیا اور ہمیں علیحدہ کر کے اکیلا چھوڑ دیا، اب ہم کسی کے نہیں، ہم سب سے کٹ گئے، ہم کسی کے بھی نہیں رہے، سب سے کاٹ کر ہمیں علیحدہ کھڑا کر دیا ہے کیا قوت ہے اس میں؟ کیا تاثیر ہے اس میں؟ اس نے ہمیں کہاں پہنچا دیا ہے؟

اگر زبان سے کہہ دیا لا الٰہ الا اللہ تو کیا حاصل؟

اسی لئے سمجھدار کہتے ہیں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ جب میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہوں تو کانپ اٹھتا ہوں کہ مجھے ''لا الٰہ الا اللہ'' کی مشکلات کا پتہ ہے

کہ "لاالٰہ الا اللہ" جب زبان سے کہتا ہوں تو کانپ اٹھتا ہوں کیونکہ اس کی مشکلات کا مجھے اندازہ ہے جیسے کسی نے کہا

اگر زبان سے کہہ دیا لاالٰہ الا اللہ تو کیا حاصل
سمجھ رکھا ہے بت پندار کو خدا تو نے

کہ زبان سے "لاالٰہ" کہتے ہو اور دل کے اندر یہ بات کہ میں یہ ہوں میں وہ ہوں میری رائے ہے، میں جو چاہوں کروں، اپنے سینہ میں خدا بنا رکھا ہے اور زبان سے "لاالٰہ" کہتے ہو اب "لاالٰہ الا اللہ" جس وقت پڑھا تو کیا مشکلات آگئیں، ہم نے کبھی اس پر غور نہیں کیا، جیسے آزاد زندگی "لا الٰہ" پڑھنے سے پہلے تھی "لا الٰہ" پڑھنے کے بعد بھی ہے۔

کلمہ کی مشکلات کی وضاحت مثال سے:

کیا مشکلات پیش آگئیں اس کو ایک مثال سے سمجھا دوں، مثال کے طور پر ایک نوجوان نے نکاح کیا اور وہ لڑکی نوجوان کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی اب جب وقت کھانے کا آیا تو وہ کہتی ہے کھانا لاؤ، وہ کہتا ہے کہ میری تو ذمہ داری نہیں، شادی ہال میں ہزاروں کے مجمع میں ویڈیو بن رہی تھی، مولوی صاحب بیٹھے تھے، سب بیٹھے تھے کوئی کہہ دے کہ میں نے ذمہ داری لی ہے کہ میں تجھے روٹی دوں گا، میں نے تجھے قبول کیا ہے سر آنکھوں پر، تشریف لائیے، پلنگ حاضر ہے، وہ کپڑا مانگتی ہے کہ کپڑا لاؤ، یہ کہتا ہے کہ کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا، میں نے تو صرف تجھے قبول کیا ہے، مکان دیدو کمرہ دیدو، کہتا ہے کہ کوئی ذمہ داری نہیں ہے میں نے کب کہا تھا کہ مکان بھی دوں گا، اب وہ جھگڑا کرنے لگ جائیں اور بات پہنچ جائے بڑوں تک تو سب یہی کہیں گے کہ اس کو پاگل خانہ میں بھیج دو، اس کا دماغ ٹھکانہ پر نہیں ہے، اس کو تو یہ بھی نہیں پتہ کہ

نکاح کہتے کس کو ہیں؟ جب تو نے یہ کہہ دیا کہ میں نے نکاح میں قبول کیا تو تو نے سب کچھ قبول کرلیا ہے،

- روٹی بھی دینی پڑے گی،
- کپڑا بھی دینا پڑے گا،
- مکان بھی دینا پڑے گا،

لفظ نکاح کا معنی یہی ہے اب لفظوں کے چکر میں اگر پڑیں گے تو کیا گھر بس جائے گا؟ کس چیز کا وعدہ کیا تھا کس چیز کا نہیں کیا تھا لفظ نکاح میں سب کچھ آ گیا۔

اب "لاالٰہ الا اللہ" یہ بھی ایسے ہی ہے

یہ تو شہادت گاہ الفت میں قدم رکھنا ہے
تم نے آسان سمجھ لیا ہے مسلمان ہونا

یہ مسلمان ہونا آسان نہیں، یہ" لاالٰہ الا اللہ" بہت بڑا معاہدہ ہے جس کے پیٹ میں سب کچھ ہی آ گیا، کیا آ گیا "لاالٰہ الا اللہ" میں؟ آپ نے صوفیاء کو دیکھا ہوگا کہ وہ ذکر کرتے ہیں،

- لا الٰہ الا اللہ،
- لامقصود الا اللہ،
- لامشھود الا اللہ،
- لا موجود الااللہ،

یہ سب " لا الٰہ الا اللہ " کے اندر ہے تو "لا الٰہ الا اللہ" میں سب کچھ آ گیا" لا الٰہ الااللہ لا معبود الا اللہ" عبادت نہیں کسی کی، نہ قولی، نہ فعلی، نہ مالی "التحیات للہ والصلوات والطیبات" بدنی عبادت بھی اللہ کی، قولی عبادت بھی اللہ کی، مالی عبادت بھی اللہ کی، التحیات میں یہی ہے کہ ہر قسم کی عبادت اللہ کے

لئے ہے، قولی ہو، فعلی ہو، مالی ہو، اللہ کے رسول کے لئے صلوۃ وسلام ہے، اللہ کے رسول کے ساتھ صالحین کے لئے بھی صلوۃ وسلام ہے، اور اس کے بعد پھر "اشھد ان لاالہ الا اللہ" ہے یہ ہے "لامعبود الا اللہ"۔

لا مقصود الا اللہ :

اسی میں آگیا "لامقصودالا اللہ" "لامقصودالااللہ" کا معنی اب ہم عبادت کے لئے آئے ہیں، کتنا سفر کر کے آئے ہیں، کتنے پیسے خرچ کیے ہیں اس میں مالی عبادت بھی ہے بدنی عبادت بھی ہے، حاجی بننا مقصود نہیں ہے، حاجی کہلوانا مقصود نہیں، "لامقصود الااللہ" ہمارے سامنے صرف اللہ کی رضا ہے، ہمارا مقصود صرف اللہ ہے، حاجی بننا مقصود نہیں ہے، حاجی کہلوانا مقصود نہیں ہے، ہمارے سامنے صرف اللہ کی رضا ہے، ہم نہ حاجی بننا چاہتے نہ حاجی کہلوانا چاہتے ہیں یہ سفر پر جو ہم نے پیسے خرچ کیے ہیں، یہ سفر کیا ہے بدنی عبادت بھی ہے، مالی عبادت بھی ہے یہ حاجی کہلوانے کے لئے یا حاجی کی شہرت پانے کے لئے ہم نے سفر نہیں کیا یہ ہے "لامقصودالااللہ" اللہ کے علاوہ کچھ مقصود نہیں ہے، یہ "لا الہ الااللہ" میں داخل ہے۔

ریاکاری ختم،

دکھلاوا ختم،
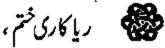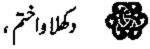
غیراللہ کی عبادت ختم،

یہ اللہ کے مفہوم میں داخل ہے کہ اس دنیا کے اندر کوئی مدبر کوئی مصرّف کوئی بااختیار نہیں سوائے اللہ کے، جب آپ یہ کہتے ہیں تو آپ نے یہ مان لیا کہ نہ کوئی مدبر، نہ کوئی مصرّف، نہ کوئی بااختیار پوری کائنات کے اندر کوئی نہیں یہ تو "لا الہ الا اللہ" میں داخل ہے، مدبر کوئی نہیں مصرف کوئی نہیں۔

اسی کو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے اچھے انداز میں بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں،

گر گزندت رسد زخلق مرنج

نہ راحت رسد زخلق نہ رنج

ازوداں خلاف دشمن و دوست

کہ دل ہر دو درتصرف اوست

تیر گرچہ ازکمان مے گزرد

از کماندار بیند اھل خرد

کسی سے تکلیف پہنچے کسی سے راحت پہنچے اللہ کی جانب سے جانو کیونکہ لوگوں کا دل اللہ کے قبضہ میں ہے جس کو چاہے آپ پر مہربان کردے وہ آپ کو فائدہ پہنچادے جس کو چاہے آپ کے خلاف کردے وہ آپ کا دشمن ہوجائے، سب کچھ اللہ کی طرف سے سمجھو، مخلوق کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے، محبت کا مرکز اللہ، خوف کا مرکز اللہ "لایضر ولاینفع" شرک کی تردید کرتے ہوئے ہر جگہ لفظ یہی بولے ہیں کہ نہ نقصان کسی کے اختیار میں ہے، نہ نفع کسی کے اختیار میں ہے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش

چہ شمشیر ھندی نھی برسرش

امید وھراسش نہ باشد زکس

بریں است بنیاد توحید وبس

کہ موحد کے سامنے سونے کا ڈھیر لگادویا ہندوستانی تلوار اس کے سر پر لے کر کھڑے ہوجاؤ، اس کو نہ کسی کا خوف ہوتا ہے نہ کسی سے لالچ ہوتا ہے توحید کی بنیاد اسی پر ہے، یہ سب " لاالٰہ الا اللہ" کا معنی ہے کوئی مدبر نہیں، کوئی مصرّف نہیں، عزت، ذلت، موت، حیات، جو کچھ ہے سب اسی کے اختیار میں ہے توحید کی

بنیاد اسی بات پر ہے "لا الٰہ الا اللہ" پڑھ کے سب سے جدا کیسے ہوگئے سب کچھ اس میں آ گیا۔

لا مشہود الا اللہ :

"لامشہود الا اللہ" (مختصر کرتا ہوں ورنہ یہ موضوع بہت تفصیل طلب ہے) "لامشہود الا اللہ" مشہود جس کو دیکھا جائے جس کا مشاہدہ کیا جائے ، کہتے ہیں وہ بھی اللہ ہی ہے، "لا الٰہ الا اللہ" کا تقاضا یہ ہے کہ جو دیکھو سب سے پہلے اللہ کا ذکر ہو، پانی بہہ رہا ہے، اللہ نے پانی بہادیا، بارش ہورہی ہے، اللہ نے بارش برسائی، پہاڑ کھڑے ہیں، اللہ نے قائم کردیے، درخت اگے ہوئے ہیں، اللہ نے اگادیے، یہ نہ کہو کہ ہوا چل رہی ہے، یہ کہو کہ اللہ نے چلادی ہے، یہ نہ کہو کہ بارش ہورہی ہے، یہ کہو کہ اللہ نے کردی ہے، میرے اولاد ہوگئی یہ نہیں بلکہ کہو کہ اللہ نے دی ہے، فلاں کام ہوگیا نہیں، اللہ نے کیا ہے، ہر چیز میں مشاہدہ اللہ کا اس لئے صوفی کہتا ہے میں تو جب کسی چیز میں دیکھتا ہوں مجھے اللہ پہلے نظر آتا ہے، اللہ پہلے ہے، چیز بعد میں ہے، جب یہ مقام آجاتا ہے "لامشہود الا اللہ" کا تو پھر کوئی انسان کسی وقت بھی غافل نہیں ہوتا ہر وقت اللہ اس کے دل دماغ پر حاوی رہتا ہے، بھولنا بھی چاہے تو بھول نہیں سکتا، فراموش بھی کرنا چاہے تو فراموش نہیں کرسکتا، اسی طرح سے انسان میں اللہ کی یاد رچ جاتی ہے۔

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے:

لیلیٰ مجنوں کے واقعات آپ سنتے رہتے ہیں، مجنوں کو اس کے باپ نے کہا چھوڑ اس کو کیا اس کے پیچھے پڑگیا ہے تو مجنوں شاعر بھی تھا یہ عربی ہے بنو عامر قبیلہ سے ہے، قیس اس کا نام ہے، مجنوں تو پاگل کو کہتے ہیں، یہ پاگل ہوگیا تھا وہ کہتا ہے

ارید لانسٰها فکانما
تجلت لی اللیلیٰ بکل مکان

میں تو بھلانے کا ارادہ کرتا ہوں، لیکن میں کیا کروں میں جدھر دیکھتا ہوں وہی نظر آتی ہے

سمائے ہو جب سے تم آنکھوں میں میری
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

کبھی ہوا ہے دل ودماغ کے اوپر کسی کے خیال کا غلبہ تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ بیٹھے ہو تو بھی وہی دماغ میں ہے، چل رہے ہو تو بھی وہی دماغ میں ہے، ایسے ہوتا ہے جیسے اس کی تصویر ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہے تو بھولے کیسے آدمی؟

لا موجود الا اللہ :

اور آخری مقام جو آتا ہے "لا الٰہ الا اللہ" کے ساتھ وہ ہے "لا موجود الا اللہ" موجود بھی اللہ ہی ہے باقی کچھ بھی نہیں، اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ موجود نہیں، میں موجود نہیں "لا موجود الا اللہ" موجود اللہ ہی ہے کیونکہ اصل موجود وہ ہے جو اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں، جس پر کبھی عدم طاری ہوا نہیں، کبھی عدم طاری ہوگا نہیں وہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا اصل وجود اس کا ہے، ہمارا وجود تو عارضی سا ہے، بنایا بن گیا، مٹایا مٹ گیا، سمجھنے کے لئے اگر آپ چاہیں تو آپ آنکھیں بند کر کے تھوڑی دیر کے لئے گھر پہنچ جاؤ تو آپ کو آپ کا مکان بھی نظر آئے گا، سامان، جانور، چارپائیاں ہر چیز نظر آئے گی، ایک ہی لمحہ میں سب کچھ آپ کے دماغ میں موجود ہو گیا ہے، ذرا توجہ ہٹاؤ تو مٹ گیا، اس کو منطقی حضرات ذہنی وجود کہتے ہیں، آپ نے ذرا توجہ کی بن گیا ذرا توجہ کی ہٹ گیا۔

اللہ تعالیٰ کہتے ہیں "وما امر الساعة الا کلمح البصر اوھو اقرب" تم قیامت کو مشکل سمجھتے ہو وہ تو ایسے ہے جیسے آنکھ جھپکتے ہو بلکہ اس سے بھی جلدی، آپ نے بنایا تھا گھر آنکھ جھپکنے سے پہلے، مٹا دیا آنکھ جھپکنے سے پہلے یہ کیا موجود ہے؟ یہ کونسا وجود ہوا؟ تو گویا کہ ہم موجود ہیں لیکن نہ ہونے کے برابر، موجود وہی ہے جس پر کبھی عدم طاری نہیں ہوا، کبھی عدم طاری ہوگا نہیں، جو اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں، اصل کے اعتبار سے موجود وہ ہے، اور انسان کہے کہ میں ہوں،

- میں ڈاکٹر ہوں،
- میں انجینئر ہوں،
- میں نے کمایا ہے،
- میرے اندر یہ کمال ہے،
- میرے اندر یہ خوبی ہے،

یہ باتیں اس وقت تک چلتی ہیں جب تک "لا الٰہ الا اللہ" کے ساتھ اللہ کی عظمت انسان کے دل میں نہیں آتی، ورنہ ایک ایک لفظ پر وہ شکر ادا کرے گا کہ اللہ نے دیا ہے، اللہ نے صلاحیت دی، اللہ کی توفیق سے ڈاکٹر ہوگیا ہوں، اللہ کی توفیق سے انجینئر ہوگیا ہوں، اللہ کی توفیق سے زندہ ہوں میرا اس میں کیا کمال ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت:

اسی بات کو سمجھانے کے لئے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں،

یکے قطرہ از ابر نیساں چکید
خجل شد چوں پہنائے دریا بدید
کہ جائے کہ اوست من کیستم
گر او ہست حقا کہ من نیستم

کہ بادل سے ایک قطرہ ٹپکا جو اپنے آپ کو سمجھ رہا تھا کہ میں بھی کچھ ہوں اور جب دریا پر نظر پڑی تو شرمسار ہوگیا اور کہنے لگا کہ پانی تو دریا بہاتا ہے میری کیا حیثیت ہے اللہ کی قسم یہ ہے میں نہیں ہوں یہ میں نہیں ہوں والی بات ہے "لا الٰہ الا اللہ" جس وقت تک دریا پر نظر نہیں پڑی تھی اس وقت تک اپنے آپ کو پتہ نہیں کیا سمجھ رہا تھا۔

اور اسی طرح شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری حکایت لکھی،

چوں سلطان عزت علم درکشد

جہان سر بجیب عدم دربرد

کہ ایک گاؤں کا چوہدری تھا سارے لوگ اس کے سامنے دست بستہ ہوتے تھے، سارے اس کے سامنے جھکتے تھے ایک دفعہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ بادشاہ کے دربار میں چلا گیا جب بادشاہ پر نظر پڑی تو کانپنے لگ گیا، ٹانگیں کانپنے لگ گئیں جیسے بڑے آدمی کے سامنے جاتے ہوئے ہوجاتا ہے، بیٹا کہتا ہے ابو کیا ہوگیا؟ لوگ تو آپ کے سامنے کانپتے تھے آپ یہاں کانپنے لگ گئے، آپ تو چوہدری تھے وہ کہتا ہے کہ میں چوہدری اس وقت تک تھا جب تک اس دربار میں نہیں آیا تھا، جب اس دربار میں آ گیا تو چودراہٹ ختم اس کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے جب اس کی عظمت ظاہر ہوتی ہے تو جہاں ایسے لگتا ہے کہ ہے ہی نہیں اس کو کہتے ہیں 'لا موجود الا اللہ" اس کی عظمت کے سامنے سب کچھ ملیامیٹ ہوجاتا ہے۔

اسی طرح ایک اور حکایت بیان کی کہ کسی نے جگنو کو کہا کہ تو رات کو بڑا چمکتا ہے دن کو نہیں چمکتا، وہ کہتا ہے رات کو اس لئے چمکتا ہوں کہ اندھیرا ہوتا ہے سورج کے سامنے کون چمکے؟ رہتا یہیں ہوں لیکن چمکتا نہیں ہوں؟ تو پہلے ہوتا ہے "میں" "میں" جب اللہ کی عظمت نمایاں ہوتی ہے تو ہوتا ہے، تو ہی تو، تو ہی تو، تو ہی تو، یہ ہے جو "لا الٰہ الا اللہ" پڑھنے کے بعد انسان توحید کی طرف جاتا ہے۔

توحید کو سمجھنے کے لئے محمد رسول اللہ کا دامن پکڑو:

اب آ گئی بات کہ یہ جو "لا الٰہ الا اللہ" کے ساتھ درجات ہیں ان کو عقل کے ذریعہ سے حاصل نہیں کر سکتے، عقل کے پیچھے پڑنے والے تو ماریں کھاتے پھرتے ہیں، کیونکہ یہ توحید اور اللہ کی ذات کے ساتھ تعلق اس کو انہی لفظوں سے تعبیر کر سکتے ہیں کہ تو دل میں تو آتا ہے عقل میں نہیں آتا، میں جان گیا تیری پہچان یہی ہے، یہ منزلیں اگر طے کرنی ہیں تو کامل راہنما چاہیے، اور

 تمام کاملوں کا کامل،

 تمام ہادیوں کا ہادی،

تمام راہنماؤں کا راہنما،

اس دربار کا پوری طرح شناسا "محمد رسول اللہ" ہیں وہ ہیں اس دربار کو پورا جاننے والے، دامن ان کا پکڑو تو مقام توحید پر آؤ گے، ان کا دامن چھوڑ کر کوئی راستہ نہیں ہے، توحید کی طرف جانے کا اور اللہ کو منانے کا اگر راستہ ہے تو وہ یہی ہے، جب "محمد رسول اللہ" کا دامن پکڑ لیا باقی سارے دروازے بند، صرف یہی ایک دروازہ باقی ہے۔

پیغمبر کے خلاف وہی شخص راستہ اختیار کر سکتا ہے جو منزل پر کبھی نہیں پہنچے گا، سعدی کبھی دل میں خیال بھی نہ لانا کہ "محمد رسول اللہ" کے بغیر دل کی منزل طے کی جا سکتی ہے، اس کا کبھی دل میں خیال بھی نہ لانا کہ مصطفیٰ کے نقش قدم پر چلے بغیر دل کی صفائی حاصل ہو سکتی ہے، اس دربار تک رسائی صرف "محمد رسول اللہ" سے ہے، یہ ہے "لا الٰہ لا اللہ محمد رسول اللہ"۔

پورے دین کا خلاصہ:

جب یہ دامن پکڑو گے دامن پکڑنے کے بعد پھر وہی بات آ گئی وہ آپ کو

بتائیں گے کہ اس دروازے کی سیڑھی سب سے پہلے نماز ہے، دوسرے نمبر پر زکوۃ ہے، تیسرے نمبر پر صوم ہے، چوتھے نمبر پر حج ہے۔

اور یہاں پھر وہی بات ہوگی کہ صرف کہہ دینا کافی نہیں، اس کی روح کیا ہے؟ نماز کے لئے کیا کیا شرطیں ہیں، کیا کیا پاکیزگی ظاہری اور باطنی طور پر چاہیئے؟ زکوۃ میں پورا مالی نظام آ گیا، پورا بدنی نظام صلوۃ میں آ گیا، صوم اللہ کے عشق کا مظاہرہ ہے، اور حج تو اللہ تعالیٰ پر مر مٹنے کا نام ہے آخری آخری معاملہ جو حج کا ہے یہ تو مر مٹنے کا نام ہے، یہ منزلیں اسی طرح طے ہوتی ہیں، اور اس میں سارا دین سمٹ کر آجاتا ہے۔

- نماز کس اخلاق کا تقاضا کرتی ہے؟
- کیا طرز عمل کا تقاضا کرتی ہے؟
- زکوۃ مالی نظام کیا چاہتی ہے؟
- مالیات میں کیا احتیاط چاہتی ہے؟
- صوم انسان کو کیا سبق دیتا ہے؟

اور حج کی حقیقت اصل کے اعتبار سے قربانی ہے، یہ انسان کو فناء کے مقام تک لے جاتا ہے، اصل کے اعتبار سے یہ روایت جو آپ کے سامنے پڑھی تھی واقعہ یہ ہے کہ پورے دین اسلام کا یہ خلاصہ ہے جو سرور کائنات ﷺ نے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے، اللہ ہمیں سمجھ دے اور سمجھنے کی توفیق دے، اور ان چیزوں کی حقیقت نصیب فرمائے، توحید بھی ہم صحیح طور پر جانیں جس میں رد شرک، رد بدعت سب کچھ آجاتا ہے (آمین)

ارکان اسلام کی مثال شجرہ طیبہ کی ہے:

اسی طرح توحید پر ایمان، رسالت پر ایمان اور پھر آگے عبادت کا نظام

اور عبادت کے چاروں شعبے جس وقت یہ سارے پورے ہو جاتے ہیں، اب یہ شجرہ ایمانی کامل مکمل ہو گیا، دیکھو قرآن کیا کہتا ہے؟ بات تو کلمہ کی ہے "مثلاً کلمةً طیبةً کشجرةٍ طیبةٍ اصلُها ثابتٌ وفرعُها فی السماء" کلمہ طیبہ کی مثال ایک عمدہ درخت کی ہے جس کی جڑ زمین میں ثابت ہے، شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں "تؤتی اکلها کل حین باذن ربها" وہ اپنے رب کی اجازت کے ساتھ ہر وقت پھل دیتا ہے، تو جب دل میں گہرائی اس کی آ گئی، دل میں جڑ لگ گئی اور یہ شاخیں پھیل گئیں، تو اب اللہ کی حکمت کے ساتھ یہ پھلدار درخت ہے پھر ہر وقت انسان اس کے پھل سے مزہ لیتا ہے اور یہ پھلدار بھی ہے "تؤتی اکلها" یہ اپنا پھل دیتا ہے اور اس کا سایہ بھی گھنا ہے تو گویا کہ جڑ جب مضبوط ہو گئی اور اتنا پھیل گیا تو

- یہ درخت پھل دار بھی ہے،
- یہ درخت سایہ دار بھی ہے،
- یہ درخت پُر بہار بھی ہے،

کہ اس کے اوپر کسی قسم کی خزاں نہیں تو انسان اس کے سائے میں راحت پاتا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں یہی شجرہ طوبیٰ ہے، تو ارکان اسلام اسی طرح شجرہ طیبہ کی مثال ہیں، قرآن کریم نے اس کو اسی انداز میں ذکر کیا ہے، اس لئے ایمان دل سے شروع ہوتا اور اس کی شاخیں باہر پھیلتی ہیں۔

کیا خوشی اس بات کی کہ کوئی ایجنٹ ہے کوئی جج ہے:

اور جس وقت تک انسان پوری طرح سے احکام کا پابند نہ ہو تو اس کا یہ تنا بھی ٹوٹ گیا، وہ تنا بھی ٹوٹ گیا، اکیلی جڑ سے نہ پھل ملتا ہے نہ سایہ حاصل ہوتا ہے، نہ نماز ہے، نہ روزہ ہے، اکبر الہ آبادی رحمہ اللہ کہتے ہیں،

نہ نماز ہے نہ زکوۃ ہے نہ روزہ ہے نہ حج ہے
تو کیا خوشی اس بات کی کوئی ایجنٹ ہے کوئی جج ہے

اب جس درخت کے تنے ٹوٹ جائیں، پتے جھڑ جائیں اور ایک جڑ اگر قلب کے اندر رہ بھی گئی تو کیا آپ نے دیکھا ہے کسی درخت کی جڑ ہو اور اس کو سیب لگ جائیں، اس کو آم لگ جائیں، اگر صرف جڑ موجود ہو اس کے تنے اور شاخیں نہیں ہیں تو ایسی صورت میں نہ پھل نہ سایہ کچھ بھی نہیں ہوتا ہاں البتہ یہ امید لگی رہتی ہے کہ کسی وقت بھی سرسبز ہو جائے گی، اس لئے ایمان باقی ہے، ورنہ اصل کے اعتبار سے اگر سایہ لینا ہے یا پھل لینا ہے تو اس درخت کو سرسبز ہونا چاہیئے، اللہ ہم سب کو وہ نصیب فرمائے اور خاص طور پر جو حج کی عبادت ہے وہ اللہ تعالیٰ صحیح طور پر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

فتنوں سے حفاظت کا طریقہ

بموقع: استقبالیہ مجلس

بتاریخ: ۲۳.۶.۲۰۱۲

بمقام: مسجد حمزہ برمنگھم (برطانیہ)

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّابَعْدُ! قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمِ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

جانے والے سورج اور ہم موم بتی کی مثل ہیں:

یہ مجلس استقبالیہ ہے جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے تو جس موضوع پر یہاں ہمارا (برمنگھم) اجتماع ہو رہا ہے کل سارا دن اس موضوع پر مختلف علماء کرام کے بیانات ہوں گے یہ گویا کہ ابتدائی ملاقات ہے، تو استقبالیہ کا معنی یہ ہوا کہ ایک تو یہاں والے حضرات نے ہمارا استقبال کیا اور ایک باہر سے جو آج مہمان آرہے ہیں ان کا استقبال ہم کر رہے ہیں تو ہمارا یہ تعلق آپس میں محض اللہ کے لیے اور اللہ کے دین کے لیے ہے۔

اب کوئی مرتبط اور مربوط گفتگو کا تو وقت نہیں رہا، اللہ تعالیٰ توفیق دے گا تو کل سارا دن آپ تقریریں سنیں گے، ایک بات آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں ہمیں آپ اس نظر سے نہ دیکھیں جس نظر سے آپ ہمارے جانے والے اکابر کو دیکھا کرتے تھے اور اس معیار پر ہمیں پرکھنے کی کوشش نہ کریں، ہماری مثال تو ایسے ہے جس طرح سورج کے غروب ہو جانے کے بعد تاریکی میں لوگ موم بتیوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور موم بتیوں پر گزارہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ہماری حیثیت ان کے مقابلہ میں سورج کے مقابلہ میں ایک موم بتی کی سمجھ لیجیے۔

اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے (آمین) ان کے ساتھ جو ہمیں نسبت ہے اس پر ہم جتنا شکر ادا کریں اتنا کم ہے اللہ تعالیٰ اس نسبت کو قبول فرمائے اور جس راستے پر چلتے ہوئے ان لوگوں نے اپنی عمریں کھپادیں، اپنی صلاحیتیں ختم کردیں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے بعد اسی راستے پر چلنے کی توفیق دے، اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ آخرت میں ہماری بھی مغفرت فرمادے، ہمارے لیے یہ بہت بڑی سعادت ہے۔

چونکہ اس شہر میں پہلی دفعہ حاضری کا موقع ملا ہے اگرچہ پہلی پہلی کانفرنس جب ہوئی تھی ۱۹۸۵ء میں اس وقت بھی میں حاضر ہوا تھا اس کے بعد اتفاق نہیں ہوا تو آپ حضرات کا یہ اجتماع دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔

انسانوں کے بھیڑیے شیطان سے بچنے کا طریقہ:

اور اسی پر ہی آپ حضرات کی خدمت میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "الشیطان ذئب الانسان" مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے کہ شیطان جو ہے یہ انسانوں کا بھیڑیا ہے جس طرح سے بھیڑیا ہوتا ہے شیطان بھی انسانوں کے لیے ایک بھیڑیے کی طرح ہے اور بھیڑیے کی یہ عادت ہے کہ جب یہ کسی بھیڑ کا شکار کرتا ہے، بھیڑ کو پکڑتا ہے تو آپ نے فرمایا اس کے شکار میں وہ بھیڑ آتی ہے جو غلہ سے اور اپنے اجتماع سے ایک طرف ہٹی ہوئی ہوتی ہے یا مجمع سے دور نکلی ہوئی ہوتی ہے یا اپنے راعی کی نگاہوں سے چھپی ہوئی ہوتی ہے ایسی بھیڑ جو ہے وہ بھیڑیے کا شکار ہوتی ہے۔

اور اگر بھیڑ ریوڑ کے اندر ہی ہو اور اپنے نگران کی نگاہوں میں ہو، ساتھ ملحق ہو تو وہ اکثر وبیشتر بھیڑیے کے حملے سے بچ جاتی ہے تو یہ مثال سرور کائنات ﷺ نے دی فرمایا کہ بھیڑیا ایسی ہی بھیڑ کو کھاتا ہے جو اپنے ریوڑ سے ہٹ کر ایک طرف چلی جائے کہنے کا مقصد یہ تھا، رسول اللہ ﷺ فرمانا چاہتے ہیں کہ اپنی جماعت کے ساتھ جڑ کر رہو کبھی بھی جماعت سے ہٹ کر انفراد اختیار کرنے کی کوشش نہ کرنا، ایسا آدمی جو اپنی جماعت سے ایک طرف ہٹتا ہے اور علیحدہ کوئی راستہ اختیار کر لیتا ہے ساتھ مل کر نہیں رہتا ایسا شخص کبھی نہ کبھی شیطان کا شکار ہو جاتا ہے تو شیطان کے اثرات سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ اجتماعی زندگی میں انسان بڑوں کی نگاہ میں رہے، بڑوں کی سرپرستی میں رہے اور مجمع کے ساتھ جڑ کر رہے۔

اکابر کے ساتھ جڑنے کا فائدہ:

جہاں فتنہ اور فساد کا دور ہے آج کل ایمان کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہیں اچھے لوگوں کے ساتھ مل کر رہنا اور اچھے لوگوں کے ساتھ جڑ کر رہنا یہ انسان کے لیے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ ہے تو اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، بھائی محمد یحییٰ صاحب نے بہت منتشر قسم کے موضوع اختیار کیے لیکن بہت قیمتی باتیں آپ کے سامنے کی ہیں وہ باتیں ساری کی ساری ایک ایک بات مزید تشریح کی محتاج تھی بہت تفصیل کے ساتھ انہوں نے بیان کیا۔

میں تو مختصری بات آپ کے سامنے یہی عرض کرتا ہوں کہ آپ کا یہ اکٹھا ہونا اور یہ مجمع اور کل جس طرح سے اجتماع ہوگا اس کی اہمیت آپ اپنے دل میں رکھیں اور آئندہ کے لیے بھی ہمیشہ اپنے اکابر کے ساتھ جڑ کر رہیں اور ان کی نگاہ میں رہیں اور ان کی حفاظت میں رہیں اور اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو، اہل وعیال کو، سب کو موجودہ دور میں اسی طرح سے اپنے بڑوں کے ساتھ جوڑ کر رکھیں گے تو ان شاء اللہ العزیز ایمان والی دولت جو ہے وہ محفوظ رہے گی اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، اور جہاں انسان جماعت سے علیحدہ ہونے کی کوشش کرتا ہے یا جماعت سے کٹتا ہے تو ایسی صورت میں پھر اس کو مختلف گمراہ کرنے والے گمراہ کر لیتے ہیں۔

سب سے زیادہ خطرناک فتنہ:

فتنے بہت ہیں اس میں کوئی شک نہیں، یہ فتنہ جس کے بارے میں یہ کانفرنس ہو رہی ہے اس کو سب سے زیادہ خطرناک فتنہ اس لیے قرار دیا گیا کہ اس میں دھوکہ بہت زیادہ ہے۔

* سکھ آپ کو سکھ بن کر کبھی آپ کے راستے سے ہٹا نہیں سکتا،
* ہندو آپ کو ہندو ظاہر کر کے کبھی آپ کے راستے سے بھٹکا نہیں سکتا،

اور جو لوگ اپنے آپ کو ایک خاص عنوان کے ساتھ ذکر کریں، یہودی ہوں، عیسائی ہوں، وہ اپنے آپ کو عیسائی یہودی قرار دے کر آپ کو آپ کے راستے سے پھسلا نہیں سکتے، یہ طبقہ ایک ایسا ہے جو مسلمانوں میں مسلمان بن کر گھسنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس جماعت میں شامل کر کے دھوکہ دیتا ہے اور بھٹکا تا ہے۔

حالانکہ ان کا کفر ان سب کافروں کے مقابلہ میں زیادہ نمایاں ہے اس میں کوئی کسی قسم کا شک وشبہ نہیں، دلائل کے ساتھ ان کے کفر میں آپ جانتے ہیں کہ کوئی اخفاء رہا نہیں اب تو ان کا کفر اس درجے پر چلا گیا کہ دنیا کی کوئی عدالت ایسی نہیں جس نے ان کو مسلمانوں سے علیحدہ ایک جماعت قرار نہ دیا ہو، چھوٹی عدالت سے لے کر بڑی عدالت تک، پاکستان کی اسمبلی نے مولویوں اور مدرسوں سے ہٹ کر یہ جو عدالتی نظام ہے انہوں نے بھی ان کو ایک علیحدہ مستقل فرقہ قرار دے دیا کہ یہ امت مسلمہ میں شامل نہیں، لیکن یہ ماننے کے لیے تیار نہیں اپنے آپ کو اسی میں شامل رکھنے میں بضد ہیں، اس لیے ان میں دھوکہ زیادہ پایا جاتا ہے تو اس فتنے سے بچانے کے لیے ہر وقت فکر مند رہنے کی ضرورت ہے۔

تحفظ ختم نبوت کانفرنسز کے انعقاد کا مقصد:

اسی فکر کو اجاگر کرنے کے لیے مختلف ملکوں میں، مختلف علاقوں میں، مختلف جگہوں میں یہ کانفرنسیں کی جاتی ہیں تا کہ آپ سب حضرات کو اس کے بارے میں متنبہ کیا جائے کہ آپ بھی ہوشیار رہیں اور آنے والی نسل کو بھی اس معاملے میں ہوشیار رکھیں

سے تعلق رکھیں، اجتماعی زندگی اختیار کریں، انفرادیت اختیار کرنے کی کوشش کریں تو ان شاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ ہر طرح سے آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے گا مزید زیادہ گفتگو کی اس وقت گنجائش نہیں، وقت بھی کم ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق دے

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مقام نبوت

بموقع: ختم نبوت کانفرنس

بتاریخ: ۲۳.۶.۲۰۱۲

بمقام: برمنگھم (برطانیہ)

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّابَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِافْتَدٰی بِہٖ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَالَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ۔

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

ایک ہی جملے کے ساتھ تمام فتنوں کا صفایا:

صبح سے یہ کانفرنس جاری ہے اور پہلے بھی کئی سالوں سے سالانہ طور پر یہ اجتماع ہوتا ہے جیسا کہ ملک میں مختلف شہروں میں مختلف اوقات میں جلسے ہوتے رہتے ہیں جس کے نتیجے میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب کا تعارف تو مکمل آپ حضرات کو ہو چکا اس کی زندگی کا کوئی پہلو ہمارے علماء نے مخفی نہیں رکھا بلکہ اس کو نمایاں کر دیا ہے۔

سرور کائنات محمد رسول اللہ ﷺ

- زمانہ کے اعتبار سے بھی آخری نبی،
- کمالات کے اعتبار سے بھی آخری نبی،
- مکان کے لحاظ سے بھی آخری نبی،

اور آپ کے فرمان کے مطابق آپ کے بعد کذابین کا سلسلہ شروع ہونا تھا فرمایا کہ میرے بعد جو کذاب آئیں گے تیس آئیں گے " ثلثون کذابون دجالون" اور ایک روایت میں ستر کا ذکر ہے مراد اس سے کثرت ہے کہ کثرت کے ساتھ آئیں گے اور ان سب کا تذکرہ کرنے کے بعد سرور کائنات ﷺ نے سب کا علاج ایک ہی جملے میں ارشاد فرمایا " انا خاتم النبیین لانبی بعدی" تیس والی روایت بھی صحیح ہے اور ستر والی روایت بھی صحیح ہے۔

اس لیے اگر ہم یہ بات اپنے بچوں کو اور اپنے دوست واحباب کو اس کلمہ کی طرح یاد کروادیں جس طرح سے "لا الہ الا اللہ محمدرسول اللہ " یاد کرواتے ہیں اس طرح سے اگر ہم یہ دو چار الفاظ اپنے بچوں کو یاد کروادیں " قال النبی ﷺ انا خاتم النبیین لانبی بعدی " تو ان سارے فتنوں کا صفایا ہو جاتا ہے صرف ایک ہی جملے کے ساتھ۔

نبوت کا مقام:

ویسے آپ حضرات کو معلوم نہیں ہے کہ نبوت ایک ایسا مقام ہے اللہ تعالیٰ اس منصب کے اوپر ان افراد کو فائز کرتے ہیں جو آدم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے زیادہ نیک پاکیزہ اور ہر لحاظ سے سچے اور پکے ہوتے ہیں، یہ اللہ کا انتخاب ہوتا ہے، کوئی شخص محنت کر کے چھلانگ لگا کر اس منصب کے اوپر قبضہ نہیں کر سکتا، یہ منصب اللہ کے دینے سے ملتا ہے اور اس منصب پر جو افراد فائز ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی گناہوں سے حفاظت فرماتے ہیں، وہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں بچپن سے لے کر وفات تک اللہ کے فرمانبردار، اللہ کے حکموں پر چلنے والے اور اپنے ظاہر و باطن کے اعتبار سے پسندیدہ شخصیت اور ایسی بے عیب شخصیت ہوتے ہیں کہ کوئی بدترین قسم کا دشمن بھی ان کی سیرت پر انگلی نہیں رکھ سکتا کہ تمہارے اندر یہ نقص موجود ہے تم ہمیں کس طرح سے سمجھاتے ہو کہ یہ کام نہ کرو۔

سیرت کے مختلف پہلو آپ حضرات کے سامنے آتے رہتے ہیں یہ بھی آپ نے بارہا سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت غار حراء سے جبرائیل علیہ السلام سے ملاقات کر کے گھر تشریف لائے تھے اور آ کر اپنی زوجہ مطہرۃ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے سامنے اپنی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ملاقات کی داستان سنائی تھی اور یہ بتلایا تھا کہ ایسے مجھ پر بوجھ ڈال دیا گیا کہ "خشیت علیٰ نفسی" مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہوا کہ اگر اس قسم کی بار بار مجھے تکلیف دی گئی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔

اور زوجہ مطہرۃ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت تک پندرہ سال گزار لیے تھے آپ کی عمر اس وقت ۲۵ سال تھی جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا اور چالیس سال کی عمر میں

آپ ﷺ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا جس میں آپ ﷺ کی نبوت کا اظہار کیا گیا گویا کہ وہ پندرہ سال گزار چکی تھیں حضور ﷺ کے ساتھ اور یہ عام طور پر دنیا کا دستور چلا آرہا ہے کہ خاوند اور بیوی کے درمیان اتنی بے تکلفی ہوتی ہیکہ خاوند کی زندگی کا کوئی پہلو بیوی سے مخفی نہیں ہوتا اور بیوی کی زندگی کا کوئی پہلو خاوند سے مخفی نہیں ہوتا اور زیادہ قربت ہونے کی بناء پر یہ عام طور پر مشہور ہے کہ بیوی اپنے خاوند کی معتقد بہت کم ہوتی ہے یہ عام طور پر مشہور ہے۔

بیوی اپنے خاوند کی معتقد بہت کم ہوتی ہے:

ہے تو لطیفہ ہی اور ممکن ہے کہ واقعہ ہو واقعہ بھی ہو تو کوئی اشکال نہیں ، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک بزرگ تھے ان کی اہلیہ ہمیشہ ان کے ساتھ اختلاف کرتی تھی اور ان کی بزرگی کی قائل نہیں تھی تو بزرگ نے چاہا کہ میں کوئی کرامت اپنی بیوی کے سامنے ظاہر کروں تا کہ بیوی میری معتقد ہو جائے تو ایک دفعہ ان کی بیوی اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں بیٹھی تھی اور وہ بزرگ ہوا میں پرواز کرتے ہوئے گزرے، بیوی نے بھی دیکھا اور اس کی سہیلیوں نے بھی دیکھا۔

اس کے بعد جب وہ بزرگ اپنے گھر تشریف لائے تو بیوی نے بطور طعن کے کہا کہ تو بھی بزرگ بنا پھرتا ہے بزرگ تو آج ہم نے دیکھا کہ ہوا کے اندر اڑا جارہا تھا وہ کہنے لگا کہ اچھا بہت بڑا بزرگ تھا؟ کہنے لگی ہاں بہت بڑا بزرگ تھا تو اس نے کہا کہ تم نے غور سے دیکھ کر اس کو پہچانا نہیں؟ کہنے لگی پہچانا تو نہیں وہ کہنے لگے کہ وہ میں ہی تو تھا، وہ کہنے لگی اسی لیے اڑنا نہیں آتا تھا ٹیڑھے ٹیڑھے اڑ رہے تھے، بیوی خاوند کے ساتھ اس طرح سے ہوتی ہے۔

حضور ﷺ کی صفات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زبانی:

تو وہ بیوی جس نے پندرہ سال حضور ﷺ کی رفاقت میں گزارے تھے

اور وہ پہلے

* مالی معاملات میں،
* تجارت میں،
* اور دوسری چیزوں میں،
* امانت دیانت میں

حضور ﷺ کو آزما چکی تھیں اس نے حضور ﷺ کے سامنے کہا کہ اللہ آپ پر ایسی کوئی ذمہ داری نہیں ڈالے گا جس کو آپ نبھانہ سکیں " کلا لایؤذیك الله " اللہ آپ کو رسوا نہیں کرے گا اور اگر انسان کے اوپر ایسی ذمہ داری ڈال دی جائے کہ انسان اس کو نبھانہ سکے تو اس سے انسان تکلیف محسوس کرتا ہے، آپ پر اللہ ایسی کوئی ذمہ داری نہیں ڈالے گا کیوں؟
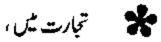
* آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں،
* آپ تو مہمان نوازی کرتے ہیں،
* آپ تو بے سہارا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں
* آپ تو مسکینوں اور فقیروں محتاجوں کو کما کر کھلاتے ہیں،

قدرتی طور پر جو آفات آتی ہیں آپ ان کے اندر معاون بنتے ہیں لوگوں کی مدد کرتے ہیں یہ صفات بیوی بیان کررہی ہے اپنے خاوند کی، یہ شہادت ہے حضور ﷺ کی اس عمر کی جو کہ نبوت سے پہلے کی ہے گویا کہ نبی بننے سے پہلے یہ صفات بار بار بیوی آزما چکی جس کا تذکرہ اس نے کیا۔

میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ نبی ابتداء سے معصوم ہوتا ہے اور کمالات اخلاقات کے اعتبار سے پوری طرح مکمل ہوتا ہے، بچپن سے لے کر جوانی تک، جوانی سے لے کر بڑھاپے تک کوئی کمی اخلاق میں، صفات میں، کردار میں نہیں ہوتی کہ اس کے اندر کوئی نقص نکال سکے یہ اس زمانے کی شہادت ہے جب آپ پر وحی آنی شروع ہوئی تھی،

آپ جانتے ہیں معاشرتی طور پر ماحول کے اندر ایک انسان کے اچھے سے اچھے ہونے کی جو صفات ہوسکتی ہیں بیوی نے وہ ساری صفتیں سرورکائنات ﷺ میں بیان کردیں یہ تو گھر کی شہادت ہے کہ آپ ﷺ بچپن سے کامل تھے اور آپ نے وقت بہت کمال کے ساتھ گزارا۔

حضور ﷺ کی پاکیزگی قوم کی زبانی:

اس کے ساتھ ساتھ جب آپ کو اللہ کی طرف سے تبلیغ کا حکم ہوا تو صفا پر کھڑے ہوکر جب رسول اللہ ﷺ نے قبائل کو اکٹھا کیا اور سب و اکٹھا کرنے کے بعد آپ سنتے رہتے ہیں کہ آپ نے اپنی گفتگو کی ابتداء اس سے کی تھی، آج کل کی اصطلاح میں بات سمجھانے کے لئے اگر میں لفظ استعمال کروں تو گنجائش ہے کہ سب سے پہلے سرورکائنات ﷺ نے مکہ معظمہ کے تمام قبائل کے سرداروں کو جمع کر کے اعتماد کا ووٹ لیا آج کی اصطلاح میں اگر میں کہنا چاہوں اس لفظ کے ساتھ اس کی تعبیر کروں تو میرا خیال ہے کہ اس کے اوپر کوئی شرعاً اشکال نہیں ہے۔

کہ تم نے آج تک مجھے کیسے پایا **"هل وجدتموني صادقا او كاذبا "** سب کو اکٹھا کرنے کے بعد پوچھا کہ مجھے تم نے کیسا پایا؟ آج تک تم نے مجھے سچا پایا یا جھوٹا پایا؟ پوری زندگی کو سامنے رکھ کر سوال ہے اور سوال بھی قبائل کے سردارں سے ہے **"هل وجدتموني صادقا او كاذبا "** تم نے مجھے صادق پایا یا کاذب، بالاتفاق سب نے جواب دیا **"جربناك مرارا"** ہم تو آپ کو بارہا آزما چکے ہیں **"ماجربناك الا صادقا "** ہم نے آپ کے اندر سوائے صدق کے کوئی چیز نہیں پائی، آپ پکے سچے ہیں اور اس میں کوئی کسی قسم کی اشکال کی بات نہیں ہے۔

اور جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ سرورکائنات ﷺ کی نبوت سے پہلے آپ ﷺ کے القاب صادق اور امین مشرکوں کی زبان پر تھے کہ آپ امانت دار

بھی ہیں اور سچے بھی ہیں پھر جس وقت قوم کے سامنے سوال اٹھایا تو قوم نے اپنے مزاج کے خلاف سمجھ کر اس کی مخالفت کی، اب یہ نقطہ مستقل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو یہ کہا تھا "قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا" لا الٰہ الا اللہ کہہ لو کامیاب ہو جاؤ گے پھر ایک اور بات بھی فرمائی کہ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر چھپا ہوا ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر چہ تمہاری آنکھیں اس کو دیکھ نہیں رہیں اگر میں کہہ دوں کہ پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات مانو گے؟ تو سب نے کہا کہ ہم نے کبھی بھی آپ کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔

جس کا معنی دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ ہماری آنکھ تو غلطی کر سکتی ہے آپ کی زبان غلطی نہیں کر سکتی، اس طرح سے قوم نے اظہار کیا آپ ﷺ پر اعتماد کا، پورا اعتماد کا ووٹ لینے کے بعد، ہر طرح کی تصدیق حاصل کرنے کے بعد پھر کہا "قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا" "لا الٰہ الا اللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے تو اس پر ساری قوم چیخ اٹھی اب یہ نکتہ میں بتانا چاہتا ہوں کہ "لا الٰہ الا اللہ" کہنے سے ان کو کیا تکلیف ہوئی اور وہ کیا بات تھی جس کی بناء پر وہ اس طرح سے پھول گئے اور جس کو صادق کہتے تھے، جس کو امین کہتے تھے، جس کی زندگی پر اعتماد کا اظہار کیا، تو اتنی جلدی سے سارے کے سارے مخالف کیوں ہو گئے۔

اور سب سے پہلے مخالفت کرنے والا آپ ﷺ کا حقیقی چچا ابولہب بن عبدالمطلب تھا، آپ ﷺ عبداللہ بن عبدالمطلب کی اولاد ہیں تو ابولہب بن عبدالمطلب سب سے پہلے بولنے والا تھا، حالانکہ عرب میں عصبیت انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی، اپنا رشتہ دار اپنے قبیلہ کا آدمی اگر غلط کام بھی کر کے آجائے تو اس کی حمایت کی جاتی تھی، لیکن یہاں بات سرے سے الٹ ہوگئی یہ نکتہ بہت وضاحت چاہتا ہے

اس کو چھوڑتا ہوں اور میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ نبی جو ہوتا ہے وہ بچپن سے صاف ستھرا، کوئی اعتراض کی بات نہیں، صادق ہے امین ہے ہر طرح سے کامل ہوا کرتا ہے۔

آپ ﷺ کی زندگی میں یہ مضمون بہت وضاحت کے ساتھ پھیلا ہوا ہے پھر جس وقت آپ لوگوں کے سامنے تبلیغ کے لیے پیش ہوئے تو جو جملہ قرآن نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "لقد لبثت فیکم عمرا من قبله" میں تمہارے اندر اپنی عمر کا ایک حصہ گزار چکا ہوں، راز کی بات نہیں کہ تم مجھے جانتے نہیں ہو، یہاں سے آپ نے اپنی تبلیغ کو شروع کیا ہے، میری عمر ساری تمہارے سامنے گزری ہے، تم نے میرے اعتماد کو دیکھا ہے تو اب میرے اوپر بے اعتمادی کرنے کی کیا وجہ ہے۔

کسی کذاب کو معصوم نہیں کہا جاسکتا:

اگر سرورکائنات ﷺ کی سیرت کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں جیسے کہ ہمارا عقیدہ یہی ہے، انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کے اندر کوئی نقص اور عیب نہیں ہوتا تو یہ حق بجانب ہیں کہ آدم علیہ السلام سے لے کر سرورکائنات ﷺ تک جتنے انبیاء علیہم السلام آئے اول سے لے کر آخر تک سارے کے سارے معصوم تھے، اگر صرف یہی پہلو سامنے رکھا جائے تو جتنے کذابین بعد میں پیدا ہوئے ہیں کسی ایک شخص کی زبان پر یہ بات نہیں آسکتی، اور وہ چیلنج کر کے نہیں کہہ سکتا کہ میری زندگی کے اندر کوئی نقص ہے تو بتاؤ، میری زندگی میں کوئی عیب ہے تو بتاؤ، جس نے بھی اس قسم کا دعویٰ کیا اس کے اندر ہزاروں عیب لوگوں نے نکال کر رکھ دیے، کسی طرح سے بھی اس کو برداشت نہیں کیا۔

جیسے سرورکائنات ﷺ کی پیش گوئی ہے کہ میرے بعد کذاب آئیں گے تو واقعۃً وہ اپنے قول و فعل کے لحاظ سے کذاب اور دجال ہی ہیں، اگر صرف یہ بات لے لی جائے اور اس کی زندگی کے ساتھ جن کو والہانہ عقیدت ہے، جو لوگوں کے ایمان

خراب کرنے پر لگے ہوئے ہیں، جنہوں نے ان کو اپنا پیشوا بنایا کہ اگر اس کی زندگی کا صرف یہ پہلو لے لیا جائے کہ تم بھی ایک دفعہ کہو اس شخص کی زندگی کو دیکھو کہ تم نے اس کو صادق پایا ہے یا کاذب پایا ہے؟ تو ہمارے مولانا اللہ وسایا صاحب ساری دنیا کے سامنے ثابت کر دیں گے کہ اس جیسا جھوٹا، اس جیسا کمینہ، اس جیسا بدمعاش شاید ہی کہیں پیدا ہوا ہو جس شخص کو یہ اپنا نبی بنائے بیٹھے ہیں۔

قادیانیو! جس کو نبی کہتے ہو اس کو شریف انسان تو ثابت کرو:

ہمارے مولانا اللہ وسایا صاحب اس کی سوانح بڑے اچھے طریقے سے بیان کیا کرتے ہیں، اسی پہلو پر ساری کی ساری بات ہے کہ نبوت جاری ہے یا جاری نہیں ہے، ضرورت نبوت ہے یا نہیں؟ ان بحثوں میں جانے کی ضرورت ہی نہیں، تم جس کی بات کرتے ہو اس کی سیرت ہمارے سامنے رکھو اس کی زندگی کے اوپر ہمارے سامنے تبصرہ کرو، مجھے یاد ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بات میں نے پڑھی ہے ان سے کسی نے پوچھا کہ شاہ صاحب نبی بننے کے لیے کیسی صفات ہونی چاہئیں؟ نبی میں کیسی صفتیں ہونی چاہئیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ تو اللہ ہی جانتا ہے "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ" کہ اللہ کس کو سمجھتا ہے کہ نبی بننے کے قابل ہے کس کو سمجھتا ہے کہ رسول بننے کے قابل ہے وہ تو اللہ جانتا ہے۔

لیکن ہم ایک چھوٹی سی بات جانتے ہیں کہ کم از کم وہ شریف انسان تو ہو اور تو جتنی صلاحیتیں ہیں وہ تو اللہ جانتا ہے کہ کس صلاحیت کی بناء پر اللہ اس کو رسول بناتے ہیں لیکن ہم تو اتنی موٹی بات جانتے ہیں کہ کم از کم وہ شریف انسان تو ہو، جس کو صرف شریف انسان بھی نہ ثابت کیا جا سکے اس کو اپنا پیشوا بنانا آپ جانتے ہیں کہ یہ سوائے حماقت کے اور سوائے جہالت کے کوئی بات نہیں، اس لیے مجھے تو ضرورت نہیں کہ میں اس کا تعارف کراؤں کہ مرزا کیا تھا، اس کا بچپن کیسے گزرا، یہ بحث ہمارے

دوست اور ہم سب آپ کے سامنے کر بھی چکے اللہ ان کو استقامت دے بالکل ایک ایک پہلو نمایاں کرتے ہیں کچھ بھی چھوڑتے نہیں۔

اب تو قادیانیوں کو اسمبلی اور عدالت بھی کافر قرار دے چکی:

میں نے اس وقت جو آپ حضرات کے سامنے عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ آج مرزائیت دلیل کے پہیے پر نہیں چل رہی، آج دلائل کا دور نہیں ہے، دلائل میں وہ ہر میدان میں شکست کھا چکے اس لیے انہوں نے مناظروں سے ہٹ کر اب جو طریقہ اختیار کیا ہوا ہے وہ ہے مادی وسائل کا لوگوں کو ملازمتوں کی طمع دلاتے ہیں، لوگوں کو غیر ملک بھیجنے کی طمع دلاتے ہیں، دلائل کا جو دور تھا وہ ختم ہو گیا صرف یہ نہیں کہ مدرسوں نے ان کو کافر قرار دیا، مسجدوں کے منبر ومحراب نے ان کو کافر قرار دیا، صرف یہ نہیں بلکہ روئے زمین پر کسی عدالت نے بھی ان کو مسلمان قرار نہیں دیا۔

بلکہ ہر عدالت نے کہا کہ یہ مسلمان قوم نہیں ہے، یہ مسلمانوں سے علیحدہ ہیں، پاکستان کی عدالتوں نے غیر پاکستان کی عدالتوں نے فیصلہ دیا، پاکستان کی مضبوط اسمبلی نے یہ فیصلہ دیا، اب یہ فیصلہ

- صرف کسی مولوی کا نہیں ہے،
- صرف دارالافتاء کا نہیں ہے،
- صرف مسجد کا نہیں ہے،
- صرف مدرسے کا نہیں ہے،

بلکہ اب تو پوری اسمبلی کا فیصلہ ہے اب اگر وہ عدالتوں کا فیصلہ ماننے سے انکار کریں تو توہین عدالت ان پر لازماً لاگو ہونی چاہیئے، توہین عدالت کے یہ مرتکب ہیں جو کہ نمایاں ہے۔

قادیانیوں کے گمراہ کرنے کے حربے:

لیکن جو رنگ اختیار کیا ہے انہوں نے کہ اپنے آپ کو مانتے نہیں کہ یہ کافر ہیں، اپنے آپ کو کافر ماننے کے لیے تیار نہیں، وہ مختلف انداز میں ہمارے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں،

* چاہے ویزے دلا کر،
* چاہے نوکریاں دلا کر،
* چاہے چھوکریاں دلا کر،

اس طرح سے یہ بے چارے نوجوانوں کو گمراہ کرتے ہیں، ان کے تحفظ کے لیے بہت زیادہ ضروری ہے کہ ایمان کی قدر و قیمت نوجوانوں کے سامنے واضح کی جائے کہ ایمان کتنی قیمتی چیز ہے اور اس قسم کے کذابوں کے پیچھے لگ کر بدمعاشوں کے پیچھے لگ کر تم اپنا ایمان ضائع نہ کر بیٹھنا ایمان کی قدر و قیمت سمجھانے کی ضرورت ہے۔

ایمان کی قیمت:

اس لیے ایمان کی قدر و قیمت نمایاں کرنے کے لیے میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنہوں نے کفر کیا اور توبہ نہیں کی بلکہ کفر پر ہی مرگئے "ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار" کافر ہونے کی حالت میں ہی مرگئے کفر کیا اور کفر کی حالت میں ان کو موت آگئی اگر ان میں سے کوئی زمین کا بھراؤ سونا اپنی جان چھڑانے کے لیے دینا چاہے یعنی اس کے پاس موجود ہو زمین کا بھراؤ، زمین بھری ہوئی، اس کا آپ ذرا تصور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر بہت بڑے بڑے پہاڑ بنائے بہت اونچے اونچے بہت کثرت کے ساتھ لیکن ایسے لگتا ہے جیسے تھوڑی سی جگہ پر لگائے ہوئے ہیں، زمین ساری کی ساری خالی پڑی ہے، ان کے ساتھ زمین بھری ہوئی نہیں ہے۔

بھرنے کا مطلب یہ ہے کہ زمین سے ڈھیر لگانا شروع کرو آسمانوں تک ساری فضاء بھر جائے اتنا کسی کے پاس سونا ہو اور وہ سونا دے کر اپنی جان چھڑانا چاہے "فلن یقبل من احد هم" تو وہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

عقیدہ معاد پر بھی ایمان توحید ورسالت کی طرح ضروری ہے:

جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے عقیدے کے مطابق توحید کا عقیدہ ضروری ہے، ہمارے عقیدے کے مطابق رسالت کا عقیدہ ضروری ہے اسی طرح سے ہمارے عقیدے کے مطابق مرنے کے بعد زندہ ہونا جس کو آخرت سے تعبیر کرتے ہیں جس کو بعث بعد الموت سے تعبیر کرتے ہیں یہ عقیدہ ویسے ہی ضروری ہے جیسے توحید ورسالت کا عقیدہ ضروری ہے، مومن اس کے بغیر مومن بن نہیں سکتا یہ لازمی بات ہے کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے، اٹھنے کے بعد زندگی کا حساب دینا ہے اور اس کے بعد جنت یا دوزخ کا فیصلہ ہوگا یہ ایک دائمی زندگی ہوگی یہ ہمارے ایمان کا تیسرا رکن ہے اور اہم رکن ہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں نے جس طرح توحید کی تعلیم دی اسی طرح سے سب نے بعث بعد الموت کی تعلیم دی اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے یہ کسی ایک نبی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ آخرت ہوگی اور ہمارے اعمال کا فیصلہ ہوگا۔

ایمان کی قیمت کا پتہ آخرت میں چلے گا:

آخرت کے عقیدے کے بعد صرف بات یہ ہے کہ وہاں چھٹکارا جو ہوگا تو ایمان کے ساتھ ہوگا اگر سونے کے پہاڑ اور سونا بھری زمین دے کر بھی جان چھڑانا چاہے تو نہیں چھڑا سکتا، سونا دے کر نہیں چھڑا سکے گا، کوئی کسی کی سفارش سے اپنے آپ کو نہیں چھڑا سکے گا اگر بیٹا نبی ہے اور باپ ایمان کی نعمت سے محروم ہے تو نبی کا باپ ہونا بھی آخرت میں کام نہیں آئے گا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنا کر

ہمارے سامنے یہ بات واضح کردی، اگر باپ نبی ہے اور بیٹا ایمان سے محروم ہے تو نبی کا بیٹا ہونا آخرت میں کام نہیں آئے گا اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سنا کر ہمارے سامنے یہ بات واضح کردی۔

اگر کوئی نبی ہے اس کی بیوی کافرہ ہے تو کافر بیوی کو نبی کی بیوی بننا کام نہیں آئے گا، خاوند ہونا نبی کا کام نہیں آئے گا اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سنا کر ہمارے سامنے یہ بات واضح کردی اگر نبی کا چچا ہے اور ایمان سے محروم ہے تو چچا ہونا رشتہ دار ہونا اس کے کچھ کام نہیں آئے گا سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات بیان کر کے خود اپنے رشتہ داروں کو یہ بات سمجھائی ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ وہاں ہر شخص کا اپنا ایمان کام آئے گا کسی دوسرے کا نہیں تو اگر ایمان ضائع کر بیٹھے تو وہاں پر چھوٹنے کی کوئی صورت نہیں ہے یہاں نہ باپ کا ایمان بیٹے کے کام نہ بیٹے کا ایمان باپ کے کام، نہ بھائی کا ایمان بھائی کے کام آئے گا، نہ شوہر کا بیوی کے کام، نہ بیوی کا شوہر کے کام آئے گا، فرعون کی بیوی مومنہ ہے تو فرعون کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ ہے تو نبی کی بیوی ہونے کا آخرت میں اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، اس طرح سے ایمان کی قدر و قیمت کو اجاگر کیا ہے، ایمان کی قیمت انسان کو اس وقت معلوم ہوتی ہے جس وقت انسان کا آخرت کا عقیدہ بھی ٹھیک ہو۔

اس وقت ایمان کی قدر و قیمت اجاگر کرنے کی ضرورت ہے:

تو عام مجلسوں میں گفتگو کرتے وقت جہاں آپ دوسری باتوں کا تذکرہ کریں یہ بات اچھی طرح سے واضح طور پر بیان کریں کہ

* ہم توحید کے قائل ہیں،

ہم رسالت کے قائل ہیں،

ہم بعث بعد الموت کے قائل ہیں،

اور بعث بعد الموت کی جو بات ہوگی اس میں کام آنے والی چیز صرف ایمان ہے تو آج چند پیسوں کی خاطر آج چند ٹکوں کی خاطر چند ٹکوں کے لیے نوکری حاصل کرنے کے لیے یا دنیا کا کوئی اور فائدہ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان کو ضائع نہ کرو، اس نقطہ کو نوجوانوں کے سامنے اچھی طرح سے واضح کرنا چاہیئے۔

اگر ایمان کی قدر و قیمت ان کے دل میں آئے گی تو پھر ان شاء اللہ کسی قسم کی گمراہی میں پھنس نہیں سکیں گے ورنہ ان کا کفر اور ان کے مقتدیٰ کا ذلیل انسان ہونا یہ تقریروں کے اندر اتنا واضح ہوگیا جس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس پہلو کو سامنے رکھا جائے رکھنے کے بعد ایمان کی قدر و قیمت واضح کی جائے تو ان شاء اللہ العزیز یہ پہلو ایمان کی حفاظت کا ایک ذریعہ بن جائے گا، اور لوگوں کے دلوں میں ایمان کی قدر آئے گی یہ بتایا گیا ہے کہ زندگی چاہے لمبی سے لمبی ہو آخر کتنی ہے اس زندگی کی راحت کو انسان سامنے رکھے اور آخرت کی راحت اور سکون کو انسان سامنے نہ رکھے تو یہ بہت خسارے کی بات ہے۔

قادیانیت سے زیادہ خطرناک فتنہ اور کوئی نہیں:

اس لیے اللہ نے ہمیں توفیق دی اس بات کو سمجھنے کی کہ یہ دجال یہ کوئی ایک فتنہ نہیں ہے فتنے ہزاروں ہیں لیکن سب سے زیادہ خطرناک فتنہ جو قوم میں نکلا ہے وہ قادیانیت کا فتنہ ہے کیونکہ یہ مسلمان بن کر دوسرے مسلمانوں کو خراب کرتے ہیں ورنہ آپ جانتے ہیں کہ

کوئی یہودی یہودی ہو کر،

- کوئی عیسائی عیسائی ہو کر،
- کوئی سکھ سکھ بن کر،
- کوئی ہندو ہندو بن کر،

عام طور پر مسلمانوں کو گمراہ نہیں کر سکتا جب یہ دھوکہ دیتے ہیں تو مسلمان بن کر اندر گھس کر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں، اس لیے ان جیسوں کو پہچاننا اور ان سے خبردار کر کے رکھنا یہ ہم سب کا فرض ہے جس کے لیے یہ ساری کی ساری کوششیں کی جاتی ہیں، اللہ ہمیں اس فتنے سے بھی محفوظ رکھے اور بھی اردگرد فتنے ہیں ایمان کو خراب کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری نسلوں کو بھی ان فتنوں سے محفوظ رکھیں
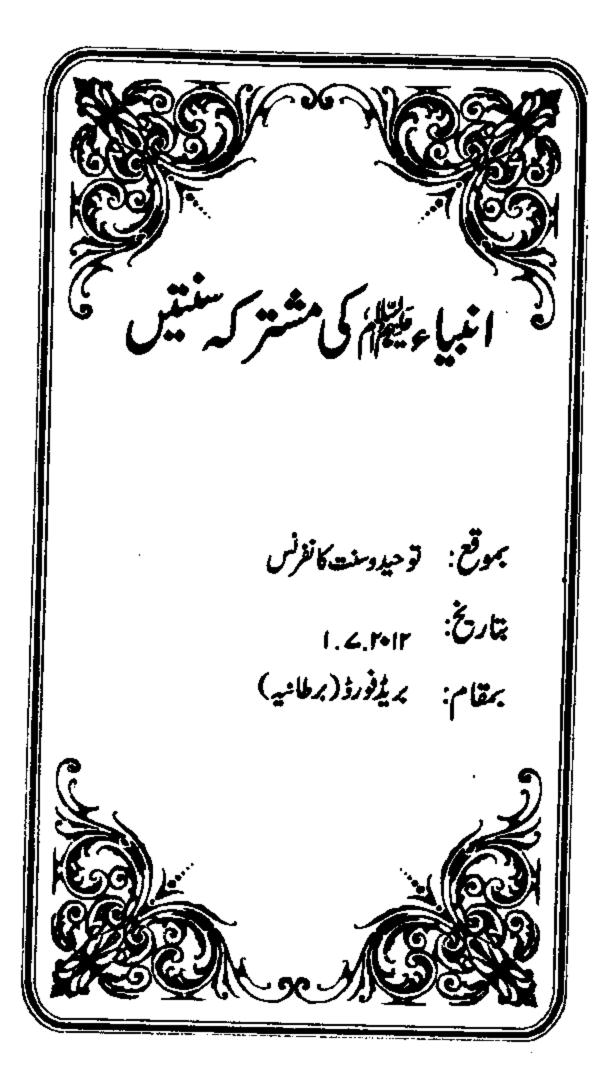
(آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ سنتیں

بموقع: توحید وسنت کانفرنس

بتاریخ: ۱.۷.۲۰۱۲

بمقام: بریڈفورڈ (برطانیہ)

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔

تمہید:

گذشتہ اتوار آپ کے ملک میں تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے کانفرنس تھی اور اس میں سارے بیانات ختم نبوت کے سلسلے میں ہوئے، اور اس کے بعد بھی جو علماء کرام تشریف لائے تھے وہ ملک کے مختلف حصوں میں مختلف عنوانات پر بیانات کرتے رہے اور اکثر و بیشتر ان کے بیانات کا مرکزی نقطہ نظر بھی ختم نبوت ہی رہا، آج یہ اجتماع جس میں حاضری کی مجھے سعادت حاصل ہوئی، جس پر میں اس کے منتظمین کا شکریہ ادا کرتا ہوں چونکہ جمعیت العلماء کے عنوان سے یہ اجتماع بلوایا گیا ہے اور اس کا موضوع متعین کیا گیا ہے "توحید وسنت"۔

تو میں اس بارے میں بہت متفکر تھا کہ علماء کے مجمع میں توحید وسنت کے عنوان پر میں کیا کہوں جو بات پہلے نہ کہی گئی ہو وہ عنوان میرے ذہن میں نہیں آرہا تھا، اللہ بھلا کرے ہمارے مولانا عبدالمنان صاحب زید مجدہم کا کہ انہوں نے اپنی عالمانہ تقریر میں سنت کے لفظ کو جو وسعت دی ہے اور اس سنت کے لفظ کو جو حاوی قرار دیا ہے تو اس سے مجھے بھی تھوڑا سا بات کا سراغ مل گیا تو میں بھی اسی عنوان پر دو چار باتیں آپ حضرات کی خدمت میں عرض کرتا ہوں چونکہ میں واعظ یا مقرر نہیں ہوں، میری زندگی درس گاہ میں گزری ہے، میں درس گاہی ہوں، اس لیے میری گفتگو کا انداز طالب علمانہ اور درس گاہی ہے اس میں خطیبانہ خوبیاں تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا بلکہ بات کو ذرا سمجھنے کی کوشش کرنا۔

حدیث مبارکہ کا مفہوم:

یہ روایت جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے (میرا خیال یہ ہے کہ یہاں مجمع زیادہ علماء کا ہی ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "العلماء ورثة الانبیاء"

علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں ، اب یہاں طالب علمانہ بات ہے کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنی ذات ذکر نہیں کی انبیاء علیہم السلام کی ذکر کی ہے ، پوری جماعت انبیاء کا ذکر ہے "ورثة الانبیاء" فرمایا میری امت کے علماء جو ہیں یہ پورے انبیاء علیہم السلام کے ترجمان اور ان کے وارث ہیں ،تمام انبیاء علیہم السلام کی وراثت کے مالک ہیں،تو انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر اختتام ہوا ، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی نبوت کا لفظ استعمال کرتا ہے ، کسی معنی سے استعمال کرتا ہے ،کسی انداز میں استعمال کرتا ہے وہ سب جھوٹ ہے، نبوت ختم ہوگئی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر تو انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت ہے ۔

سنن انبیاء علیہم السلام کی اہمیت :

انبیاء علیہم السلام کی جماعت کی بعض بعض سنتیں ایسی ہیں کہ جو سب انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہیں اور حدیث شریف میں یہ ایک مستقل عنوان ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "هذا من سنن المرسلين" بہت ساری سنتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ رسولوں کی سنت ہے یہ "من سنن المرسلين" ہے اور جس وقت کسی چیز کو سنن المرسلین قرار دے دیا جائے تو آپ جانتے ہیں کہ اس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے کہ یہ ایک نبی کی سنت نہیں بلکہ سارے نبیوں کی سنت ہے، سنت کا جو ذخیرہ ہے ہم نے چونکہ آنکھوں میں سرمہ لگانے سے لے کر، بالوں میں کنگھی کرنے سے لے کر زندگی کے ہر شعبے میں شخص کی تکمیل میں اور معاشرے کی تکمیل میں کوئی شعبہ چھوڑا ہو انہیں ہے جو سنت کے اندر واضح طور پر ہمارے سامنے رکھ نہ دیا گیا ہو، بہت جامعیت ہے اس میں، اور ہمارے ہاں عام طور پر سنت کے لفظ کے تحت جیسا کہ مولانا نے ارشاد فرمایا یہ عام معاملات کی جو سنتیں ہوتی ہیں وہ تو عام ہیں لیکن بعضے پہلو انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے ایسے ہیں کہ ان کو اگر اجاگر کیا جائے تو جہاں شخصی تکمیل

شریعت کے ساتھ ہوتی ہے وہاں جماعتی تکمیل بھی اس کے ساتھ ہو جاتی ہے امت کے اندر اجتماعیت پیدا کرنے کے لیے ان سنتوں کو اجاگر کرنا یہ بھی اس وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے۔

انبیاء ورسل علیہم السلام کی تعداد:

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک تعداد کتنی ہے؟ صحیح تعداد اللہ جانتے ہیں لیکن ایک روایت میں ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، مشکوٰۃ میں مذکور ہے کہ یارسول اللہ! انبیاء علیہم السلام کی تعداد کتنی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار، اور ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ، لیکن چونکہ وہ خبر واحد ہے، علمی اصطلاح کے مطابق وہ عقیدے کا فائدہ نہیں دیتی۔

اس لیے ہم ہمیشہ ذکر یوں کیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنے انبیاء علیہم السلام آئے وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوں یا کم وبیش جتنے بھی ہیں اللہ کے علم کے مطابق ہم سب پر ایمان لاتے ہیں، تین سو تیرہ رسول ہیں یا اللہ کے علم میں جتنے بھی ہیں تین سو تیرہ ہوں یا کم وبیش جو بھی ہوں ہم ان کے اوپر ایمان لاتے ہیں، پوری جماعت انبیاء علیہم السلام میں سے بعض کا ناموں کی صراحت کے ساتھ قرآن میں تذکرہ ہے اور بعض کے متعلق اجمال ہے کہ ان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔

ایک نبی کی تکذیب تمام انبیاء علیہم السلام کی تکذیب ہے:

لیکن ایک بات پوری شریعت کے اندر قرآن وحدیث کی روشنی میں مذکور ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام آدم علیہ السلام سے لے کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ ایک جماعت تھے، اور اس جماعت کی ایک خصوصیت تھی کہ ایک نبی کا انکار تمام نبیوں کا انکار ہے،

ایک نبی کا انکار سب نبیوں کا انکار ہے، نبی پر ایمان تب سمجھا جائے گا جب آدم علیہ السلام سے لے کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے آنے والے ہیں ان سب پر ایمان لاؤ، قرآن کریم میں جہاں رسولوں کا تذکرہ ہے وہاں ایک رسول کی تکذیب کو مرسلین کی تکذیب قرار دیا ہے اور ایک نبی کا انکار کرنے والا ویسا ہی کافر ہے جیسے پوری جماعت انبیاء علیہم السلام کا انکار کرنے والا کافر ہے، انبیاء علیہم السلام کا یہ اتفاق اور ہر نبی دوسرے نبی کو اپنے بھائیوں کی طرح سمجھے اور ایک دوسرے کا احترام، ایک دوسرے کا اکرام یہ انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت تھی، کوئی نبی برداشت نہیں کرسکتا کہ اس کے سامنے کسی نبی کی گستاخی کی جائے۔

ایک نبی دوسرے کی تنقیص برداشت نہیں کرسکتا:

حدیث شریف میں ایک واقعہ آتا ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک یہودی کا ایک مسلمان کے ساتھ جھگڑا ہوگیا، ضرورت پیش آئی تو یہودی نے قسم کھاتے ہوئے کہہ دیا ''میں اس اللہ کی قسم کھاتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام کو جہانوں کے مقابلہ میں چنا ہے'' ''اصطفیٰ موسی علی العالمین'' مسلمان سے یہ بات برداشت نہ ہوئی اس نے سمجھا کہ یہ تو موسیٰ علیہ السلام کو فضیلت دے رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر، تو اس نے ایک تھپڑ لگایا اس کے اور کہا ''علیٰ محمد'' کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں بھی موسیٰ علیہ السلام کو چنا، یہودی سیدھا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا، جا کے واقعہ ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو ڈانٹا اور کہا کہ اس میں غصہ کرنے کی کونسی بات تھی؟ قیامت کے دن جس وقت ساری مخلوق بے ہوش ہوگی میں ہوش میں آؤں گا اور میں یہ سمجھوں گا کہ سب سے پہلے ہوش میں میں آیا ہوں لیکن میں جب دیکھوں گا تو موسیٰ علیہ السلام اللہ کے عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہوں گے۔

مجھے نہیں معلوم کہ وہ بے ہوش ہی نہیں ہوئے یا بے ہوش تو ہوئے تھے لیکن مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے، موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ذکر کر دی اور اس مسلمان کو تنبیہ کی کہ موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت سن کر تمہارے اندر یہ غصے کی کیفیت کیوں پیدا ہوئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نبی اپنے سامنے دوسرے نبی کی تنقیص برداشت نہیں کر سکتا، یہ ایک ایسی اجتماعی سنت ہے انبیاء علیہم السلام کی کہ جس کے خلاف کوئی واقعہ نہیں ہے تو ہم علماء کو کم از کم اس سنت کی رعایت رکھتے ہوئے "ورثۃ الانبیاء" ہونے کے طور پر اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ہم سارے کے سارے آپس میں بھائی ہیں اور ایک دوسرے کی عزت، ایک دوسرے کا اکرام یہ ہمارا اخلاقی فریضہ ہے اور ہم ایک دوسرے کی تنقیص نہ کریں نہ کسی کو کرنے دیں۔

تمام انبیاء علیہم السلام ہر قسم کے تعصب سے پاک تھے:

پھر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام سارے کے سارے عرب میں تو نہیں آئے، پوری دنیا کے مختلف خطوں میں آئے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں علاقائی اختلاف بھی تھا اور خود قرآن کریم کا اعلان ہے کہ ہم نے جو رسول بھیجا اپنی قوم کی زبان میں بھیجا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں

- لسانی اختلاف بھی تھا،
- علاقے بھی مختلف،
- لسانیات بھی مختلف،
- قومیں اور قبیلے بھی مختلف،
- قوم ہود میں سے،
- قوم ثمود میں سے،

* قوم مدین میں سے،

قرآن کریم نے ہر ایک کا قبیلہ ذکر کیا ہے کہ کوئی قوم ثمود تھی ،کوئی ہود تھی ان میں سے انبیاء علیہم السلام ہم نے اٹھائے ،جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قبائل بھی مختلف تھے،

* انبیاء علیہم السلام کے قبائل مختلف،
* انبیاء علیہم السلام کے زمانے مختلف،
* انبیاء علیہم السلام کے علاقے مختلف،

لیکن اس سب کے باوجود وہ سارے کے سارے ایسے تھے کہ ان میں نہ کوئی علاقائی تعصب، نہ کوئی لسانی تعصب اور نہ کوئی قبائلی تعصب تھا۔

علماء کرام کی ذمہ داری:

اور یہ انبیاء علیہم السلام کی اجتماعی سنت ہے جس کا اپنانا ہمارے ذمے فرض ہے اور اسلام نے آ کر ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ "کلکم بنی آدم و آدم من تراب" تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو،

* علاقائی تعصب جہالت ہے،
* لسانی تعصب جہالت ہے،
* قبائلی تعصب جہالت ہے،

حدیث شریف کے اندر مستقل ابواب اس کے اوپر رکھے گئے ہیں تو آج ہم اس سنت کو کیوں بھولے بیٹھے ہیں کہ ہم علاقائی تعصب میں مبتلاء ہو کر امت کو پارہ پارہ کر رہے ہیں، لسانی تعصب میں آ کر امت کو برباد کر رہے ہیں، قبائلی تعصب میں آ کر امت کو تباہ کر رہے ہیں، کیا انبیاء علیہم السلام کی اجتماعی سنت جو ہے اس کو اپنانے کی ضرورت نہیں ہے؟

اگر ہم اس سنت کو پیش نظر رکھیں تو وہ بات صادق آئے گی جو حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کی مثال تو اس طرح ہے جس طرح " بنیان مرصوص "ہوتی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے اور ایک دوسرے کو سنبھالتے ہیں ، کالے گورے کے تعصب کو حضور ﷺ نے ختم کیا، علاقائی تعصب کو ختم کیا ، ہر چیز کو ختم کر کے ایک نقطے پر سب کو جمع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعزت انسان وہ ہے جو متقی ہے ، اب دو ہی قسمیں ہیں یا کافر یا مؤمن، اب تیسری کوئی قسم نہیں ، مؤمن سارے کے سارے ایک پارٹی ہیں اور کافر سارے کے سارے ایک پارٹی ہیں ۔

اتحاد اگر ہے تو تقویٰ پر ہے ،اسلام پر ہے ،صراحت ہے حدیث میں کوئی فضیلت نہیں گورے کو کالے پر ،کوئی فضیلت نہیں عربی کو عجمی پر ،نام لے کر آپ نے اس کی صراحت فرمائی ہے کہ اگر تمہارا اتفاق واتحاد ہے تو

- ایمان کے رشتے سے ہے،
- قرآن کے رشتے سے ہے،
- تقویٰ کے رشتے سے ہے،

اس چیز کو ملحوظ رکھا جائے اور یہ سارے کے سارے تعصبات ختم کر دیے جائیں تو یہ ایک سنت اپنانے کے ساتھ پوری کی پوری امت "بنیان مرصوص" بن جائے گی۔

ایک تو یہ اجتماعی سنت ہے اپنانے کی جس کی طرف توجہ بہت کم ہوتی ہے اور خاص طور پر علماء پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ یہ ساری کی ساری جاہلیتیں حضور ﷺ نے ختم کی تھیں آج ہم اس نقطے پر لوگوں کا ذہن بنائیں کہ بھائی علاقائی تعصب کوئی چیز نہیں، لسانی تعصب کوئی چیز نہیں ،قبائلی تعصب کوئی چیز نہیں، مسلمان مسلمان ہونے کی حیثیت سے متحد ہوں ، ان کا اتحاد قرآن پر ہے ، ان کا اتحاد رسول اللہ ﷺ کی

ذات پر ہے، ان چیزوں کو پیش کیا جائے تو یہ سارے فسادات کی جڑ اکھیڑ دیں گی جو مسلمانوں نے آپس میں پیدا کرلیا ہے، اور امت پارہ پارہ ہورہی ہے، اس لیے اس سنت کو بھی سامنے رکھنے کی اور اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

دعوت وتبلیغ بغیر اجرت کے تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ سنت ہے:

دوسری بات جو تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت میں مشترک نظر آتی ہے، انبیاء علیہم السلام کے بیانات قرآن کریم میں آپ پڑھیں، جس وقت وہ قوم کے سامنے بیان کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں اور کافر قوموں کو اپنی دعوت قبول کرنے کی طرف بلاتے ہیں تو یہ جملہ قرآن کریم میں آپ نے کتنی دفعہ پڑھا ہے ان کا اعلان ہوتا ہے "**لا اسئلکم علیه اجرا ان اجری الا علی الله**" بھائی میری یہ کوشش جو ہے یہ پیسے کمانے کے لیے نہیں ہے میرا اجر اللہ کے ذمے ہے، یہ ہے ان کا اخلاص اس اخلاص کی دولت کے ساتھ دعوت پھیلی ہے۔

اور جس وقت دوسروں کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ اگرچہ یہ نام مذہب کا استعمال کررہے ہیں اصل مقصد ان کا پیسے کمانا ہے تو آپ جانتے ہیں کہ عزت ختم ہوجاتی ہے، اخلاص ہو اور اس اخلاص کے ساتھ کوشش کی جائے، اجر صرف آخرت میں ملحوظ رکھا جائے، لوگوں پر یہ اثر ڈالا جائے کہ ہماری یہ کوشش مال اکٹھا کرنے کے لیے نہیں بلکہ ہم یہ کوشش کررہے ہیں تو محض اللہ کی رضا کے لیے کررہے ہیں، اور ایک عالم اور اس کی طرف طمع کی نسبت یہ علم کی عظمت کو ختم کردیتی ہے جیسے میں نے عرض کیا ہر رسول کا یہ اعلان ہے۔

ارباب العلم کون ہیں؟

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک بہت بڑے یہودی عالم مسلمان ہوئے تھے کعب احبار رضی اللہ عنہ کے لفظ کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا ہے

تو آپ کبھی کبھی ان سے مذاکرہ کیا کرتے تھے، تو ایک دفعہ گفتگو کے دروان کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا مشکوٰۃ میں روایت ہے "من ارباب العلم "ارباب العلم کون ہوتے ہیں؟ علم والے کون کہلاتے ہیں؟ انہوں نے کہا عالم کہلانے کا حق دار وہ ہے "الذین یعملون بما یعلمون" کہ جو ان کو علم حاصل ہو اس کے مطابق وہ عمل بھی کریں، اگلا سوال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ تھا "مااخرج العلم من قلوب العلماء" قلوب علماء سے کونسی چیز علم کے اثرات کو ختم کردیتی ہے "فقال الطمع" لالچ۔

جس وقت علماء لالچ میں آجائیں اور دنیا داروں کی نظر میں ہمارے متعلق یہ تصور ہو کہ یہ لفظ مذہب کا بھی استعمال کرتے ہیں تو دنیا کمانے کے لیے استعمال کرتے ہیں، دنیا کے اقتدار کے لیے استعمال کرتے ہیں، دولت جمع کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں تو آپ جانتے ہیں کہ دنیا دار کے دل میں پھر عزت نہیں رہتی، عظمت نہیں رہتی، عظمت اس وقت ہوگی ہے کہ جس وقت اہل علم خالص علم دین کی نسبت کے ساتھ اپنے اس دین کی اشاعت کریں اور اس کو دولت کمانے کا ذریعہ نہ بنائیں۔

علم کی اقسام:

بلکہ میں درمیان میں ایک بات عرض کردوں، مشکوٰۃ میں ہی روایت ہے غالباً حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے طور پر ذکر کی گئی ہے "العلم علمان "علم دو قسم کا ہوتا ہے "علم علی اللسان "ایک علم صرف زبان پر ہے کہ انسان صرف زبان سے علمی باتیں کرتا ہے "وعلم فی القلب"اور ایک علم قلب میں ہوتا ہے، دل میں ہوتا ہے "وھو علم نافع " علم اللسان جو صرف زبان پر ہے "حجة الله علی ابن آدم " یہ اللہ کی حجت ہے آدم علیہ السلام کے بچے کے خلاف کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پکڑے گا کہ تو کہتا تو یہ تھا لیکن پھر کرتا کیوں نہیں تھا لوگوں کو کہتا تھا، خود کرتا کیوں

نہیں تھا، یہ "حجة الله علی ابن آدم" یہ علم علی اللسان جو ہے یہ آدم علیہ السلام کے بچے پر اللہ کی حجت ہے اور فرمایا جو علم فی القلب ہے "هو علم نافع" یہ علم نافع ہے۔

عالم اور جاہل میں فرق قرآن کی روشنی میں:

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے طالب علمانہ طور پر کہ ہمیں پتہ کیسے چلے کہ ہمارے پاس جو علم ہے یہ علم فی القلب ہے یا علم علی اللسان ہے؟ ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمارا علم علم علی اللسان ہے یا علم فی القلب ہے اس کو ہم پہچانیں گے کیسے؟ اس کو پہچاننے کے لیے قرآن کریم کا ایک واقعہ معیار بنتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کا تذکرہ کیا ہے جو دنیا میں معروف سرمایہ دار ہے بلکہ سرمایہ داری کے لیے عنوان ہی بن گیا قارون، قارون کا تذکرہ اللہ نے کیا ہے، تفصیل سے بات کہنے کی گنجائش نہیں ہے قرآن کہتا ہے کہ ایک دفعہ وہ بڑی سج دھج کے ساتھ باہر نکلا، بڑی شان وشوکت کے ساتھ، جیسے کوئی بہت بڑا دنیا دار اپنی شان وشوکت ظاہر کرتا ہوا باہر نکلتا ہے۔

تو "فخرج علیٰ قومه فی زینته" وہ اپنی سج دھج کے ساتھ باہر نکلا، جس وقت باہر نکلا تو دو قسم کے لوگ اس کو دیکھنے والے تھے، ایک وہ تھے جن کی رال ٹپکی اور ان کے دل کے اندر یہ جذبہ آیا "یلیت لنا مثل مااوتی قارون" ہائے کاش! ہمارے پاس بھی یہ سامان ہوتا جو قارون کے پاس ہے، ہم بھی ایسے ہوتے جیسا کہ قارون ہے، قارون کی سج دھج کو دیکھ کر ان کے دل میں یہ ولولہ اٹھا کہ کاش! ہمارے پاس بھی ایسا سامان ہوتا، وہ اس کی شان وشوکت سے مرعوب ہوگئے، اللہ کہتا ہے یہ کہنے والے کون تھے؟

"قال الذین یریدون الحیوٰة الدنیا" یہ قول ان لوگوں کا ہے جن کے سامنے صرف دنیا کی زندگی ہے، آخرت کے متعلق نہیں جانتے، جو آخرت سے غافل

ہیں یہ قول ان کا ہے، وہ قارون کی سج دھج دیکھ کر متاثر ہوگئے، لیکن "قال الذین اوتوا العلم" جن کو علم دیا گیا تھا انہوں نے کہا "ویلکم ثواب اللہ خیر" ویلکم کا مفہوم ایسے ہے جیسے کوئی ہماری زبان میں کہے تمہارا ستیاناس ہوجائے یہ تم کیا کہہ رہے ہو تم بھی قارون بننے کی تمنا کرتے ہو، ایسے کام کرو جس سے آخرت میں ثواب ملے "ویلکم ثواب اللہ خیر" یہ قول ان کا ہے "الذین اوتوا العلم" تو گویا کہ دنیادار اور دین دار، جاہل اور عالم کا فرق اس سے معلوم ہوگیا کہ اگر دنیا کی زیب وزینت دیکھ کر اس کو حاصل کرنے کے جذبات دل کے اندر پیدا ہوتے ہیں تو یہ دنیاداری ہے چاہے ظاہر کچھ بھی ہو، اور اگر اس کے دل میں یہ خیال آئے کہ دنیا قابل رغبت نہیں ہے جتنی کہ آخرت قابل رغبت ہے، ہمیں کام اس انداز سے کرنا چاہیے کہ آخرت میں کام آئے یہ اہل علم کی شان ہے۔

ہر نبی نے اپنے آپ کو عوام کے معیار پر رکھا:

اس لیے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اپنی تعلیم کے ساتھ مال جمع کرنے کی اجازت دی ہے، اچھا مکان بنانے کی اجازت ہے، اچھا لباس پہننے کی اجازت ہے، اچھی خوراک کی اجازت ہے، فرائض ادا کرو، زکوٰۃ دو اور حقوق مالیہ ادا کر کے کروڑوں کے مالک بن جاؤ کوئی بات نہیں ہے، منع نہیں ہے لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی عملی سنت اور باقی انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو عوام کے معیار پر رکھنے کی کوشش کی ہے، اپنے آپ کو مالداروں کے معیار پر لانے کی کسی نبی نے کوئی کوشش نہیں کی، ان کا معیار عوام کے مطابق ہے جس وقت وہ دنیا سے عملاً کنارہ کش ہو کر دین کی دعوت دیتے رہے تو یہ سنت جو انبیاء علیہم السلام کی ہے علماء کے حصے میں خاص طور پر آئی ہے کہ آخرت کو ترجیح دو، دنیا کو ترجیح نہ دو، دنیا کی طرف

رغبت رکھنا یہ دنیا داری ہے اور آخرت کی طرف رغبت رکھنا یہ دین داری ہے، دنیا سے بے رغبتی یہ اہل علم کی شان ہے یہ بھی انبیاء کی ایک اجتماعی سنت ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ:

باقی رہا سیرت کا پہلو وہ آپ کے سامنے بہت نمایاں ہے، وہ ہے انبیاء علیہم السلام کی یہ تڑپ کہ مخلوق کو اللہ کے عذاب سے بچایا جائے اور مخلوق کو اللہ کے ساتھ جوڑا جائے یہ انبیاء علیہم السلام کے اندر کتنا زیادہ تھا قرآن اس پر شاہد ہے، حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ نوح علیہ السلام نے کہا یا اللہ! میں نے ان کو رات کو بھی پکارا اور دن کو بھی پکارا، میں نے ان کو علی الاعلان بھی بلایا، اور فرداً فرداً دعوت بھی دی، آہستہ بات بھی کی اور زور سے بھی کی ہر طرح سے میں نے بات کی جس سے معلوم ہو گیا کہ تبلیغ کا کوئی پہلو چھوڑا نہیں، اجتماعاً بھی بلایا ہے، انفراداً بھی بلایا ہے، رات کو بھی تبلیغ کی ہے، دن کو بھی دعوت دی ہے۔

اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن کریم میں یہ جو لفظ آیا ہے وہ بتاتا ہے کہ آپ کے دل میں کتنی تڑپ تھی لوگوں کو جہنم سے بچانے کی اور جنت کی طرف لے جانے کی، اتنی تڑپ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر کتنی آیتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ اتنا فکر کرنے کی ضرورت نہیں **"لعلك باخع نفسك علىٰ آثارهم ان لم يؤمنوا بهٰذا الحديث اسفا"** اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے تو ایسا لگتا ہے کہ تو تو جان کھو بیٹھے گا، آپ تو اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے، اتنا فکر کرنے کی کیا بات ہے، آپ کا فرض تھا پہنچانا آپ نے نے پہنچا دیا اب کوئی نہیں مانتا تو نہ مانے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اندر مخلوق کو جہنم سے بچانے اور جنت کی طرف لے جانے کی تڑپ کتنی ہوتی ہے، یہ مشترکہ سنت ہے تمام انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا کوئی پہلو نہیں چھوڑتے جس سے لوگوں کو متاثر کیا جا سکے اور انہوں نے وہ پہلو اختیار نہ کیا ہو ایسا کبھی نہیں ہوا۔

انبیاء علیہم السلام کی عبادت وریاضت:

اور اس کے ساتھ ساتھ شخصی زندگی کی یہ مشترکہ سنت ہے کہ اللہ کے ساتھ جوڑ یہ باطنی عبادت ہے اور یہ سنت آج کل ہم سے عملاً کیا چھوٹی تذکرے میں بھی چھوٹ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو عبادت کس طرح سے کرتے تھے؟ پاؤں پر ورم آجاتا تھا دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا کہ آپ اتنی مشقت اٹھاتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی زندگی کا یہ پہلو، اللہ کے سامنے نیاز مندی، اللہ کے سامنے رونا، اللہ کے سامنے کھڑے ہوکر طویل مدت تک قرآن کریم پڑھنا، اس طرح سے آپ کی راتیں گزرتی تھیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یارسول اللہ! قرآن میں اللہ نے اعلان کردیا ہے کہ اول تو آپ کی کوئی غلطی ہے نہیں اگر ہے تو اللہ نے معاف کردی تو پھر آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ یہ عبادت یا ریاضت صرف گناہ بخشوانے کے لیے نہیں بلکہ یہ اللہ کی نعمتوں کی شکرگزاری کے طور پر ہے جب میرے پر نعمت سب سے زیادہ کی کہ میرے متعلق یہ اعلان کیا تو میرے ذمے ہے کہ میں شکر بھی سب سے زیادہ ادا کروں، "افلا اکون عبداشکورا" کیا میں اللہ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ میری عبادت، ریاضت جتنی ہے وہ ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکرگزاری کے طور پر ہے، یہ چند باتیں ذہن میں آئیں جو میں نے میں آپ کی خدمت میں عرض کردیں اللہ قبول فرمائے

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

نزول قرآن
اور
استقبال رمضان

بموقع: شب برأت

بتاریخ: ۳۰.۶.۲۰۱۲

بمقام: علامہ خالد محمود اکیڈمی مانچسٹر (برطانیہ)

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ وَفِيْ مَقَامٍ آخَرَ حٰمٓ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا، وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ آخَرَ اِنَّآ اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَمَآ اَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ، لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ ۔

تمہید:

اس ملک میں آنے کی وجہ تحفظ ختم نبوت کانفرنس میں شرکت تھی، اور آنے کے بعد اس پروگرام کی اطلاع ملی، علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ العالی میرے بزرگوں میں سے ہیں، میرے اساتذہ کے درجوں کے ہیں اور مرتضی حسن میرے لیے بیٹوں کی طرح ہے، ان کی دعوت پر آپ حضرات کی مجلس میں آنے کا اتفاق ہوا، اور اس مجلس کا اشتہار جو دیکھا تو اس میں عنوان دیا ہوا ہے قرآن کریم کے نزول کا اور رمضان شریف کی آمد اور اس کے استقبال کا، عنوان میں لفظوں کا تقدم وتاخر ہوسکتا ہے مفہوم اس کا یہی ہے، اس مناسبت سے تین جگہ سے میں نے دو دو چار چار لفظ پڑھے ہیں کیونکہ تینوں جگہوں میں ہی قرآن کریم کے نزول کا تذکرہ ہے، قرآن کریم کو اتارنے کا تذکرہ ہے۔

آیات کا مفہوم:

پہلی آیت تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن کریم رمضان شریف میں اتارا گیا " شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن " اور دوسری آیت یہ حم الدخان چھبیسویں پارے کی سورۃ ہے اس میں اللہ فرماتے ہیں "انا انزلناه فی لیلة مبارکة" ہم نے اس کو ایک برکت والی رات میں اتارا، اور اس برکت والی رات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی یہ صفت ذکر کی گئی "فیها یفرق کل امر حکیم امرا من عندنا " یہ برکت والی رات ایک ایسی رات ہے کہ جس میں اللہ کی طرف سے حکم صادر ہوکر حکمت والے کاموں کا فیصلہ کیا جاتا ہے "فیها یفرق کل امر حکیم" اور تیسری آیت جو آپ کے سامنے پڑھی وہ تیسویں پارے کی سورۃ القدر ہے جس میں ذکر آیا کہ ہم نے لیلۃ القدر میں قرآن کو اتارا اور لیلۃ القدر کی صفت ذکر کی گئی کہ وہ ہزار مہینوں سے افضل ہے۔

ان تینوں آیتوں کی روشنی میں یہ بات تو متعین ہوگئی کہ قرآن کریم رمضان شریف میں اترا، اور یہ بات بھی متعین ہوگئی کہ لیلۃ القدر جو ہے جس میں قرآن کریم اتارا گیا ہے یہ بھی رمضان شریف میں ہے، روایات اس بات کے اوپر دلالت کرتی ہیں اور بہت کثرت کے ساتھ اس بارے میں روایات آئی ہوئی ہیں، تیسری بات جو ہے کہ ہم نے اس قرآن کو لیلۃ مبارکہ میں اتارا تو کیا اس لیلۃ المبارکہ سے لیلۃ القدر ہی مراد ہے یا لیلۃ مبارکہ سے کوئی دوسری رات مراد ہے؟ یہ بحث تفاسیر میں ذکر کی گئی ہے۔

بحث کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ لیلۃ القدر کا تذکرہ کرتے ہوئے اس میں امور کے طے کرنے کا ذکر نہیں کیا اور لیلۃ مبارکہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم کے اتارنے کے تذکرے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ اس میں اللہ کی جانب سے بڑے بڑے امور کا فیصلہ ہوتا ہے، اب یہ رات جس میں اللہ کی جانب سے بڑے بڑے امور کا فیصلہ ہوتا ہے جس کی تفصیل کی طرف بعض روایات میں اشارہ ہے کہ آنے والے واقعات سال کے دوران میں کہ

- کون مرے گا؟
- کون پیدا ہوگا؟
- کون آئے گا؟
- کون جائے گا؟

اس قسم کے واقعات جتنے ہیں ان کا فیصلہ اس رات میں ہوتا ہے۔

فرشتوں کا نظام اللہ کی حکمت کے تحت ہے احتیاج کی وجہ سے نہیں:

اس رات میں فیصلے ہونے کا مطلب یہ ہے جو اہل علم نے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت اپنی کائنات اور مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد عرش پر مستوی ہوکر

تدبیر امور کے لیے نظم اس قسم کا بنایا ہے جس کے لیے آپ کے سمجھانے کے لیے کہا جاسکے کہ جس طرح ہم دنیا میں حکومت چلانے کے لیے ایک صورت بنایا کرتے ہیں، اللہ نے فرشتے پیدا کیے اور ان فرشتوں کے ذمے بعض امور لگائے اب مثال کے طور پر موت دینا ایک کام ہے اور قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا کہ موت دینا اللہ کے اختیار میں ہے "یحیی ویمیت" یہ اللہ کی صفت ہے، زندگی بھی وہی دیتا ہے موت بھی وہی دیتا ہے۔

ہم اللہ کی صفتیں جب ذکر کرتے ہیں تو یہ بات ذکر کرتے ہیں کہ موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن اس قرآن کریم میں یہ ذکر بھی ہے "یتوفاکم ملك الموت" موت کا فرشتہ تمہیں وفات دیتا ہے، موت کے فرشتے کا نام آپ جانتے ہیں عزرائیل علیہ السلام، تو جس کا مطلب یہ ہوا کہ موت دیتا تو اللہ ہے لیکن اس نے اپنی حکمت کے ساتھ موت طاری کرنے کے لیے عزرائیل علیہ السلام کو متعین کیا ہوا ہے، اپنی حکمت کے تحت کسی ضرورت کے تحت نہیں، اور یہ بھی معروف ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش اور ہواؤں پر فرشتے متعین کیے ہوئے ہیں، اور جیسے شعبہ اموات کا سربراہ عزرائیل علیہ السلام ہے ایسے بارشوں اور ہواؤں کے شعبے کا سربراہ اللہ نے میکائیل علیہ السلام کو بنادیا۔

اور فنا اس دنیا کو اللہ نے کرنا ہے کسی دوسرے کا کام نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت اسرافیل علیہ السلام کو متعین کیا ہوا ہے صور دے کر کہ جب وہ پھونک ماریں گے تو تباہی آجائے گی اور جب دوبارہ پھونک ماریں گے تو دنیا پھر آباد ہوجائے گی یہ وہ باتیں ہیں کہ ہر شخص ان باتوں کو جانتا اور سمجھتا ہے ملائکہ اربعہ کا تذکرہ عام طور پر ہوتا رہتا ہے اور پھر اس لفظ کو بار بار دوہراتا ہوں کہ یہ سارے کا سارا سلسلہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت ہے، کسی احتیاج اور ضرورت کی بناء پر نہیں۔

شب براۃ کی وجہ تسمیہ:

ہم اپنے اکابر کی کتابوں میں پڑھتے آئے ہیں کہ یہ جو پندرہ شعبان کی رات آرہی ہے جو نصف شعبان کی رات ہے جس کے لیے عام طور پر لوگ لفظ بولتے ہیں ''شب براَت'' یہ رات شعبان میں آتی ہے، اصل میں شب براَت جو ہے یہ فارسی کا لفظ ہے اور عربی میں لیلۃ البراَۃ کہتے ہیں تو لیلۃ کا ترجمہ شب کے ساتھ کردیا کہ براَت کی رات، تو لیلۃ البراَۃ کا مطلب یہ ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ بہت سارے لوگ جو جہنمی ہونے والے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی جہنم سے براَۃ کرتا ہے اور بخشش عام کرتا ہے، کثیر تعداد میں لوگوں کو اس رات میں بخشا جاتا ہے اس لیے اس کو لیلۃ البراَۃ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، یہ رات جو نصف شعبان کی ہے اس بارے میں حدیث شریف میں تین چار روایتیں تو مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہیں جس میں یہ بات ذکر کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات میں ایک فضیلت رکھی ہے اور اس فضیلت میں یہ بات مذکور ہے۔

رمضان اور غیر رمضان کی راتوں میں فرق:

ایک بات تو یہ ہے کہ رمضان شریف کی راتوں میں اور باقی راتوں میں ایک فرق ہے، باقی راتیں جتنی ہیں ان میں یہ آتا ہے کہ نصف شب کے بعد، آدھی رات کے بعد، اور بعض روایات میں ہے کہ رات کے آخری تیسری حصے میں جب کہ رات کا تیسرا حصہ باقی ہو اللہ تعالیٰ اپنی خاص شان کے ساتھ جیسے اس کی شان کے لائق ہے تلفظ حدیث شریف میں یہی آتے ہیں کہ آسمان اول پر اللہ کا نزول ہوتا ہے، حدیث شریف میں الفاظ یہی ہیں اور اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق کہیں گے کہ جیسے اس کی شان کے لائق ہے ہم اس کی کوئی صورت نہیں پیش کرسکتے، نہ تشبیہ دے

سکتے ہیں ، اللہ کی خاص توجہ مخلوق کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور آسمان اول پر اللہ تعالیٰ کا نزول ہوتا ہے ان لفظوں کے ساتھ حدیث شریف میں اس کا ذکر آیا ہوا ہے۔

اور متوجہ ہوکر بندے کو پکارتے ہیں ، کہتے ہیں "**ھل من مستغفر فاغفرله**" کوئی معافی مانگنے والا ہے کہ میں اس کو معاف کر دوں "**ھل من مسترزق فارزقه**" کوئی رزق طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو رزق دے دوں ، کیا کوئی عافیت کو طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو عافیت دے دوں ، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ اعلان ہوتے ہیں نصف شب کے بعد یا ثلث شب میں کہ اللہ بندوں کو پکار کر کہتے ہیں کہ

- کوئی معافی مانگنے والا ہو تو میں اس کو معاف کر دوں ،
- کوئی رزق مانگنے والا ہو تو میں اس کو رزق دوں ،
- کوئی عافیت مانگنے والا ہو تو میں اس کو عافیت دوں ،

" **ھل کذا ،ھل کذا** " کے الفاظ روایت میں آتے ہیں کہ کیا کوئی ایسا ہے کہ میں اس کو ایسا کر دوں ، کیا کوئی ایسا ہے کہ میں اس کو ایسا کر دوں ، یہ اللہ کی طرف سے اعلان ہوتے ہیں ہر شب میں نصف شب کے بعد ، اور رمضان المبارک میں سورج کے غروب ہوتے ہی یہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

تو رمضان المبارک کی ساری راتوں کو ہی یہ فضیلت حاصل ہے اور عام راتوں میں نصف شب کے بعد اللہ کی طرف سے خصوصی توجہ مخلوق کی طرف متوجہ ہوتی ہے اس لیے کسی کہنے والے نے ٹھیک کہا ،

اے خواجہ ! چہ مے پرسی از شب قدر نشانی
ہر شب شب قدر گر قدر دانی

تم شب قدر کی، لیلۃ القدر کی کیا نشانیاں پوچھتے ہو؟ اگر قدر کرو تو ہر رات لیلۃ القدر ہے بایں معنی کہ لیلۃ القدر کی طرح ہی اللہ تعالیٰ ہر شب میں نصف شب کے بعد بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنے بندوں کو خطاب کر کے کہتا ہے مجھ سے معافی مانگو میں معاف کرتا ہوں، تم مجھ سے رزق طلب کرو میں رزق دیتا ہوں تو یہ شان لیلۃ القدر کی ہے اور رمضان کی ہر رات کی ہے کہ پوری رات اللہ کی رحمت متوجہ رہتی ہے تو یہ ہر رات میں نصف شب کے بعد ہوتی ہے اس لیے کہا اگر تم قدر کرو تو ہر رات ہی شب قدر ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے فائدہ اٹھاؤ جب کہ اللہ تعالیٰ پوری رحمت سے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

شب برأت کی فضیلت:

جیسے رمضان کی ہر رات غروب شمس کے ساتھ یہ فضیلت پا لیتی ہے تو یہ نصف شعبان والی جو رات ہے اس میں بھی غروب شمس کے ساتھ یہ فضیلت آجاتی ہے، پندرھویں رات میں اللہ تعالیٰ اسی طرح بندوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور بہت کثرت کے ساتھ لوگوں کی بخشش فرماتے ہیں، یہ نصف شعبان کی رات کی فضیلت روایات کے اندر آئی ہوئی ہے۔

لیلۃ القدر کی وجہ سے شب برأت کی فضیلت کا انکار:

اب فرقِ امور امور کا فیصلہ اس کی نسبت روایات میں نصف شعبان کی شب کی طرف ہے اور قرآن کریم میں ذکر ہے کہ لیلہ مبارکہ میں امور طے ہوتے ہیں اور روایات یہ بتاتی ہیں کہ امور طے ہوتے ہیں نصف شعبان میں تو یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ لیلۂ مبارکہ کا مصداق نصف شعبان کی رات ہے لیکن قرآن کریم کے نزول کا تذکرہ بھی ہوا اور ادھر صراحت ہے قرآن کے نزول کی لیلۃ القدر میں اور لیلۃ القدر کے ساتھ صراحت ہے رمضان میں اس لیے تھوڑی سی الجھن پیدا ہوتی ہے اس کو سمجھنے میں۔

بعض لوگوں نے تو یہ انداز اختیار کیا کہ جب قرآن کے نزول کی صراحت ہے کہ یہ رمضان میں نازل ہوا تو شعبان کی رات مراد ہو ہی نہیں سکتی، اور جو اس بارے میں روایات آئی ہوئی ہیں وہ ان کو بلا سوچے سمجھے رد کر دیتے ہیں کہ یہ قرآن کریم کی صراحت کے خلاف ہیں اس لیے ان روایات کا کوئی اعتبار نہیں، یہ ایک مستقل فتنہ ہے کہ اپنے فہم کے ساتھ روایات کو قرآن کریم کے ساتھ ٹکرا کر روایات کا انکار کر دیا جائے وہ کہتے ہیں جب قرآن کریم کے انزال کا تعلق شہرِ رمضان کے ساتھ ہے تو لیلۂ مبارکہ شہر رمضان میں ہی ہوگی تو رمضان سے باہر کسی کو لیلۂ مبارکہ قرار دینا جب کہ اس میں قرآن کریم کے انزال کا تذکرہ آیا ہوا ہے یہ درست نہیں، لہذا جن روایات میں یہ ذکر آیا ہے تو وہ قرآن کریم کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں تو جیسے ان لوگوں کا طریقہ ہے کہ یہ راوی کمزور ہے، وہ راوی کمزور ہے، اس کی سند یوں ہے وہ اس طرح سے روایات کو چھوڑ دیتے ہیں۔

شب براۃ کا نزولِ قرآن سے جوڑ:

لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں باتوں کو جمع کیا جاسکتا ہے تو ہم دونوں کو جمع کیوں نہ کریں؟ روایات بھی اپنی جگہ موجود اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات میں قیام کا حکم فرمایا کہ نوافل پڑھو، اللہ کی عبادت کرو، اور دن کے متعلق فرمایا کہ روزہ رکھو یہ مستحب ہے، فرض نہیں ہے اس لیے اگر کوئی رکھے گا تو ثواب ملے گا اگر نہیں رکھے گا تو کوئی گناہ نہیں ہے، روایات اس بارے میں موجود اور امت میں اکابر کا معمول نصف شعبان کی رات کو عبادت کرنا اور پندرہویں دن کا روزہ رکھنا یہ اکابر میں معمول ہے، ہمارے سب اکابر کی کتابوں کے اندر اس کا تذکرہ آیا ہوا ہے اور وہ اس کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے جانے والوں کے لیے استغفار کرنا

اس کا ذکر خود حدیث کے اندر آیا ہوا ہے تو جب اتنی باتیں ہیں اور پھر ساتھ ساتھ روایات میں یہ بھی ہے کہ اس میں امور طے کیے جاتے ہیں اب ان دونوں باتوں کو اکٹھا کر لیا جائے کہ اللہ کی حکمت کے تحت ابتداء ہوتی ہے فرقِ امور کی پندرہ شعبان سے اور اس کی انتہاء ہوتی ہے لیلۃ القدر پر گویا کہ یہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے پندرہ شعبان سے اور اس کی انتہاء ہوتی ہے لیلۃ القدر پر تو اگر ابتداء یہاں سے مراد لے لی جائے اور انتہاء وہاں مراد لے لی جائے، اللہ کی حکمت کے تحت، پندرہ شعبان سے لے کر لیلۃ القدر تک کا جو وقت ہے یہ وقت ہے امور طے ہونے کا اور کارکنان قضاء وقدر کے سپرد ہونے کا اگر ان دونوں باتوں کو یوں اکٹھا کر لیا جائے کہ انزال کا حکم اور اس کی تنفیذ اور فرقِ امور اور ان کا طے ہونا دونوں باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہو جائیں گی۔

کہ انزال قرآن رمضان شریف میں ہی ہے یہ اس کی انتہاء مراد ہے اور لیلۃ مبارکہ سے افتتاح مراد ہے اور فرقِ امور کی ابتداء لیلۃ مبارکہ سے ہے اور اس کی انتہاء لیلۃ القدر پر ہے، اگر اس طرح سے ان دونوں کو جوڑ لیا جائے تو اس میں کوئی کسی قسم کی قباحت نہیں، اس سے نہ تو روایات کا انکار لازم آتا ہے اور نہ اس سے اور کسی قسم کا انتشار برپا ہوتا ہے اور اکابر کے عمل کی بھی ایک بنیاد مہیا ہو جاتی ہے اس لیے یہ صورت اختیار کر لینا زیادہ بہتر ہے، دونوں کو اس طرح سے جمع کر لیا جائے گویا کہ یہ نصف شعبان سے لے کر لیلۃ القدر تک کا جو وقت ہے یہ تدبیری امور جو اللہ کے علم میں ہیں یا لوح محفوظ میں محفوظ ہیں وہ ان ان شعبوں میں جو فرشتے اللہ نے حکمت کے طور پر متعین کیے ہوئے ہیں وہ ان کے سپرد کر دیے جاتے ہیں، عزرائیل علیہ السلام کو فہرست دے دی جاتی ہے کہ

ان لوگوں کی تو نے جان نکالنی ہے،

- فلاں وقت نکالنی ہے،
- فلاں جگہ نکالنی ہے،

میکائیل علیہ السلام کو فہرست دے دی جاتی ہے کہ بارش اور ہواؤں کا نظم اس طرح سے قائم کرنا ہے۔

فرشتے سب کچھ اللہ کے حکم سے کرتے ہیں:

سب کچھ اللہ کے اختیار سے ہوتا ہے ایک ذرہ بھی اس کے اختیار کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا جو کچھ اللہ نے فرمایا ہے اسی کے مطابق ہوگا "**لا یعصون اللہ ماامرھم**" اللہ ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس میں نافرمانی نہیں کرتے "**ویفعلون مایؤمرون**" جو ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں، حکم اللہ کی جانب سے ہوتا ہے اس لیے فرشتے بااختیار نہیں اللہ نے اپنی جانب سے ان کو کارکن بنایا۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے احوال قبور کے بارے میں، اس میں انہوں نے ایک واقعہ لکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں عزرائیل علیہ السلام فرشتہ آتا تھا تو بسااوقات لوگوں کو معلوم ہوجاتا تھا کہ یہ عزرائیل علیہ السلام فرشتہ ہے، اور لوگوں سے اس کی ملاقات ہوجاتی تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار ہے وہاں حضرت عزرائیل علیہ السلام تشریف لے آئے، اور عزرائیل علیہ السلام ایک آدمی کو بہت گھور گھور کے دیکھ رہے ہیں، اور جس کو وہ گھور گھور کر دیکھ رہے تھے وہ ڈر گیا، اس نے محسوس کرلیا کہ یہ عزرائیل علیہ السلام ہے اور مجھے بہت گھور گھور کر دیکھ رہا ہے تو وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گیا اور جا کر کہنے لگا کہ یہ عزرائیل علیہ السلام مجھے بہت گھور گھور کے دیکھ رہا ہے، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے مجھے کسی دورعلاقے میں بھیج دو، سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ کہاں بھیج دوں؟ وہ کہنے لگا کہ مجھے ہند (ہندوستان) میں بھیج دو، آپ نے ہوا کو حکم دیا اس نے اٹھایا اور اٹھا کر ہندوستان میں پھینک دیا، جب ہندوستان میں پہنچا تو مر گیا۔

تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے دوسرے وقت میں حضرت عزرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ تیرے متعلق وہ شخص کہہ رہا تھا کہ تو اسے بہت گھور گھور کے دیکھ رہا ہے وہ کیا بات تھی؟ تو عزرائیل علیہ السلام کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے حکم تھا کہ اس کی جان ہندوستان میں نکالنی ہے اور وہ بیٹھا تھا یہاں، میں یہ سوچ رہا تھا کہ وقت تھوڑا رہ گیا ہے اور یہ ہندوستان میں جائے گا کیسے؟ اللہ کا حکم یہ ہے کہ اس کی جان ہندوستان میں نکالنی ہے، کہتے ہیں کہ اس نے آپ سے کہا آپ نے ہوا کے ذریعے سے اس کو وہاں پہنچادیا جہاں اس کو موت آنی تھی اور میں نے وقت پر اس کی جان نکال لی۔

یعنی ہوتا تو سب کچھ وہی ہے جو اللہ کی طرف سے طے ہے، فرشتوں نے اس کے مطابق چلنا ہے، فرشتوں کے اختیار میں نہیں ہے کہ آپ سارے بیٹھ کر منتیں کرنا شروع کردیں کہ عزرائیل! ہمارے بچے کی جان نہ نکالنا ہم تجھے یہ دیں گے، عزرائیل ایسا نہ کرنا، کچھ نہیں عزرائیل علیہ السلام کے ہاتھ میں، سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے، جو اللہ نے پروگرام دے دیا اس نے اس کے مطابق چلنا ہے ان شعبوں میں اللہ نے اپنی حکمت کے تحت ان کو متعین کیا ہے، جیسے اللہ کے علم میں ہے کہ جو کچھ ہم نے کیا یا جو کچھ ہم کررہے ہیں لیکن اس کے باوجود اپنی حکمت کے تحت فرشتوں کو متعین کیا ہوا ہے جو سب کچھ محفوظ کررہے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا کشف:

مکاشفات بزرگوں کے جو ہوتے ہیں وہ شرعاً حجت نہیں ہیں لیکن اگر کسی شرعی مسئلے کی تائید کسی مکاشفے کے ساتھ ہوجائے تو اس کا تذکرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اصل بات وہی ہے جو قرآن وحدیث کے اندر صحیح طور پر آجائے اس کے خلاف کشف کا کوئی اعتبار نہیں اور کشف براہ راست کوئی کسی قسم کا حجت نہیں ہے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بنیادی بزرگ گزرے ہیں، ہندوستان میں

دین کے تحفظ کا کام اللہ نے ان سے بہت لیا، ان کے مکاشفات میں یہ بات لکھی ہے کہ نصف شعبان کی رات گزری تو حضرت کی اہلیہ نے کہا کہ پتہ نہیں آج کس کے متعلق مرنے کا فیصلہ ہوگیا جس نے سال کے دوران میں مرنا ہے، پتہ نہیں کس کس کا پتہ کٹ گیا؟۔

یہ پتہ کٹنا محاورہ ہے ورنہ یہ نہیں کہ کوئی درخت کھڑا ہے اور وہاں سے کوئی پتہ کاٹا جاتا ہے، یہ محاورہ ہے اس کا پتہ کٹ گیا یعنی اس کا خاتمہ ہوگیا، کہنے لگی پتہ نہیں کس کس کا پتہ کٹ گیا اور کس کس نے مرنا ہے سال کے دوران میں؟ تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تو تو یہ کہتی ہے تیرا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے جس نے اپنا نام احیاء سے کٹتے ہوئے اور اموات میں لکھا جاتے ہوئے خود دیکھا، مطلب یہ کہ میں اپنے متعلق دیکھ رہا ہوں کہ میری موت کا فیصلہ ہوگیا ہے میرا زندوں سے نام کاٹ کر مردوں میں لکھا گیا یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے چنانچہ شعبان گزرا، رمضان گزرا، شوال، ذیقعدہ، ذی الحج، محرم اور صفر میں حضرت کا انتقال ہوگیا، اگلے شعبان سے پہلے ہی، یہ مکاشفہ ہے، یہ حجت نہیں ہے۔

لیکن ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مرنے والوں کے فیصلے ہوتے ہیں اور ہم کسی بزرگ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کو کشف ہوا تھا کہ اس نے سال کے دوران میں مرجانا ہے اور وہ واقعۃً ایسا ہی ہوا تو اس کے تذکرے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ کشف کے ساتھ کوئی بھی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا، عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ

 اکابر کے اقوال میں،

 اکابر کے احوال میں،

 اکابر کے اعمال میں،

نصف شعبان کی شب کی بھی کوئی اہمیت ہے، اس رات کو عبادت بھی کرنی چاہیے اور پندرہ شعبان کو روزہ رکھنا یہ بھی مستحب ہے، اور قرآن کریم کی دونوں آیات سے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے میں نے اشارہ کر دیا کہ ان دونوں آیات میں تطبیق بھی دی جاسکتی ہے۔

شعبان میں ہی رمضان کی تیاری شروع کردو:

تو شعبان کے مہینہ کی یہ خصوصیت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شعبان کا خیال کرو رمضان کے لیے کہ شعبان میں ہی رمضان کی تیاری شروع کردو، تیاری کا سب سے پہلا مرحلہ تو یہ ہے کہ اس کی تاریخ کو ضبط کر کے رکھو، اس کی تاریخ خلط ملط نہ ہو کیونکہ اگر شعبان کی تاریخ خلط ملط ہوگئی تو رمضان میں شک وشبہ پیدا ہو جائے گا کہ رمضان شروع ہوا یا نہیں ہوا؟ اور پھر آج ہی سے ہم یہ سوچیں کہ رمضان شریف آرہا ہے ہمیں اپنی عادات کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

- چائے کی عادت ہے اس پر کنٹرول کرو،
- سگریٹ کی عادت ہے اس پر کنٹرول کرو،
- سونے جاگنے کے اوقات ضبط کرنے کی کوشش کرو

یعنی آج سے ہی سوچنا شروع کردو کہ رمضان شریف کو ہم نے کس طرح سے گزارنا ہے۔

اور چونکہ یہ نزول قرآن کا زمانہ ہے پندرہ شعبان سے لے کر لیلۃ القدر تک تو اس لیے قرآن کریم کے ساتھ اپنا ربط بڑھاؤ تا کہ قرآن کریم سننے کے بارے میں اور قرآن کریم کی تلاوت کے بارے میں انسان کے اندر ہمت پیدا ہو اور اس کے لیے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کیا جائے، اسی وقت سے ہی اس کا اہتمام شروع

وجانا چاہیے تو ان شاء اللہ رمضان شریف کی برکات حاصل کرنے کے لیے آسانی پیدا ہو جائے گی۔

شب براۃ میں کرنے والے کام:

شعبان کی پندرہ آرہی ہے اس میں اگر اللہ توفیق دے تو اس میں رات کو عبادت کریں انفرادی طور پر، اجتماعی طور پر نہیں، نوافل انفرادی طور پر ادا کریں اور اسی طرح سے اس رات میں قبرستان میں جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قبرستان میں تشریف لے گئے تھے تو اس میں اجتماعیت نہ ہو، لشکر نہ بنائیے، انفرادی طور پر اگر کوئی اپنے اکابر کی قبور پر چلا جائے، والدین کی قبر پر چلا جائے، والدین کی قبر پر جانے کی تو ویسے بھی ترغیب ہے کہ اگر ہو سکے تو ہفتہ میں ایک دفعہ جاؤ، اور اس رات میں اگر کوئی چلا جائے اپنے اعزہ کی قبور پر تو اس کا ثبوت بھی ہے لیکن اس کی نہ تشہیر کی ضرورت ہے اور نہ کسی قسم کے اجتماع کی ضرورت ہے یہ ایک انفرادی عمل ہے۔

اور نوافل وغیرہ پڑھنے ہیں تو گھر میں پڑھیں، قرآن کریم کی تلاوت کریں نہ ہو تو سو جائیں، اور باقی جس طرح جاہلوں کی بنائی ہوئی رسمیں ہیں حلوہ وغیرہ وہ سب کی سب خود ساختہ ہیں ان کا شریعت کے ساتھ کوئی کسی قسم کا تعلق نہیں ہے ان عبادات کا اہتمام بھی کیجیے اور اس رات میں اللہ سے توفیق مانگیے کہ رمضان شریف اچھی طرح سے اللہ تعالیٰ ہمیں گزارنے کی توفیق دے اور آج سے ہی اس نزول قرآن کے تصور سے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کر دو کہ ہم نے تراویح پڑھنی ہیں، اور اس کے لیے یہ اوقات ہوں گے ان اوقات میں اپنے آپ کو فارغ رکھیں۔

اور دن میں روزہ رکھنا ہے تو اپنی فلاں فلاں عادت کو کنٹرول کرنا ہے

اور تلاوت کے لیے وقت لازماً نکالنا ہے، ان چیزوں کے لیے ابھی سے سوچنا شروع کر دیں گے تو ان شاء اللہ العزیز رمضان المبارک کے اعمال بھی آسان ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وقت کی قدر کرنے کی توفیق دے

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

عظمت قرآن

بموقع: تقریب ختم قرآن

بتاریخ: ۷.۶.۲۰۱۲

بمقام: سوینزا مسجد (برطانیہ)

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّابَعْدُ ! قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَامِنَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ نَّبِیٍّ اِلَّا قَدْاُعْطِیَ مِنَ الْاٰیَاتِ مَامِثْلُہٗ آمَنَ عَلَیْہِ الْبَشَرَ وَاِنَّمَا کَانَ الَّذِیْ اُوْتِیْتُ وَحْیًا اَوْحیٰ اللّٰہُ اِلَیَّ وَاَرْجُوْا اَنْ اَکُوْنَ اَکْثَرُھُمْ تَابِعًایَومَ الْقِیَامَۃِ(مشکوۃ ج۲ ص۵۱۱)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْم وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ ۔

حدیث مبارکہ کا مفہوم:

سرورِ کائنات ﷺ کی یہ روایت جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے اس کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کوئی نہ کوئی ایسی چیز ضرور دی ہے جس پر اعتماد کر کے لوگ اس پر ایمان لاتے رہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ نبوت کی دلیل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کو کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور دیا ہے جس معجزہ پر اعتماد کر کے لوگ ان پر ایمان لاتے رہے، معجزہ کیا ہوتا ہے؟ معجزہ یہ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا لفظی معنیٰ ہے عاجز کر دینے والی تو معجزہ اس شیٔ کو کہتے ہیں جو اپنے مقابل کو عاجز کر دے اور اس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے اس کو معجزہ کہتے ہیں۔

اور یہ معجزہ براہِ راست اللہ کی قدرت سے صادر ہوتا ہے اور وہ دلیل ہوتی اس بات کی کہ یہ شخص اللہ کی جانب سے بھیجا گیا ہے اور اس کا اللہ کے ساتھ خاص ربط ہے اور اس ربط کی یہ دلیل ہے کہ اللہ نے اس کو ایک ایسی چیز دی ہے جس کا مقابلہ مخلوق نہیں کر سکتی اس کو معجزہ کہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کو اللہ نے کوئی نہ کوئی معجزہ دیا ہے جس پر اعتماد کر کے لوگ ایمان لاتے ہیں، مجھے جو اللہ تعالیٰ نے معجزہ عطا فرمایا وہ اللہ کی وحی ہے جو اس نے میری طرف بھیجی اور مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ اتباع کرنے والے میرے ہوں گے، میری امت سب سے زیادہ ہو گی، لفظی ترجمہ اس روایت کا یہ ہے۔

قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے معجزات کا ذکر:

حاصل اس کا یہ ہے کہ معجزہ تو ہر نبی کو ملا اور معجزہ دو قسم کا ہوتا ہے (میری گفتگو کا انداز کچھ طالب علمانہ ہے، خطیبانہ نہیں ہے اس لیے ذرا بات کو سمجھنے کی کوشش کریں خطیبوں والی ادائیں میرے اندر نہیں ہیں، میں نے ساری زندگی پڑھایا ہے اسٹیج

پر خطابت کا کام میں نے نہیں کیا) معجزہ دو قسم کا ہوتا ہے، ایک ہوتا ہے علمی معجزہ، یعنی نبی سے ایک عمل صادر ہوتا ہے جس کا مقابلہ مخلوق میں سے کوئی نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام تو بہت بھیجے ہیں، ایک روایت میں ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار آتی ہے لیکن وہ روایت چونکہ خبر واحد ہے اس لیے وہ یقین کے لیے مفید نہیں ظن کے لیے ہے، بہر حال احتیاط اسی میں ہے کہ ہم یوں کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی جتنے بھی آئے چاہے ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوں یا جو اللہ کے علم میں کم وبیش ہوں ہم ان سب پر ایمان لائے۔

لیکن تذکرہ قرآن کریم میں چند ایک انبیاء علیہم السلام کا آیا ہے، پورے انبیاء علیہم السلام کا تفصیل کے ساتھ ذکر نہیں آیا اجمال کے ساتھ ذکر آیا ہے "منهم من قصصنا عليك" ان میں سے بعض نبی وہ ہیں جن کو ہم نے آپ پر بیان کیا ہے "ومنهم من لم نقصص عليك" اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کا تذکرہ ہم نے نہیں کیا، بہر حال قرآن کریم کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں جہاں آبادی تھی وہاں وہاں اللہ نے اپنی طرف سے ہادی بھیجے قرآن کریم کی صراحت سے یہ معلوم ہوتا ہے، جو انبیاء علیہم السلام ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ ذکر کیا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ذکر کیے گئے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات تفصیل کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں، اور باقی انبیاء علیہم السلام کا ذکر بھی اجمالی ہے اور ان سے صادر ہونے والے معجزات کا ذکر بھی اجمالی ہے، تفصیلی نہیں ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ قرآن کریم میں زیادہ ہے۔

آج کوئی یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دکھا نہیں سکتا:

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا اور معجزے کے طور پر آپ کو عصا اور ید بیضاء یہ دونوں چیزیں معجزے کے طور پر آپ کو دی گئیں، قرآن کریم نے

ان کا تذکرہ کیا ہے،عصا کا مطلب یہ تھا کہ ان کے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی تھی ،اس کو پھینکتے تو وہ سانپ کی شکل اختیار کر لیتی تھی جس کا مقابلہ کرنے کے لیے فرعون نے جادوگر منگوائے تھے لیکن وہ آپ کا مقابلہ نہ کر سکے تفصیل آپ کے سامنے ہے اور ید بیضاء کا مطلب یہ تھا کہ آپ اپنا ہاتھ اپنے پہلو میں رکھ کر باہر نکالتے تو وہ ہاتھ روشن ہو جایا کرتا تھا، پھر آپ دوبارہ اپنے سینہ کے ساتھ لگاتے تو پھر وہ اپنی اصل حالت پر آجایا کرتا تھا اس کو ید بیضاء کہتے ہیں۔

معجزے اور بھی تھے نو معجزوں کا ذکر آتا ہے لیکن یہ دو زیادہ نمایاں ہوئے اب یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی دلیل تو تھے اس میں کوئی شک نہیں، بڑے عظیم معجزے تھے پورے ملک کے جادوگر اکٹھے ہو کر بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکے مقابلے میں عاجز آگئے لیکن یہ معجزے عملی معجزے تھے ،موسیٰ علیہ السلام ایسا کر کے دکھاتے تھے ،اور عملی معجزے کا وقت کرنے والے کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے جب وہ ختم ہو گیا تو معجزہ بھی ختم ہو گیا، آج اگر کوئی یہودی ہمیں یہ کہے کہ موسیٰ علیہ السلام نبی تھے تو ہم کہتے ہیں بالکل ٹھیک ہے، موسیٰ علیہ السلام کو معجزے ملے تھے ،ہم کہتے ہیں بالکل ٹھیک ہے ''آمنا و صدقنا'' ہماری کتاب کہتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو عصا کا معجزہ دیا گیا تھا، ید بیضاء کا معجزہ دیا گیا تھا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے انکار کرنے کو کفر قرار دیتے ہیں۔

لیکن اگر کوئی ایسا آدمی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ مانتا ہو اور اس کے سامنے یہودی یہ بات کہے کہ موسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور وہ آگے سے کہے کہ دلیل؟ تو یہ کہے گا ان کو عصاء دیا گیا تھا جو سانپ بن جاتا تھا، ید بیضاء دیا گیا تھا، وہ کہے گا ہمیں کیا پتہ تم کر کے دکھاؤ، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہو تو ان کا معجزہ دکھاؤ لیکن کسی یہودی کے بس کی بات نہیں کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دکھا سکے کیونکہ وہ عملی معجزہ تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عمل سے تعلق رکھتا تھا جب موسیٰ علیہ السلام گئے تو یہ عمل بھی گیا، اس کو عملی معجزہ کہتے ہیں۔

آج کوئی عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دکھا نہیں سکتا:

اور ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو معجزات ذکر کیے گئے، عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں احیاء موتی کا ذکر بھی آتا ہے کہ مردوں کو پھونکتے تھے اور ”قم باذن اللہ“ کہتے تھے تو وہ اللہ کے اذن کے ساتھ زندہ ہو جاتا تھا، مٹی سے پرندے کی شکل بناتے اور اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ کی اجازت کے ساتھ پرندہ بن جاتا ہے، بے جان میں جان پڑ جاتی ہے اس کا ذکر قرآن میں ہے، ابرص جس کو ہم اپنی زبان میں کوڑھی کہتے ہیں اس پر ہاتھ پھیرتے وہ ٹھیک ہو جاتا تھا، مادرزاد اندھے کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے تو اس کی آنکھیں ٹھیک ہو جاتی تھیں، قرآن کریم میں یہ معجزات مذکور ہیں ان کے اوپر ایمان لانا ضروری ہے اور ان میں سے کسی کا انکار نہیں کر سکتے۔

ہم سے کوئی بات کرے اور کوئی عیسائی ہمیں دعوت دے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے، ہم کہیں گے بالکل ٹھیک ہے، وہ کہے کہ دیکھو! ان کو اللہ نے یہ معجزہ دیا تھا، یہ معجزہ دیا تھا، یہ معجزہ دیا تھا، ہم کہیں گے برحق ہے، ہم ان پر ایمان لاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے اور یہ معجزات اللہ نے انہیں دیے تھے، لیکن اگر کسی ایسے آدمی سے وہ بات کرے جو عیسیٰ علیہ السلام کو مانتا نہ ہو، قرآن کو مانتا نہ ہو، اسے کہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو مان کہ وہ اللہ کے پیغمبر تھے، وہ کہے گا دلیل؟ تو عیسائی کہیں گے وہ اندھوں کو بینا کر دیتے تھے، کوڑھیوں پر ہاتھ پھیر کر ان کو ٹھیک کر دیتے تھے، مٹی کے پرندے میں پھونک مارتے تھے وہ پرندہ بن کر اڑ جاتا تھا، مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، وہ کہیں گے کہنے کے لیے باتیں تو صحیح ہیں کر کے دکھاؤ، عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی معجزہ دکھاؤ؟ تو کیا کسی کے بس میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دکھا دے، ؟ ہم مانتے ہیں کیونکہ قرآن میں آگیا یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم نے اپنی آنکھوں

سے دیکھا ہے لیکن آج کوئی عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دکھا نہیں سکتا، یہ عملی معجزے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی معجزات:

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کی دلیل کے طور پر عملی معجزے بھی دیے، اور بہت دیے، کتابیں بھری پڑی ہیں، حدیث کی ہر کتاب کے اندر باب المعجزات ہے جس کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا تذکرہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی معجزے علماء نے شمار کیے ہیں تو بعض حضرات نے ان کی تعداد چار ہزار تک شمار کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے جو معجزات ظاہر ہوئے لیکن وہ سب عملی معجزے تھے، اگر پانی میں ہاتھ رکھا اور پانی جوش مارنے لگ گیا اور تھوڑا پانی بہت سارے آدمیوں کے لیے کافی ہوگیا تو یہ عملی معجزہ ہے آج ہم ایسا کر کے دکھا نہیں سکتے، یا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کیا، معراج پر تشریف لے گئے اور جو واقعات آپ نے بیان فرمائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا سفر معجزہ ہے، اس میں کوئی شک نہیں لیکن آج ہم یہ دکھا نہیں سکتے اور بھی بے شمار معجزات ایسے ہیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عملی معجزات کا تذکرہ نہیں کیا۔

اپنے نبی کا معجزہ ہم آج بھی دکھا سکتے ہیں:

فرمایا مجھے جو اللہ نے معجزہ دیا ہے وہ اللہ کی وحی ہے جو اللہ نے دی ہے اور مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ ماننے والے میرے ہوں گے، کیوں؟ کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کے معجزات انبیاء علیہم السلام کے جانے کے ساتھ ساتھ ختم ہوگئے، ان کا دور ختم ہوگیا مجھے اللہ نے معجزہ ایسا دیا ہے جو قیامت تک باقی ہے

✻ یہ وہ معجزہ ہے جس کو ہم قرآن کریم کہتے ہیں،
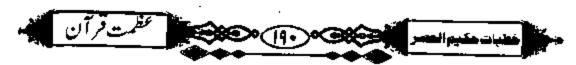
* یہ وہ معجزہ ہے جس کو ہم اللہ کی کتاب کہتے ہیں،
* یہ وہ معجزہ ہے جس کو ہم اللہ کی کلام کہتے ہیں،

ہم کہیں کہ محمد رسول اللہ اللہ کے رسول تھے کوئی پوچھے دلیل؟ ہم کہیں گے ان کے اوپر کتاب ایسی اتری جو معجزہ تھی وہ کہیں گے دکھاؤ! ہم ایک حافظ کھڑا کر کے الحمد سے لے کر والناس تک پورا قرآن سنا دیں گے کہ یہ حضور ﷺ کا معجزہ ہے، یہ معجزہ ہے جو قیامت تک باقی ہے، اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ نہ اس کو بدلا جاسکتا ہے اور نہ اس کو مٹایا جاسکتا ہے یہ قیامت تک باقی ہے، جیسا اترا تھا ویسا ہی باقی ہے اس لیے سرور کائنات ﷺ نے اپنے معجزات میں سے اس معجزہ کا تذکرہ کیا۔

قرآن کے منجانب اللہ ہونے پر اعتراض:

اور اس کے متعلق پہلے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے **"ذلك الكتاب لا ريب فيه"** یہ کتاب ہے جس کے منجانب اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں، یہاں وہی طالب علمانہ بات ہوتی ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ اس میں شک کوئی نہیں یعنی منجانب اللہ ہونے میں شک نہیں، یہ اللہ کی جانب سے ہے اس میں کوئی شک نہیں، لیکن

* بیسیوں نہیں،
* سینکڑوں نہیں،
* ہزاروں نہیں،
* لاکھوں نہیں،

کروڑوں لوگ ایسے ہیں جو شک کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب نہیں ہے، وہ اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں، تو پھر یہ دعویٰ کہ یہ کتاب ایسی ہے کہ جس کے منجانب

اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں اس کا کیا مطلب ہوا؟ شک تو کروڑوں لوگ کر رہے ہیں جو اس کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے پھر اس کا کیا جواب ہے۔

قرآن کے منجانب اللہ ہونے پر شک کرنا عقل کی خرابی ہے:

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ شک ہونے کے دو مطلب ہوتے ہیں، ایک مطلب ہوتا ہے کہ بات غلط ہے اس لیے عقل میں آتی نہیں اور ایک یہ ہے کہ بات تو صحیح ہے لیکن سمجھ میں آتی نہیں، بات غلط ہے پھر سمجھ میں نہیں آتی جیسے ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ بھائی دو اور دو پانچ ہوتے ہیں، اب یہ بات غلط ہے اس لیے عقل میں نہیں آتی، اور اگر ایک آدمی کہتا ہے کہ دو اور دو چار ہیں اور دوسرا کہتا ہے کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ چار کیسے ہیں؟ دو اور دو تین ہوتے ہیں یا دو اور دو پانچ ہوتے ہیں، تو یہ بات صحیح ہے لیکن جس کی سمجھ میں نہیں آتی اس کا اپنا دماغ خراب ہے۔

اس لیے دعویٰ تو اللہ نے کر دیا اپنی کتاب میں کہ اس کے منجانب اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر کوئی کہے شک ہے تو پھر اللہ کہتا ہے "ان کنتم فی ریب ممانزلنا علیٰ عبدنا" اگر تم شک میں ہو اس بات سے جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے، تو اپنے شک کو اس دلیل کے ساتھ زائل کر لو وہ ہے "فاتوا بسورۃ من مثلہ" اس جیسی ایک سورۃ بنا کے لے آؤ، تم نہیں بلکہ تم جن کو اپنے شہداء مانتے ہو، اپنے معبود مانتے ہو ان کو بھی ساتھ بلا لو، اور دوسری جگہ دعویٰ ہے کہ "ان اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثلہ" اگر جن وانسان بھی اکٹھے ہو کر اس کی مثل لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے، یہاں ہے کہ لے آؤ اور پھر ساتھ چیلنج بھی کر دیا کہ نہ تم آج لا سکتے ہو نہ تم قیامت تک لا سکو گے اور یہ چیلنج چودہ سو سال سے پوری دنیا میں گھوم رہا ہے۔

خالق اور مخلوق کی مصنوعات میں فرق:

اب اس کو سمجھانے کے لیے ایک لفظ بولتا ہوں کہ اصل میں کائنات کے اندر جتنی چیزیں موجود ہیں وہ دو قسم کی ہیں ،بعض چیزیں ایسی ہیں جو انسان کی بنائی ہوئی ہیں ،جو چیز انسان بناتا ہے اس کی نقل اتاری جاسکتی ہے بلکہ اس سے بہتر بنائی جاسکتی ہے، آپ غور کریں ساری کائنات میں مثال موجود ہے اگر ایک آدمی نے گھڑی بنائی ہے تو دوسرا اس سے اچھی بنالیتا ہے اور آئے دن ترقی کر کے اچھی سے اچھی گھڑیاں بنتی چلی جارہی ہیں ، اگر ایک آدمی نے سائیکل بنایا ہے تو ترقی کرتے کرتے دیکھ لو سائیکل کہاں تک پہنچ گیا ہے ، ہر بنانے والے سے آگے دوسرے نے ترقی کی اور اچھے سے اچھا بنادیا، اگر کسی نے جہاز بنایا ہے تو پہلا جہاز دیکھ لو اور آج کا جہاز دیکھ لو دن بدن ترقی کرتے کرتے یہ کہاں تک پہنچ گئے ۔

اگر کسی نے کپڑا بنایا ہے تو آج کے کپڑے کا اس کپڑے سے مقابلہ کر کے دیکھ لو کہ اس کے مقابلہ میں آج کپڑا کتنا اچھا، کتنا صاف اور کتنا خوبصورت بن گیا ہے، اگر کسی نے جوتے بنائے ہیں تو آئے دن اس کے نئے سے نئے نمونے سامنے آجاتے ہیں عمارت اگر کسی نے اچھے سے اچھے نقشے پر بنائی ہے تو اس سے اگلا انجینئر اس سے اچھی بنا کر دکھا دیتا ہے، کوئی کائنات کی چیز آپ ایسی دکھائیں کہ جو انسان کی بنائی ہوئی ہو اور اس کی نقل نہ اتاری گئی ہو، اسلحہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اگر

- کسی نے تلوار بنائی تھی،
- کسی نے لاٹھی بنائی تھی،
- کسی نے نیزہ بنایا تھا،

تو آج اس میں ترقی کرتے کرتے کہاں تک پہنچ گئے ،پوری کائنات میں

جو چیز انسان کی بنائی ہوئی ہے اس میں آپ کو دن بدن ترقی نظر آئے گی، ہر آنے والے دور میں وہ اس کی اچھی قسم لے آتے ہیں۔

تو کوئی انسان یہ دعویٰ نہیں کرسکتا اور نہ آج تک کسی نے کیا ہے اور نہ آئندہ کوئی کرے گا کہ میں نے یہ چیز بنائی ہے کوئی اس جیسی بنا کے دکھائے، کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کیونکہ مشاہدہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ جب کوئی شخص کوئی چیز بناتا ہے تو اگلا آدمی اس سے اعلیٰ معیار کی بنا کے دکھادیتا ہے یہ تو ہے انسان کی مصنوعات کا حال۔

اور بعض چیزیں ہمارے سامنے ایسی بھی ہیں جو انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہیں، سورج انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے، اب ساری کائنات اکٹھی ہو کے اس جیسا سورج بنا کے دکھائے؟ چاند انسان کا بنایا ہوا نہیں، اب ساری مخلوق اکٹھی ہو کر اس جیسا چاند بنا کے دکھائے؟ زمین و آسمان اللہ نے بنائے ہیں، یہ انسان کے بنائے ہوئے نہیں اب کوئی یہ بنا کے دکھائے؟ ان مثالوں کے ساتھ انسان کے سامنے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو چیز براہ راست اللہ کی بنائی ہوئی ہے اس کی نقل نہیں اتاری جاسکتی اور جو مخلوق کی بنائی ہوئی ہے اس کی نقل اتاری جاسکتی ہے۔

آج تک کوئی قرآن کی مثال بنانے کا دعویٰ نہیں کرسکا:

تو تم کائنات میں غور و فکر کرو اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ یہ ان کا بنایا ہوا ہے تو آخر یہ انسان ہے،

- کسی سکول میں نہیں پڑھا،
- کسی کالج میں نہیں پڑھا،
- کسی شاعر کا شاگرد نہیں،

- کوئی مانا ہوا خطیب نہیں،

اور بنیادی طور پر پڑھنے پڑھانے والا نہیں اور اس کی زبان سے کلام ایسی آرہی ہے تو ہم چیلنج کرتے ہیں کہ ایسی بنا کے لے آؤ، اور زمانہ وہ تھا جب ان میں اعلیٰ سے اعلیٰ خطیب اور اعلیٰ سے اعلیٰ ادیب موجود تھے لیکن آج تک دنیا اس کے مقابلے میں خاموش ہے، کوئی کتاب اس کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جاسکتی کہ یہ میں نے کتاب لکھی ہے اور یہ اللہ کی کتاب کے مقابلہ میں ہے بتاؤ ان میں کیا فرق ہے؟ آج تک کسی کی زبان سے یہ الفاظ جاری نہیں ہوئے جب کہ یہ اعلان پوری دنیا میں گونج رہا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن ہے:

پھر اس کی جو مثال سامنے آئی واقعات کے طور پر کہ اتنی موٹی کتاب جو متشابہات سے بھری پڑی ہو یہ صرف اس کتاب کی خصوصیت ہے، متشابہات سے اتنی بھری ہوئی ہے کہ جس کا حساب کوئی نہیں کہ یہاں لفظ کیا ہے، وہاں کیسے ہے، یہاں آیت کیسے شروع ہوتی ہے وہاں کیسے شروع ہوتی ہے، ایک بچہ جو اپنی اردو کی نظم نہیں یاد کرسکتا، اپنی زبان کی نظم نہیں یاد کرسکتا وہ تیس پارے اپنے سینے میں سمو لیتا ہے۔

پھر یہ جو رمضان شریف کا مہینہ آپ کے سامنے آنے والا ہے اس میں جو اس کتاب پر بہار آتی ہے دنیا کی کسی کتاب میں اس کی مثال نہیں ہے، جتنا یہ کثرت سے پڑھا جائے گا، دنیا کے ہر حصے میں جتنی کثرت کے ساتھ اس کی تلاوت ہوگی،

- نماز میں تلاوت ہوگی،
- خارج صلوٰۃ میں تلاوت ہوگی،
- رات کو ہوگی،
- دن میں ہوگی،

کوئی لمحہ خالی نہیں کہ جس میں اس کتاب کی تلاوت نہ ہوتی ہو، یہ ساری کی ساری خصوصیات ایسی ہیں جو یقین دلاتی ہیں کہ یہ انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے بلکہ یہ براہ راست اللہ کی قدرت سے صادر ہونے والی ہے۔

اس لیے یہ حضور ﷺ کی نبوت کی ایسی واضح دلیل ہے کہ دنیا کے پاس اس دلیل کا جواب نہیں ہے، اس لیے یہ لوگ مسلمانوں سے اس کتاب کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس کتاب سے دور کردیں، جب تک یہ موجود ہے اس وقت تک حضور ﷺ کی نبوت کی دلیل سورج کی طرح روشن ہے اور اس پر ان شاء اللہ دنیا نے ایک دن جمع ہونا ہے، وہ وقت آئے گا جب ساری دنیا تحقیق کرتی کرتی اس نقطے پر پہنچے گی کہ واقعی یہ اللہ کا رسول ہے اور یہ اللہ کی کتاب ہے، اس کے مانے بغیر چارہ نہیں ہوگا، جتنی جستجو کریں گے آخر اسی نقطے پر پہنچیں گے تو یہ دلیل ایسی ہے جس کی بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ ماننے والے میرے ہوں گے۔

پانی قرآن کریم کو نہیں دھوسکتا:

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے کہا ہے ایک روایت میں آتا ہے اللہ نے کہا "انزلت علیك کتابا لا یغسله الماء" میں نے تجھ پر ایسی کتاب اتاردی ہے جس کو پانی نہیں دھوسکتا، اب یہ کتاب اس کو اٹھا کر سمندر میں ڈالو دھل جائے گی، ساری دنیا سے اس کے نسخے اکٹھے کر کے سمندر میں ڈال دو دنیا سے یہ کتاب ناپید ہوجائے گی ایسا ہے یا نہیں؟ اللہ نے اگر اس کو کاغذ پر لکھا ہوتا تو کوئی اس کو پانی سے دھوڈالتا، یہ کاغذ پر اللہ نے نہیں لکھی یہ تو "فی صدور الذین اوتوا العلم" یہ تو علم والوں کے سینہ میں لکھی ہے۔

آپ کے سامنے واقعات آتے رہتے ہیں کہ آٹھ نو سال کی عمر میں ہمارے بچے عام طور پر قرآن کریم یاد کر لیتے ہیں جو قرآن مجید کے لیے خاص ہو کر بیٹھ جاتے

ہیں کبھی آپ نے چھ سال کے بچے کے حفظ کا اعلان سنا ہوگا، کبھی سات سال کے بچے کے حفظ کا اعلان سنا ہوگا، چھوٹے چھوٹے بچے بھی یاد کر لیتے ہیں، قرآن کریم یاد کرنے کے بعد سارا دن دریا میں نہاتے رہیں، سارا دن نہر میں نہاتے رہیں، سارا دن بالٹیاں پانی کی پی جائیں کبھی کسی کے سینہ سے کوئی لفظ نکلا ہے؟ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے اس کو سینوں میں محفوظ کر دیا ہے یہ کتب خانوں کو جلانے سے ختم ہوگا، نہ یہ کتابوں کے دریاؤں میں پھینکنے سے ختم ہوگا، انسان کے سینہ میں یہ محفوظ ہے جب تک انسان باقی ہے یہ بھی باقی رہے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے زندہ معجزے:

اس لیے وہ بچے جن کو اللہ تعالیٰ منتخب کر لیتا ہے اور یہ امانت ان کے سینہ میں منتقل کرتا ہے اور ان کے ذریعے سے یہ امانت محفوظ ہوتی چلی جاتی ہے یہ بچے زندہ معجزہ ہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بات آجائے وہاں ایک بچے کو کھڑا کر کے بتا دیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا معجزہ دیکھو، ساری کتاب اول سے لے کر آخر تک وہ پڑھ کے سنا دے گا۔

شب براءۃ کے ساتھ نزولِ قرآن کا تعلق:

اور اس کے ساتھ ساتھ اس بات کو مناسبت ہے اس رات کے ساتھ بھی، قرآن کریم میں تین آیتیں آئی ہیں، ایک ہے کہ قرآن کریم رمضان شریف کے مہینہ میں اتارا گیا "شهر رمضان الذی انزل فيه القرآن" دوسری ہے "انا انزلناه فی ليلة القدر" تیسری ہے "حم والكتاب المبين انا انزلناه فی ليلة مباركة"

- رمضان کے مہینہ میں اتارا گیا،
- لیلۃ القدر میں اتارا گیا،
- لیلۃ مبارکۃ میں اتارا گیا،

رمضان شریف کا مہینہ تو متعین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ساتھ قرآن آسمان اول پر منتقل کیا یہ نزول ہے جیسے اللہ نے لوح محفوظ میں منتقل کیا، لوح محفوظ سے آسمان اول میں منتقل کیا، آسمان اول سے اس کی ابتداء پھر غار حرا سے ہوئی، یہ مختلف درجات ہیں ان پر بحث کرنے کا موقع نہیں ہے۔

بہرحال سوال یہ ہے کہ لیلۃ القدر اور لیلۃ مبارکۃ ایک ہی چیز ہے یا دو ہیں؟ کیونکہ جہاں لیلۃ القدر کا ذکر ہے وہ تو بالاتفاق رمضان میں ہے، یہ تو دونوں اکٹھے ہوگئے شہر رمضان اور لیلۃ القدر ایک چیز ہے کہ وہ لیلۃ القدر کی رات رمضان شریف میں ہوگی، لیلۃ مبارکۃ جو ہے کیا یہ لیلۃ القدر ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور رات ہے؟ اس بارے میں اختلاف اس لیے ہے کہ آگے لفظ آتا ہے "فیھا یفرق کل امر حکیم" اس رات میں اللہ تعالیٰ حکمت والے کاموں کے فیصلے فرماتے ہیں اپنی طرف سے حکم صادر فرما کر یہ لفظ حدیث شریف میں لیلۃ مبارکۃ کی تفصیل میں ہیں، لیلۃ القدر کی تفصیل میں نہیں ہیں۔

اور یہ نصف شعبان کی رات ہے جس کو پندرہویں رات کہتے ہیں، لیکن پھر یہ علمی طور پر ایک تعارض پیدا ہوگیا کہ وہاں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رمضان شریف میں قرآن اترا اور لیلۃ القدر میں اترا اور آپ کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعبان کی پندرہویں رات کو اترا، شعبان اور رمضان میں تو فرق ہے پھر یہ کیسے ہوا؟ ان دونوں کو جوڑیں کیسے؟ اس لیے بعض حضرات تو ایسے ہی غلو کرتے ہیں کہ جی ان روایتوں کا کوئی اعتبار نہیں، یہ قرآن کی صراحت کے خلاف ہیں اس لیے لیلۃ مبارکۃ سے بھی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔

یہ طریقہ ہمارا نہیں ہے، ہم حدیث شریف کی عظمت کے بھی قائل ہیں اور حدیث کو ایسے ہی کسی راوی کی وجہ سے ٹھکرا دینا یہ ہمارا شیوہ نہیں ہے، ہم کوشش

کرتے ہیں کہ حدیث پر بھی عمل ہو اور قرآن پر بھی عمل ہو اور قرآن کریم کی بات کو حدیث شریف کی روشنی میں سمجھا جائے اس لیے ہمارے اکابر کہتے ہیں کہ دونوں کو جوڑا جاسکتا ہے، جوڑا یوں جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت، کسی عجز کی بناء پر نہیں، اپنی حکومت جو قائم کی ہے کائنات کو پیدا کرنے کے بعد وہ آپ سب جانتے ہیں کارکنان قضاء وقدر اللہ نے پیدا کیے محکمے ان کے سپرد کیے۔

موت کا محکمہ عزرائیل علیہ السلام کے سپرد ہے جہاں اللہ نے موت دینی ہوتی ہے وہاں عزرائیل علیہ السلام کو بھیج دیتے ہیں، کسی فرشتے کے ذمہ کوئی کام ہے، کسی فرشتے کے ذمہ کوئی کام ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے محکمے جس طرح سے بانٹے ہوئے ہیں وہ احکام کی تنفیذ کرتے ہیں، ان کے اختیار میں کچھ نہیں ہوتا، اللہ نے کہا ہے کہ زید کو موت دینی ہے، فلاں جگہ دینی ہے، فلاں وقت دینی ہے، تو عزرائیل علیہ السلام کے بس کی بات نہیں گھنٹہ آگے کردے یا گھنٹہ پیچھے کردے یا زید کے علاوہ بکر کو پکڑ لے، ایسا نہیں کرسکتا، اس نے صرف اللہ کے حکم کی تنفیذ کرنی ہے۔

سمجھانے کے لیے یوں کہا جائے کہ دنیا کی حکومتیں اللہ کی حکومت کی طرح ہیں یہ سالانہ بجٹ بناتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ پندرہ شعبان سے لے کر لیلۃ القدر تک یہ وہ زمانہ ہے جس میں آنے والے پورے سال کے کاموں کو فرشتوں کے سپرد کرتے ہیں کہ تم نے یہ کام کرنا ہے، تم نے یہ کام کرنا ہے تو ابتداء ہوتی ہے نصف شعبان سے اور اس کی انتہاء ہوتی ہے لیلۃ القدر پر جیسے قرآن کریم کی ابتداء مکانی طور پر غار حراء سے ہوئی اور تیئیس سال کے اندر اپنی انتہاء کو پہنچا یہ اللہ کی حکمت ہے، اور اگر وہ ایک ہی دفعہ سارا قرآن کعبہ کی چھت پر اتار دیتا تو اس کو قدرت تھی، بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو جوان ہونے میں پچیس سال لگتے ہیں، پودا ہوتا ہے تو اس کو انتہاء تک پہنچنے میں چھ، سات مہینے لگتے ہیں، یہ اللہ کی قدرت کے تحت ہے ورنہ وہ ایک ہی دم سب کچھ

کر دے تو بھی اس کو قدرت ہے اسی طرح یہ نظام اگر یوں ہو تو روایات بھی اپنی جگہ ٹھیک ہوجاتی ہیں اور وہ بات بھی اپنی جگہ ٹھیک ہوجاتی ہے کہ یہ قرآن رمضان شریف میں نازل ہوا۔

شب براۃ کی فضیلت:

اس لیے سرورکائنات ﷺ نے فرمایا کہ چونکہ یہ رات آنے والے سال کے لیے تقدیر کی رات ہوتی ہے جس میں امور کے فیصلے ہوتے ہیں اس لیے اس میں عبادت کی طرف کچھ زیادہ متوجہ ہوا کرو، عام راتوں میں اللہ کی رحمت کا ایک خاص وقت ہے آدھی رات کے بعد یا آخری تیسرے حصہ میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ خصوصیت کے ساتھ بندوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور بار بار اعلان کرتے ہیں کہ

- مجھ سے معافی مانگو میں معاف کرتا ہوں،
- مجھ سے رزق مانگو میں رزق دیتا ہوں،
- مجھ سے عافیت مانگو میں عافیت دیتا ہوں،

ہر رات میں یہ ہوتا ہے لیکن رمضان شریف کی راتوں میں یہ صدا شروع ہوتی ہے غروب شمس سے صبح صادق تک، لیلۃ القدر میں خصوصیت کے ساتھ آیا ہوا ہے "ھی حتیٰ مطلع الفجر" فجر کے طلوع تک اللہ کی یہ رحمت متوجہ رہتی ہے اور عام راتوں میں نصف شب کے بعد یا آخری ثلث شب میں ہوتی ہے، اسی طرح یہ شعبان کی پندرہویں رات جو ہے یہ بھی رمضان کی راتوں کے مشابہ ہے کہ اس میں بھی اللہ کی رحمت غروب شمس ہونے سے شروع ہوجاتی ہے اور طلوع فجر تک رہتی ہے۔

اس لیے اکابر میں معمول یہی چلا آرہا ہے کہ رات کو قیام کرو جتنی اللہ توفیق دے،

- نوافل پڑھ لو،
- تلاوت کرلو،
- ذکر کرلو،
- دعا کرلو،

اور دن کا روزہ مستحب ہے اگر کوئی رکھے گا تو ثواب ہے اور نہیں رکھے گا تو گناہ کوئی نہیں ہوگا اور آگے رمضان شریف آرہا ہے اس میں آپ جانتے ہیں کہ رات کا قیام سنت ہے اور دن کا روزہ فرض ہے اس کے احکام اپنی جگہ آجائیں گے، بہرحال اس رات میں چونکہ اللہ کی طرف سے بخشش کی انتہاء ہوتی ہے، اس کو عربی میں لیلۃ البراءۃ کہتے ہیں اور لیلۃ کا ترجمہ فارسی میں شب ہے اس لیے لوگ اس کو شب براٗۃ کہتے ہیں، شب براٗۃ یہ لیلۃ البراٗۃ کا ترجمہ ہے، اور براٗۃ کا معنی ہوتا ہے چھٹکارا تو لیلۃ البراٗۃ کا معنی ہوگیا چھٹکارے والی رات، اس میں اللہ کی طرف سے بخشش بہت کثرت کے ساتھ ہوتی ہے۔

شب براٗۃ میں قبرستان جانا:

اور انفرادی طور پر سرورکائنات ﷺ کا قبرستان میں جانا اور جو اصحاب وفات پاچکے ہیں ان کے لیے وہاں جاکے استغفار کرنے کا ثبوت بھی حدیث سے ملتا ہے لیکن انفرادی طور پر جشن کی صورت میں نہیں، نفلی عبادت جتنی بھی ہوتی ہے وہ سب انفرادی ہوتی ہے اور اس لیے فرضوں کے بعد سنتیں وغیرہ بھی گھر جاکر پڑھنا افضل ہے اور ہم مسجد میں اس لیے پڑھ لیتے ہیں کہ اب ہمارا طرز زندگی ایسا ہوگیا کہ مسجد سے نکلنے کے بعد پھر اپنے کاموں میں اتنے مصروف ہوجاتے ہیں کہ گھر تک جاتے ہوئے نماز کا خیال ہی نہیں رہتا، اس لیے مسجد میں پڑھ لیتے ہیں ورنہ اصل میں نوافل گھروں میں پڑھے جاتے ہیں۔

شب براۃ کی خرافات:

باقی خرافات جو لوگوں نے اس میں بنالیں کہ حلوہ پکاؤ، پکا کے کھلاؤ اور آتش بازی کرو یہ سب جہالت ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس رات کی فضیلت بڑی ہے جتنی اللہ توفیق دے اس میں عام راتوں کے مقابلہ میں کچھ عبادت زیادہ کرلیں، تلاوت کریں، ذکر کریں، اور باقی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ ہمارے لیے کوئی اچھا فیصلہ فرما کیونکہ یہ فیصلہ کی رات ہے، وقت شاید زیادہ ہوگیا ہے اس لیے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

عقیدہ معاد کی اہمیت

بموقع: خطبہ جمعۃ المبارک

بتاریخ: ۷.۶.۲۰۱۲

بمقام: سوینزا مسجد (برطانیہ)

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی (سورۃ الاعلیٰ)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ ۔

کامیابی کا مفہوم:

مختصر وقت میں، مختصر الفاظ میں ایک بات آپ حضرات کی خدمت میں عرض کرتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "قد افلح من تزکیٰ" "کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے آپ کو سنوار لیا، صاف ستھرا کرلیا،" "کامیاب" یہ فارسی کا لفظ ہے، کام کہتے ہیں مقصد کو اور یاب کا معنی ہوتا ہے پالینا تو کامیاب اس کو کہتے ہیں جو اپنے مقصد کو پالے، جو اپنے مقصود کو حاصل کرلے، کامیاب وہ ہوتا ہے جس کو اس کا مقصود حاصل نہ ہو وہ ناکام ہے۔

ہر انسان کی خواہشات مختلف ہیں:

انسان کا مقصود کیا ہے؟ آپ اس دنیا میں غور کرتے ہیں تو ہر انسان کے دل میں خواہش علیحدہ علیحدہ ہے،

- کسی کے دل میں خواہش ہے کہ میں ڈاکٹر بنوں،
- کسی کے دل میں خواہش ہے کہ میں انجینئر بنوں،
- کسی کے دل میں خواہش ہے کہ مجھے بڑا زمیندار ہونا چاہیے،
- کسی کے دل میں خواہش ہے کہ مجھے بہت بڑا افسر ہونا چاہیے،

جتنے انسان ہیں اتنی ہی خواہشات ہیں، آپس میں خواہشات کا اختلاف بھی ہے کہ ایک آدمی زمیندار بننے کو پسند کرتا ہے تو دوسرا انکار کرتا ہے کہ یہ کوئی کام نہیں ہے انسان کو صنعت کار ہونا چاہیے، ایک آدمی صنعت کار ہونے کو پسند کرتا ہے دوسرا آدمی کہتا ہے یہ کوئی کام نہیں ہے انسان کو کسی سرکاری عہدے پر ہونا چاہیے، کوئی شخص ایک چیز کو چاہتا ہے تو دوسرا اس کو پسند نہیں کرتا، یہ خواہشات کا اختلاف آپ کے سامنے ہے جس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

تمام انسانوں کی پہلی مشترکہ خواہش اور اس میں ناکامی:

لیکن بعض خواہشیں ایسی ہیں کہ جو پوری انسانیت کے اندر متفق علیہ ہیں اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، وہ ہر انسان کے دل میں ہیں مثلاً ایک خواہش یہ ہے کہ کوئی شخص بیمار ہونا نہیں چاہتا صحت مند رہنا چاہتا ہے، تو کیا کوئی دنیا کے اندر ایسا شخص ہے جو بیمار ہونا چاہتا ہو؟ (نہیں) تو صحت مند رہنا ہر انسان کی خواہش ہے بشرطیکہ اس کا دماغ صحیح ہو، بیماری کو کوئی شخص پسند نہیں کرتا، لیکن یہ بتاؤ کہ کیا انسان اس مقصد میں کامیاب ہے، کیا کوئی انسان آپ کو ملے گا جو کبھی بیمار نہ ہو ہمیشہ صحت مند رہے؟ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا، ہو ہی نہیں سکتا، اس مقصد میں انسان ناکام ہو گیا حالانکہ یہ بین الاقوامی نہیں بین الاشخاص خواہش ہے، ہر ہر آدمی کے دل کی خواہش ہے لیکن پوری نہیں ہوتی۔

دوسری مشترکہ خواہش اور اس میں ناکامی:

اور ایک یہ ہے کہ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ میں جوان رہوں، مجھے بڑھاپا نہ آئے، جب بھی کوئی آدمی بوڑھے کو دیکھتا ہے کہ وہ کس حال میں ہے، اٹھنے بیٹھنے سے لاچار، کھانے پینے سے لاچار، بڑھاپے میں انسان اس طرح محتاج ہو جاتا ہے جس طرح بچہ اپنے ماں باپ کی خدمت کا محتاج ہوتا ہے، بڑھاپا ساری آکڑ نکال کر رکھ دیتا ہے، اس لیے بوڑھا کوئی نہیں ہونا چاہتا، ہر شخص چاہتا ہے کہ میں جوان ہی رہوں، اس لیے مقوی غذا کھاتا ہے، تدبیریں سوچتا ہے اور یہ ایک ایسی خواہش ہے جو ہر انسان کے دل میں ہے لیکن یہ خواہش پوری نہیں ہوتی، اگر عمر لمبی ہے تو بوڑھا ہونا پڑتا ہے، ہاں اگر جوانی میں مرجائے تو وہ ایک علیحدہ بات ہے، اپنے اختیار کے ساتھ بوڑھا ہونا نہیں چاہتا۔

تیسری مشترکہ خواہش اور اس میں ناکامی:

اور اسی طرح ایک مشترکہ خواہش یہ ہے کہ کوئی انسان بھی موت کو پسند نہیں کرتا، اس لیے زندہ رہنے کے لیے ہزار حیلے کرتا ہے، آپ کا سارے کا سارا میڈیکل کا چکر جتنا بھی ہے اور آپ کے تحفظ کے لیے تدابیر اور تحفظ کے لیے ہتھیار اور پہرے، سیکورٹی نظام یہ سارے کا سارا موت سے بچنے کے لیے ہے، یہ حفاظت کا نظم جتنا بھی ہے یہ سارے کا سارا موت سے بچنے کے لیے ہے، کوئی آدمی یہ نہیں چاہتا کہ میں مرجاؤں، ہر شخص زندہ رہنا چاہتا ہے، یہ بھی مشترکہ خواہش ہے لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ انسان اس مقصد میں کامیاب ہو جائے؟

* چاہے جتنی مرضی تدبیریں اختیار کر لیں،
* چاہے قلعے بنالیں،
* پہرے دار بٹھالیں،

تو کیا یہ ممکن ہے کہ آدمی موت سے بچ جائے؟ حالانکہ زندہ رہنے کی خواہش ہر کسی کے دل میں ہے تو انسان اس مقصد میں بھی کامیاب نہیں ہے۔

دنیا میں کوئی شخص اپنی خواہشات کی تکمیل میں کامیاب نہیں:

مثال کے طور پر یہ دو تین باتیں آپ کے سامنے ذکر کی ہیں کہ صحت کا ہر کوئی متمنی ہے لیکن اس خواہش میں کامیاب نہیں، بڑھاپے سے بچنے کی ہر شخص تمنا کرتا ہے لیکن اس مقصد میں کامیاب نہیں، زندہ رہنے کی خواہش ہر کوئی رکھتا ہے لیکن اس مقصد میں کامیاب نہیں، تو انسان جس کو اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے تو کیا اس کے دل میں ایسی خواہشات پیدا فرمائیں جو پوری ہونے والے نہیں ہیں تو کیا اس انسان کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اپنی دنیاوی زندگی کے اندر یہ کامیاب ہے؟

- صحت چاہتا ہے صحت مند نہیں رہتا،
- موت سے بچنا چاہتا ہے موت سے بچ نہیں سکتا،
- بڑھاپے سے بچنا چاہتا ہے اس سے بچ نہیں سکتا،

تو اگر انسان کی خواہشات یہ ہیں اور ہر دل کی خواہشات ہیں جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اور یہ دنیا میں پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آتیں،

- نہ کسی بادشاہ کو،
- نہ کسی فقیر کو،
- نہ کسی عالم کو،
- نہ کسی جاہل کو،
- نہ کسی سرمایہ دار کو،
- نہ کسی مسکین کو،

جب یہ پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آتیں تو کیا پھر یہ کہنا صحیح ہے کہ انسان اپنی اس دنیا کی زندگی میں اپنی خواہشات کی تکمیل نہیں کرسکتا، یہ پوری ہوتی نظر نہیں آتیں۔

عقیدہ آخرت کے بغیر سب سے ناکام مخلوق انسان بنتا ہے:

اب اگر انسان کے دماغ سے آخرت کا تصور نکال دیا جائے تو دنیا کے اندر جتنا ناکام انسان ہے اتنی ناکام کوئی مخلوق نہیں ہے، اس تفصیل کے تحت جو آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں، ساری مخلوقات میں سے سب سے زیادہ ناکام ہے تو انسان ہے کیونکہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہے، اس لیے فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ کوئی اور زندگی ایسی آئے کہ جس میں انسان اپنی خواہشات کی تکمیل کرے اور ان خواہشات کو پورا کرنے کے لیے انسان کے لیے آخرت کا گھر ہے کہ وہاں انسان کی

ساری کی ساری خواہشات پوری ہوجائیں گی، وہ یہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قد افلح من تزکیٰ" مقصد کو پالیا اس شخص نے جس نے اپنے آپ کو سنوار لیا، سنوارنا کیسے ہے وہ بات لمبی ہے گھنٹوں کی بات ہے جو منٹوں میں سمیٹ رہا ہوں۔

توحید ورسالت کی طرح عقیدہ معاد بھی ضروریاتِ دین میں سے ہے:

ہمارا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد ہم نے دوبارہ اٹھنا ہے یہ عقیدہ اسی طرح ضروری ہے جس طرح توحید کا عقیدہ ضروری ہے،توحید بھی ضروری،رسالت کا عقیدہ بھی ضروری اور بعث بعد الموت مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا عقیدہ بھی ضروری ہے، یہ تینوں عقیدے برابر کی حیثیت رکھتے ہیں،اگر کوئی توحید کا انکار کرے تو مسلمان نہیں، رسالت کا انکار کرے تو مسلمان نہیں ،بعث بعد الموت کا انکار کرے تو مسلمان نہیں،آخرت آئے گی۔

اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت کا مسئلہ ہے کسی ایک نبی کا نہیں ہے، متفق علیہ ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی نے یہ اعلان کیا ہے کہ اس بات کو یاد رکھو کہ زندگی تمہاری یہیں ختم نہیں ہوگی،ایک زندگی تمہاری ماں کے پیٹ میں تھی، دوسری زندگی اس ظاہری دنیا میں ہے، تیسری زندگی آپ کی قبر میں ہے،چوتھی زندگی قبروں سے نکلنے کے بعد قیامت کے دن ہے، رفتار زندگی کی اس طرح چلتی رہتی ہے ،منزل بدلتی رہتی ہے زندگی منقطع نہیں ہوتی، ماں کے پیٹ سے شروع ہوتی ہے اور پھر منزلیں بدلتی رہتی ہیں۔

آخرت میں انسان کی تمام خواہشات کی تکمیل ہوگی:

تو آخر منزل میں جس نے اپنے آپ کو سنوارا ہوگا جیسا کہ اس لفظ کا ترجمہ ہے، دل کو سنوار لیا یعنی کفر وشرک کی گندگی سے دل کو پاک کرلیا، اخلاق کو سنوار لیا

بداخلاقیوں سے اپنے آپ کو بچالیا، اور اپنی دوسری عادات کو پیدا کرنے والے کی مرضی کے مطابق ان کو سنوار لیا وہ کامیاب ہے، وہ کامیاب کیسے ہوا؟ حدیث شریف میں ہے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت جنت اور دوزخ کا فیصلہ ہو جائے گا، جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل جنت کے لیے ایک اعلان کیا جائے گا انہی الفاظ کے ساتھ حدیث میں آیا ہے۔

"ینا دی منادان لکم ان تصحوا فلا تسقموا ابدا" اے جنت والو! تمہارے لیے یہ بات طے ہے کہ تم ہمیشہ صحت مند رہو گے کبھی بیمار نہیں ہو گے، ہو گیا مقصد حاصل؟ "وان لکم ان تحیوا فلا تموتوا ابدا" اے جنت والو! یہ بات تمہارے لیے طے ہو گئی کہ تم نے ہمیشہ زندہ رہنا ہے تم میں سے کوئی مرے گا نہیں موت کسی کو نہیں آئے گی، بلکہ حدیث شریف میں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ موت کو ایک مینڈھے (دنبے) کی شکل میں موجود کریں گے اور دوزخیوں کو بھی دکھائیں گے، جنتیوں کو بھی دکھائیں گے اور کہیں گے پہچانتے ہو یہ کیا ہے؟ تو سارے کہیں گے کہ ہاں ہم اس کو پہچانتے ہیں تو سب کے سامنے اس موت کو فناء کر دیا جائے گا۔

تو جہنمیوں کے غم کی بھی کوئی حد نہیں رہے گی بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ غم کی وجہ سے اگر کسی کو موت آنی ہوتی تو اس دن سارے جہنمی مر جاتے، اتنا غم ان کو ہو گا لیکن موت نہیں آئے گی، اور اگر خوشی کی وجہ سے مرنا ہوتا تو سارے جنتی ہی مر جاتے اتنی خوشی ہو گی ان کو، کیوں کہ انسان سوچتا ہے کہ تکلیف جتنی بھی ہے آخر مریں گے تو جان چھوٹ جائے گی اور کبھی یہ فکر ہوتی ہے کہ کہیں میں مر نہ جاؤں اگر مر گیا تو ساری عیش ہی ختم ہو جائے گی۔

تو جہنمیوں کے سامنے یہ بات آگئی کہ اب ہمارا عذاب کبھی ختم نہیں ہوگا اور جنتیوں کے سامنے یہ بات آگئی کہ ہماری خوشحالی کبھی ختم نہیں ہوگی ،تو یہ جو مقصد تھا انسان کا کہ انسان خوشحال رہے ،اور اس کے اوپر موت نہ آئے بلکہ زندہ رہے اس مقصد میں یہ کامیاب ہوگیا، اور ایسے ہی فرمایا"وان لکم ان تشبوا فلا تھرموا ابدا "(مشکوٰۃ ص ۴۹۶)اے جنت والو! تمہارے لیے یہ بات طے کردی گئی کہ تم ہمیشہ جوان رہوگے ،کوئی بوڑھا نہیں ہوگا ،ہمیشہ جوانی رہے گی بڑھاپا نہیں آئے گا، تو بڑھاپے سے بچ گئے جوانی آگئی اس مقصد میں بھی کامیاب ہوگیا۔

جنت میں انسان کی ہر خواہش پوری ہوگی:

اور ایک آخری خواہش جو بچہ سے لے کر بوڑھے تک ہر دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں جو چاہوں وہ ہوجائے اور ایسا ممکن نہیں چاہے تو ساری دنیا کا بادشاہ بن جائے ایسا ممکن نہیں ہے کہ جو چاہے وہ ہوجائے لیکن جنتیوں کے لیے قرآن کریم میں یہ اعلان ہے " لکم فیھا ماتشتھون "تمہیں ہر وہ چیز ملے گی جو تم چاہوگے، تمہاری زندگی ایسی ہوگی جیسی تم چاہوگے ۔

خلاصہ:

تو یہ مجموعی خواہشیں ہیں جو ہر انسان کے دل میں پائی جاتی ہیں ، جو فطرت کا تقاضہ ہیں یہ تقاضہ اگر پورا نہ ہو آخرت کے تصور کے تحت تو انسان سے زیادہ ناکام زندگی کسی کی نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسرا جہاں جو بنایا ہے اس میں جاکے ان خواہشات کی تکمیل ہوگی بشرطیکہ انسان صاف ستھرا ہوکے اس دنیا سے جائے ، اس میں کفر وشرک کی نجاست نہ ہو، فسق وفجور کی پالیدی نہ ہو ، صاف ستھرا ہوکے انسان جائے تو یہ سارے کے سارے مقاصد جو انسان کی فطرت کی آواز ہیں اور انسان کی

فطرت کی طلب ہیں یہ سارے کے سارے مقاصد وہاں پورے ہوجائیں گے
اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اس طریق کو اختیار کریں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ
ہم سب کو جنت نصیب فرمائے اور یہ ساری کی ساری خواہشات پوری ہوں

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مدارس دینیہ کے احسانات

بموقع: ختم بخاری

بتاریخ: ۱۷/رجب ۱۴۳۳ھ

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

تمہید:

مدارس عربیہ جن کا جال ہمارے پورے ملک میں بچھا ہوا ہے (الحمدللہ) اور اللہ ان کو نظر بد سے محفوظ رکھے (آمین) اس کے امت پر احسانات تو بہت ہیں لیکن ایک واضح ترین احسان مدارس کا امت پر یہ بھی ہے کہ ان مدارس نے اس امت کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جوڑ رکھا ہے، امت جڑی ہوئی ہے اپنے نبی کے ساتھ ان مدارس کی برکت سے، خصوصیت کے ساتھ علم حدیث کی وجہ سے۔

حدیث پڑھنے پڑھانے والوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق:

ہمارے استاذ الاساتذہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو ہندوستان کی تمام اسانید حدیث کا مرکز ہیں انہوں نے یہ علم مدینہ منورہ میں حاضر ہوکر حاصل کیا اور وہاں ان کو جو روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض ہوا، اور کچھ مکاشفات ہوئے، کچھ صحیح الہامات ہوئے، بہت ساری باتیں خواب کے ذریعے سے معلوم ہوئیں، انہوں نے وہ سارے فیوض اور برکات کتابی شکل میں جمع کیے جو "فیوض الحرمین" کے نام سے کتاب چھپی ہوئی ہے، بہت ساری باتیں ہیں جو ہم نے دیکھی ہیں، پڑھی ہیں۔

ان مکاشفات میں سے ایک مکاشفہ یہ بھی ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے نور کی شعاعیں پھوٹتی ہیں اور وہ جس طرح سے ایک تاگہ ہوتا ہے شعاع تاگے کی شکل میں وہاں تک متصل ہے جہاں تک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے، حدیث پڑھنے والے لوگ، پڑھانے والے لوگ وہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے فیض کی جو شعاعیں اٹھتی ہیں اور وہاں تک ان کے ساتھ اتصال ہوتا ہے، اور یہ برکات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے اس علم کے ذریعے

سے امت کے اندر تقسیم ہوتی رہتی ہیں اور یہ جو باطنی صورت ہے اتصال کی اصل کے اعتبار سے ہمارے ایمان کی محافظ یہی ہے۔

امت میں بے دینی کیوں پھیل رہی ہے؟

میں نے یہ بات کئی مقام پر نقل کی ہے، چونکہ پرانی بات تھی پھر مجھے کچھ اشتباہ ہوا تو میں نے دوبارہ اس کی تحقیق کر کے اس کو تازہ کرلیا، خیر المدارس سے جو ماہنامہ ''الخیر'' نکلتا ہے الخیر اس کے مدیر مولانا ازھر صاحب ہیں آج شاید یہاں تشریف فرما نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنے رسالے میں ایک سوال شائع کیا تھا، یہ آج سے کوئی اٹھارہ بیس سال پہلے کی بات ہے اور خطوط کے ذریعے سے بھی وقت کے علماء کے ساتھ جہاں جہاں انہوں نے مناسب سمجھا رابطہ کیا تھا کہ امت کے اندر عام طور پر دینی مذاق کمزور کیوں ہوتا جا رہا ہے اور بے دینی امت میں کیوں پھیلتی جا رہی ہے؟ اس کے اسباب کیا ہیں؟ اس کے اوپر اپنے اپنے خیال کے مطابق لکھیں؟۔

میرے پاس بھی خط آیا تھا لیکن مجھے تو چونکہ لکھنے کی عادت نہیں ہے اس لیے میں نے تو کوئی جواب نہیں لکھا، بعض اکابر علماء کی طرف سے اپنے اپنے خیال کے مطابق اس کے سبب بیان کیے گئے لیکن سب سے اچھا، سب سے واضح اور سب سے زیادہ سمجھ والی بات حضرت مولانا زاہد الحسینی صاحب اٹک والے جو حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے انہوں نے لکھی میرے خیال کے مطابق، تو میں نے دو چار جگہ اس کا ذکر کیا پھر پچھلے دنوں میں میری ملاقات مولانا ازھر صاحب سے ایک سٹیج پر ہوئی تو میں نے پھر ان سے پوچھا، میں نے کہا کہ میں یہ بات نقل کرتا رہتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے مغالطہ لگ گیا ہو اس لیے میں آپ سے دوبارہ اس کی تجدید کرواتا ہوں کیا کہ ایسی کوئی بات ہوئی تھی اور آپ نے یہ سوال اٹھایا تھا اور اس کے جوابات آئے تھے، انہوں نے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے انہوں نے تصدیق کردی۔

امت میں بے دینی پھیلنے کی وجہ:

مولانا زاہد الحسینی صاحب نے یہ لکھا تھا کہ میرے خیال کے مطابق بے دینی کی وجہ سرور کائنات ﷺ کے ساتھ امت کے تعلق کی کمزوری ہے، امت کا رابطہ اپنے نبی کے ساتھ کمزور ہوتا جارہا ہے اور یہ جو رابطے کی کمزوری ہے یہ سبب ہے امت کے اندر دین سے محرومی کا۔

حضور ﷺ سے تعلق کمزور کرنے والے طبقات:

اور پھر فرمایا کہ دو طبقے امت کے اندر ایسے ہیں جو سب سے زیادہ اس بے ربطی کا باعث بن رہے ہیں، اس میں دو طبقوں کا زیادہ دخل ہے، ایک منکرین حدیث اور دوسرے منکرین حیات، یہ دو طبقے ایسے ہیں جو امت کا ربط سرور کائنات ﷺ کے ساتھ کمزور کرنے کا ذریعہ بن رہے ہیں، اور ان دونوں کو آپ سمجھتے ہی ہیں۔

انکار حدیث اور انکار حیات کا نقصان:

منکرین حدیث تو وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمیں صرف قرآن کافی ہے، حدیث کا اعتبار کوئی نہیں، جب حدیث کا اعتبار چھوڑ دیں گے تو سرور کائنات ﷺ کے ساتھ ربط کی کونسی صورت رہ جائے گی؟ قرآن کریم تو ایک اجمالی متن ہے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر اتارا اور آپ کو معلم اور مبین بنایا **لتبین للناس مانزل الیھم** کا منصب حضور ﷺ کو دیا، اس میں تو اجمال ہی اجمال ہے، رسول اللہ ﷺ کی تبیین کا اعتبار اگر ہم نہیں کریں گے، حضور ﷺ کی وضاحت کا اعتبار اگر ہم نہیں کریں گے تو ہم قرآن سے بھی نہیں جڑ سکتے، تو جب رسول اللہ ﷺ کی باتوں پر اعتماد نہیں کریں گے تو اللہ کے رسول کے ساتھ بھی نہیں جڑ سکتے تو پھر بے دین نہیں ہوں گے تو اور کیا ہوں گے؟ ظاہری سبب تو اس کا بہت جلدی سامنے آنے والا ہے۔

اور دوسرا باطنی سبب جو ہے جس طرح سے میں نے عرض کیا کہ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اقدس سے شعاعیں پھوٹتی ہیں نور کی اور جہاں جہاں یہ علم حدیث کی خدمت کی جاتی ہے، پڑھی پڑھائی جاتی ہے وہاں تک ان شعاعوں کا ربط ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اقدس کا فیض پہنچ رہا ہے تو روضہ اقدس سے فیض جاری رہتا ہے امت کی طرف یہ ایک معنوی صورت ہے جو روحانیت کے ساتھ معلوم ہوتی ہے اور اس کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی حیات کے ساتھ ہے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا قول نہ کیا جائے (نعوذ باللہ) تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امت کا رابطہ رہنے کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔

شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کا کشف:

عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں، ان کے مکاشفات بہت مشہور ہیں، اور ان کے بارے میں مستقل ایک کتاب بھی ہے، انہوں نے یہ کہا ہے کہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں ایمان ہے وہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے شعاعوں کا رابطہ ہے اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شعاع کا تعلق ٹوٹ جائے وہ بے ایمان ہو جاتا ہے، اس کا ایمان ہی محفوظ نہیں رہتا۔

امت پر مدارس کے احسانات:

بہرحال مدارس کے احسان میں سے یہ ایک بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے امت کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جوڑ کر رکھا ہوا ہے یہ تو باطنی بات تھی، ظاہری صورت میں

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل و شباہت،
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصلت و عادات،

- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق،

- آپ ﷺ کا کردار،
- اور آپ ﷺ کی عبادت

جو کچھ بھی ہے وہ ایک ایک بات محفوظ رکھی ہے علماء نے، صحابہ نے، محدثین نے، آگے فقہاء نے، اور آج تک محفوظ چلی آرہی ہے، ہم سے اگر کوئی پوچھے کہ رسول اللہ ﷺ وضو کیسے کرتے تھے؟ تو اللہ کا شکر ہے کہ ہم بتا سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وضو یوں کرتے تھے، کوئی پوچھے کہ نماز کیسے پڑھتے تھے؟ تو ہم بتا سکتے ہیں کہ
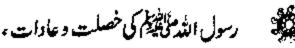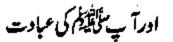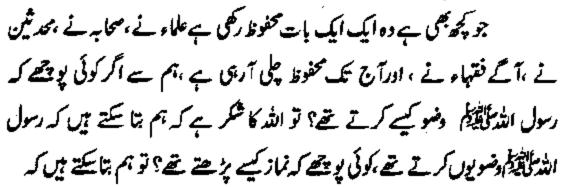
ظہر ایسے پڑھتے تھے،

عصر ایسے پڑھتے تھے،

مغرب ایسے پڑھتے تھے،

علمی طور پر رابطہ جو ہے حضور ﷺ کے ساتھ امت کا یہ انہی مدارس اور انہی پڑھنے پڑھانے والے لوگوں کی وساطت سے ہے کہ سارے کا سارا حضور ﷺ کا علم، حضور ﷺ کے اخلاق اور آپ کی عادات وہ بھی اسی طرح سے باقی چلی آرہی ہیں اور باطنی فیوض جو ہیں ان کا اتصال بھی اسی طرح سے چلا آرہا ہے تو یہ ظاہر اور باطن دونوں کا فیضان امت کیلئے ایمان کا باعث ہے اور امت کے اوپر یہ احسان مدارس کی طرف سے بہت ہی نمایاں ہے، اس لیے ان کا وجود اس امت کے اوپر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے تو ان کی قدر کرنی چاہیے، جہاں مدارس نہیں ہیں وہاں دین کے اعتبار سے آپ جانتے ہیں کہ حال اچھا نہیں ہے، اور جہاں مدارس ہیں اللہ کا شکر ہے کہ دینی اعتبار سے وہاں حالات بہت اچھے ہیں۔

اور امت کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جوڑ کی ایک ظاہری صورت یہ بھی ہے کہ "العلماء ورثة الانبیاء" علماء انبیاء کے وارث ہیں اور حضور ﷺ کی علمی وراثت جن لوگوں کی پاس ہے ان کے ساتھ بھی لوگوں کی ملاقات ان مدارس کے ذریعے ہوتی

ہے جیسا کہ واضح ہے، جب کوئی ایسا پروگرام ہوتا ہے دیکھو پورے ملک میں سے چیدہ چیدہ علماء، چیدہ چیدہ صلحاء یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں باطنی علم کے اعتبار سے یہ سارے کے سارے سامنے آجاتے ہیں، آپ کا ان حضرات کو دیکھنا اور چند لمحے ان کی صحبت میں بیٹھنا یہ بھی آپ کے لیے ایمان کی تازگی کا باعث ہے، اس کو معمولی نہ سمجھیں کسی اللہ والے کے چہرے کو دیکھ لیا جائے یہ بھی ایمان کی تازگی کا باعث ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت اور صحبت کی برکت:

اگر میں یہ بات ان اکابر کی موجودگی میں آپ کے سامنے اس انداز میں کہوں تو بھی میرے لیے گنجائش ہے کہ صرف دیکھنے کے ساتھ فیوض منتقل ہوتے ہیں، دیکھنے کے ساتھ بھی فیض منتقل ہوتا ہے، آنکھوں کے ذریعہ سے رابطہ ہوتا ہے، ہمارے ہاں صحابی کی تعریف کیا ہے؟ صحابی کسے کہتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی کسے کہتے ہیں؟" من رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم " جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی حالت میں دیکھا ہو اور ایمان پر اس کا خاتمہ ہوا ہو لیکن رایٰ دیکھا ہو، اس میں ایک کمی رہ گئی کہ یہ تعریف نابینا صحابی پر صادق نہیں آتی کیونکہ وہاں تو رایٰ نہیں ہے وہ تو نہیں دیکھتا اس لیے رایٰ کو بدل دیا صحبت کے ساتھ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھا ہو، اگر آنکھوں کے ساتھ نہیں دیکھا تو پاس عقیدت اور محبت سے بیٹھ گیا ایمان کی حالت میں اور خاتمہ بھی ایمان پر ہو اس کو صحابی کہتے ہیں، دیکھو اس کا دارومدار آنکھوں کے ساتھ دیکھنے پر ہے اور پاس بیٹھنے پر ہے، روایت شرط نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرے تو صحابی بنتا ہے، رویت شرط ہے رؤیت کے ساتھ صحابیت حاصل ہوتی ہے، یہ نہیں ضروری کہ وہ یوں کہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا آپ نے یوں فرمایا یہ کوئی نہیں ضروری صرف دیکھنے کے ساتھ یہ فضیلت حاصل ہوگئی کہ بعد میں آنے والی امت کے سارے ولی اللہ اکٹھے ہو جائیں تو اس شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتے جس نے ایمان اور عقیدت کے

ساتھ حضور ﷺ کو دیکھا ہو اور ایمان پر اس کا خاتمہ ہوا ہو تو اس کو جو منصب مل گیا کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا، تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ صحابیت کا دارومدار رؤیت پر ہے روایت پر نہیں ہے، روایت کا معنی ہوتا ہے کہ بات بھی نقل کریں کہ میں نے حضور ﷺ سے یہ سنا اور آپ ﷺ نے یہ فرمایا یہ ضروری نہیں صرف آپ ﷺ کے چہرہ اقدس پر ایمان اور عقیدت کے ساتھ نظر پڑ جائے اور ایمان پر خاتمہ ہو اس کو صحابی کہتے ہیں، ایک نظر کے ساتھ اتنی فضیلت حاصل ہوگئی، اس میں یہ قید یاد رکھنا کہ دیکھنا عقیدت و محبت کے ساتھ ایمان کی حالت میں ہو اگر ایمان کی حالت ساتھ نہ ہو تو ابوجہل نے ترپن (۵۳) سال تک آپ ﷺ کو بیداری میں دیکھا کیا حاصل کرلیا؟ محبت اور عقیدت ضروری ہے، ایمان کی حالت ضروری ہے، اس میں ایک دفعہ دیکھا ہوا ہو تو اتنی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے، اب وہ رسول اللہ ﷺ کی فضیلت تو اپنی جگہ رہی۔

اولیاء کی صحبت برکت:

اور آگے علماء، اولیاء، صلحاء، اپنے اپنے درجے کے مطابق ان کی صحبت اور ان کی رؤیت یہ بھی انسان کے اندر اسی طرح سے خیر و برکت پیدا کرتی ہے اپنے اپنے درجے کے مطابق، وہ درجہ تو نہیں حاصل ہوسکتا جو نبی کے چہرہ اقدس پر نظر ڈالنے کا ہے لیکن اولیاء اللہ کو دیکھنا، ان کی صحبت میں بیٹھنا اس کی برکات بھی یقیناً ہیں اور عام طور پر آپ سنتے رہتے ہیں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے

یك زمانه صحبت با اولیاء — بهتر از صدساله طاعت بے ریاء

اولیاء اللہ کی صحبت میں ایک ساعت بیٹھنا یہ بھی کبھی سو سالہ عبادت سے بہتر ہوتا ہے لیکن بقول حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس سے ہر ساعت مراد نہیں بلکہ اس ساعت سے وہ ساعت مراد ہے کہ جس میں انسان کو ان کی صحبت میں بیٹھ کر کوئی ہدایت کی بات حاصل ہو جائے، کوئی دین کا اصول سمجھ میں آجائے جس کے

ساتھ انسان اپنے دل میں اس کو راسخ کر لے وہ ایک ساعت بسا اوقات سو سال کی عبادت کے مقابلہ میں افضل ہے، جس میں یہ ترغیب دینا مقصود ہے کہ بیٹھو تو کچھ حاصل کرنے کیلئے بیٹھو، عقیدت کے ساتھ بیٹھو تا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے دل میں کوئی فیض آئے

حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کی برکت کا سچا واقعہ:

اس کو سمجھانے کیلئے میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں، یہ مصنوعی مثال نہیں ہے، واقعہ ہے، ہمارے گاؤں کے ایک نوجوان تھے، ہندوستان میں جو ہمارا گاؤں تھا سلیم پور ضلع لدھیانہ، اس میں ہمارے محلے میں گھر کے پاس ہی دوسرا گھر تھا، پاکستان بننے کے بعد جب میں قاسم العلوم میں مدرس تھا تو اتفاقاً وہ آئے، رہائش ان کی وہاڑی کے علاقہ میں تھی تو مجھے ملنے کیلئے مدرسہ میں آگئے، عبدالرشید ان کا نام تھا، میں نے پوچھا عبدالرشید کیا حال ہے؟ کہنے لگے کہ حال الحمدللہ بہت اچھا ہے، کہنے لگا کہ میں محکمہ انہار میں افسر تھا، ایک دن اتفاقاً حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کے جلسے کی خبر سنی تو میں جلسہ سننے کیلئے چلا گیا، آپ میں سے پرانے حضرات نے حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہوگا، بہت اللہ والے شخص تھے، بڑی مجذوبانہ تقریر ان کی ہوتی تھی، تو ان کی تقریر میں یہ بات آگئی کہ رشوت حرام ہے اور رشوت نہیں لینی چاہیے، رشوت کی مذمت کی اور پھر کہا کہ اس مجمع کے اندر اگر کوئی سرکاری افسر موجود ہے تو وہ ہاتھ اٹھا کر میرے ساتھ عہد کرے کہ میں آئندہ کیلئے رشوت نہیں لوں گا، مسجد میں بیٹھے ہیں ہاتھ اٹھا کر میرے ساتھ عہد کرلے کہ میں رشوت نہیں لوں گا، کہتے ہیں کہ ان عہد کرنے والوں میں میں بھی شامل تھا جب میں شامل تھا تو میں نے پختہ عزم کر لیا کہ رشوت نہیں لینی، کہتے ہیں یہ ایک مسئلہ حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کا اٹھائے پھر رہا ہوں یہی ایک مسئلہ چین نہیں لینے دیتا، جہاں جاتا ہوں اوپر والے افسر کہتے ہیں کہ مال اکٹھا کر کے

دوں اور میں نے عہد کیا ہوا کہ رشوت نہیں لینی، جب رشوت نہیں لینی تو ان کو اکٹھا کر کے کیسے دوں؟ جہاں جاتا ہوں وہاں سے دھکا دے کر کسی اور طرف بھیج دیتے ہیں، یہ ایک مسئلہ نکلنے نہیں دے رہا، نہ رشوت لیتا ہوں نہ دوسرے کو پہنچاتا ہوں اس لیے وہ نکلنے نہیں دیتا، میں نے کہا یہ ہے ایک ساعت جو سو سال کی عبادت سے افضل ہے۔

آپ سو سال عبادت کریں ساتھ رشوت بھی کھاتے رہیں، یہ ہمارے پاس بہت بڑے مفتی بیٹھے ہیں مفتی عبداللہ صاحب خیر المدارس والے ان سے پوچھو وہ عبادت کسی کام کی ہے جو رشوت کھا کر اپنا پیٹ بھر کر کی جائے؟ وہ عبادت کسی کام کی ہے تو پھر وہ ایک ساعت جو ہے وہ سو سال کی عبادت کے مقابلہ میں افضل نہ ہوئی۔

ایک ساعت میں جو مسئلہ سیکھ لیا، حرام کھانے والا آدمی رشوت جو لیتا ہے یہ پرایا حق ہے اور وہ مقروض ہے اس شخص کا جس سے اس نے رشوت لی ہے اور یہ حقوق العباد کا مسئلہ ہے جو کچھ وہ کرلے قیامت والے دن سارا لٹ جائے گا اور وہ لوگ لے جائیں گے اس کی نیکیاں جن سے اس نے رشوت لی تھی، کھائی تھی، حرام کھایا تھا وہ سب اس کی لوٹ کر لے جائیں گے اس کے پلے کچھ نہیں رہے گا جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے، تو ایسی کوئی ساعت جس میں بیٹھ کر انسان کو کوئی نکتہ سمجھ میں آجائے، کوئی اصول ہاتھ میں آجائے جس کے ساتھ انسان کی زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے وہ ایک ساعت سو سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

بنی اسرئیل کے دو آدمیوں کا واقعہ:

حدیث شریف میں دو اسرائیلیوں کا واقعہ آتا ہے، ایک عام گناہ گار سا تھا اور ایک ماشاء اللہ بہت بڑا صوفی تھا، اور وہ صوفی جو تھا وہ اس زعم میں مبتلا تھا کہ میں بہت نیک ہوں اور گناہ گار جو تھا وہ ہمیشہ یہ خیال کرتا تھا کہ میں تو گناہ گار ہوں اللہ کی رحمت ہوئی تو بخشا جاؤں گا اور وہ صوفی ہر وقت اس پر زبان درازی کرتا، ایک دفعہ اس صوفی

نے اس آدمی کو کسی گناہ کے اندر مبتلاء دیکھ لیا اور کہنے لگا اللہ کی قسم تجھے اللہ نہیں بخشے گا صوفی نے قسم کھالی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ دونوں کی وفات ہوگئی، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اس گناہ گار سے کہا کہ تو گناہ کرتا تھا لیکن مجھ سے ڈرتا تھا اور اپنے آپ کو گناہ گار سمجھتا تھا تیری کمزوری تھی کہ تو گناہ چھوڑتا نہیں، تھا تو چھوڑنا چاہتا تھا لیکن تو اس کمزوری کی بناء پر چھوڑ نہیں سکتا تھا اور تو کہتا تھا کہ اللہ کی رحمت ہوگی تو بخشا جاؤں گا آج میں تجھے اپنی رحمت سے بخشتا ہوں۔

صوفی صاحب سے کہا کہ تجھے کس نے حق دیا تھا کہ میری رحمت پر پابندی لگائے کہ میں اس کو بخشوں گا نہیں، تجھے یہ حق کس نے دیا تھا؟ فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کو گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دو، اب یہ جو جذبہ ہے تکبر کا، بڑائی کا اب اس کے ساتھ عبادت کرتے رہو جتنی چاہے کرلو لیکن جب علیحدہ علیحدہ تمہارے دل کے اندر تکبر ہے تمہارے دل کے اندر عجب ہے اور اپنی شان وشوکت کا ایک ولولہ ہے تو یہ حضرات بیٹھے ہیں تزکیہ والے صوفی صاحبان سارے کے سارے جن کے ہاں دل ہی زیر بحث آتا ہے تو کیا ایسے جذبات کے تحت ظاہری عبادت کسی کام کی ہے؟ اور یہ کام کی تب بنے گی، آپ کے کام تب آئے گی جس وقت کہ اندر کے حالات ٹھیک ہوجائیں اور وہ اندر کے حالات ٹھیک جو ہوا کرتے ہیں وہ اولیاء اللہ کی صحبت سے اور ان کے ساتھ تعلق سے ہوا کرتے ہیں۔

دل دلائل سے نہیں، دلوں سے بدلتے ہیں:

سنتے رہتے ہیں آپ، میں بھی اکثر کہتا رہتا ہوں کہ دل جو ہیں دلائل سے نہیں بدلا کرتے، یاد رکھیے اس بات کو کہ دل دلائل سے نہیں بدلا کرتے، دل دلوں سے بدلا کرتے ہیں، اگر دلائل کے ساتھ بدلتے تو نبی کے سامنے کوئی کافر کافر کیسے رہتا؟ نبی جیسی دلیل کوئی دے سکتا ہے؟ انبیاء علیہم السلام کے ہاں دلائل کی کمی تھی اور

انبیاء علیہم السلام کے دلائل کے جواب کس کے پاس تھے؟ کوئی جواب دے سکتا ہے (نہیں) جس وقت تک دل کے ساتھ دل نہ جوڑو اس وقت تک دل میں تبدیلی نہیں آتی تو دل دلوں سے بدلا کرتے ہیں، دل دلیلوں سے نہیں بدلا کرتے، اور وہ ساعت ایسی ہو جو دل میں تبدیلی لے آئے۔

اندر کے چوہے مارو گے تو غلہ محفوظ رہے گا:

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال بڑی شاندار دی ہے اس بات کو سمجھانے کیلئے وہ بھی عرض کرتا ہوں ایسے ذہن میں آ گئی، مثال کے طور پر ہے اور اگر واقعہ بھی ہو تو بڑی بات نہیں ہے، پرانے زمانے میں مکانات سادے ہوا کرتے تھے، ہم نے بھی دیکھے ہیں دیہاتوں میں ہوتے تھے تو چھت کے اندر ایک مورا (سوراخ) رکھ لیتے تھے جس کو ہمارے ہاں موگا کہتے تھے چھت کے اوپر غلہ دھوپ میں ڈالتے مکئی وغیرہ اس کو اٹھا کر اس سوراخ سے نیچے گرا دیا کرتے تھے، آگے پیچھے اس کے کوئی برتن رکھ کر بند رکھتے تا کہ بارش کا پانی نہ آئے۔

ایک آدمی نے ایک مکان خاص کرلیا کہ میں غلہ لا کر اس میں ڈال کر غلہ کا ذخیرہ کروں گا وہ جو غلہ لاتا دروازہ نہیں کھولتا تھا اس اوپر والے سوراخ سے اس کو اندر گرا دیتا، اور اتفاق ایسا ہوا کہ وہاں کمرے میں بہت سارے چوہے پیدا ہو گئے اب وہ غلہ لاتا ہے ڈال دیتا ہے، غلہ لاتا ہے ڈال دیتا ہے، غلہ لاتا ہے اور ڈال دیتا ہے، بڑا خوش تھا کہ میں نے اتنا سارا غلہ جمع کرلیا لیکن جب ضرورت پیش آئی اور دروازہ کھول کر دیکھا تو سوائے چوہے کی مینگنیوں کے وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

مولانا فرماتے ہیں یہی خیال کرو تم سمجھتے ہو کہ ہم نفل پڑھ کر ذخیرہ کر رہے ہیں، تم سمجھتے ہو کہ ہم تلاوت کر کے ذخیرہ کر رہے ہیں اگر اندر چوہے ہیں تو سارا کچھ کھا جائیں گے سوائے مینگنیوں کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، پہلے اندر کے چوہے مار لو جب
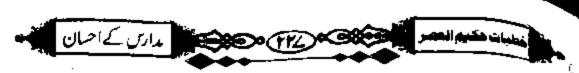
اندر کے چوہے مارو گے تو غلہ محفوظ رہے گا ورنہ جو کچھ ڈالتے جاؤ گے چوہے کھا جائیں گے، اخلاق جو قلب کے اندر برے ہیں،

- تکبر ہے،
- حسد ہے،
- عجب ہے،
- حب دنیا ہے،
- اللہ کے ذکر سے غفلت ہے،

اخلاق رذیلہ یہ ختم تبھی ہوتے ہیں جب انسان کسی اہل دل کے ساتھ اپنے دل کو جوڑتا ہے، عقیدت اور محبت کے ساتھ صحبت اختیار کرتا ہے تو ایسی ساعت جس میں دل کی صفائی انسان کو حاصل ہوجائے وہ ساعت سو سالہ عبادت کے مقابلہ میں افضل ہے، ورنہ تکبر دل میں موجود ہو تو تکبر کا ایک بول زندگی بھر کی نیکیوں کو تباہ کر دیتا ہے ،حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جس طرح سے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے ذخیرے کے ذخیرے ختم ہو جاتے ہیں۔

مدارس کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کرو:

بہر حال عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اولیاء اللہ کے ساتھ تعلق ،علماء کے ساتھ تعلق ظاہری شریعت سیکھنے کیلئے اور اس شریعت کو اپنانے کیلئے دل کی اصلاح، اولیاء اللہ کے ساتھ تعلق کے ساتھ یہ سارے کا سارا رابطہ اگر قائم ہوتا ہے تو اسی قرآن اور حدیث کے ذریعے سے ہوتا ہے اور قرآن اور حدیث کو آگے پھیلانے والے، امت میں پہنچانے والے یہی مدارس ہیں کہ جن کے ساتھ انسان کو ظاہری اور باطنی طہارت حاصل ہوتی ہے یہ مدارس اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں، اس کے بغیر دین حاصل کرنے کا

کوئی طریقہ نہیں ہے، اپنے ایمان کی حفاظت چاہتے ہوتو ان سے رابطہ رکھواور ان سے اپنے تعلق کو مضبوط کرو۔

خطرناک تحریک:

اور آج ایک تحریک چلی ہوئی ہے، ویسے تو ساری دنیا میں ہے لیکن باقی دنیا میں اتنی نمایاں نہیں جتنی نمایاں پاکستان میں ہے، یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ

- علماء کا استہزاء کیا جارہا ہے،
- علما کا مذاق اُڑایا جارہا ہے،
- علماء کی تحقیر کی جارہی ہے،

اور عوام الناس کو علماء سے توڑنے کی کوشش کی جارہی ہے،

اور یہ بہت بڑی تحریک ہے، باقی دنیا میں بھی ہوگی لیکن جتنی پاکستان میں ہے شاید کسی اور خطے میں نہ ہو، لیکن یاد رکھیے یہ بہت خطرناک تحریک ہے اور جو شخص اس کی زد میں آ گیا تو اس کا ایمان محفوظ رہنا بہت مشکل ہے، اس کا ایمان محفوظ نہیں رہ سکتا، اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

علماء واولیاء اللہ کے استہزاء کا انجام:

قرآن کریم میں سورۃ المومنون کے آخری رکوع میں ذکر ہے کہ جہنمی اللہ کو پکاریں گے "ربنا غلبت علینا شقوتنا" اے اللہ! ہم پر ہماری بدنصیبی غالب آ گئی، ایک دفعہ ہمیں جہنم سے نکال دے، اگر ہم نے پھر ایسی غلطی کی تو پھر واقعی ہم قصور وار ہیں، ایک دفعہ ہمیں نکال دے، ہم پر ہماری بدنصیبی غالب آ گئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ہے "اخسئوا فیھا ولاتکلمون" دفع ہوجاؤ، پڑے رہو جہنم میں، مجھ سے بات نہ کرو، اندازہ کیجئے رحمٰن اور رحیم کی طرف سے کتنا غصہ کا اظہار ہے

"اخسئوا فیھا" اخسئوا کہتے ہیں دفعہ ہوجاؤ، کتے کو دھتکارنا ہو تو کہتے ہیں "اخسئا" دفع ہو جا"اخسئو افیھا " دفع ہو جاؤ،جہنم میں پڑے رہو"لاتکلمون" مجھ سے بات نہ کرو، اب یہ رحمٰن و رحیم کی طرف سے اتنا غصہ کا اظہار ہے کہ بات نہ کرو مجھ سے، بات سننے کیلئے تیار نہیں،

- اس کی وجہ کفر بھی ہوسکتی ہے،
- اس کی وجہ شرک بھی ہوسکتی ہے،
- اس کی وجہ قتل بھی ہوسکتا ہے،
- اس کی وجہ اور بدمعاشیاں بھی ہوسکتی ہیں،

جو بدبختی انسان کرتے ہیں جس کو آج کہہ رہے ہیں کہ بدبختی ہم پر غالب آگئی مختلف وجوہات ہوسکتی ہیں،لیکن یہاں کوئی وجہ بیان نہیں کی

- نہ کفر،
- نہ شرک،
- نہ قتل،
- نہ زنا،
- نہ بدمعاشی،

اپنی اس ناراضگی اور غصے کی وجہ یہاں کوئی ذکر نہیں کی کہ

- تم کافر ہو اس لیے دفع ہو جاؤ،
- تم شرک کرتے ہو اس لیے دفع ہو جاؤ،
- تم ظالم تھے،
- تم قاتل تھے،
- تم زانی تھے،

- تم شرابی تھے،

اس لیے میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا، ساری وجوہات ہوسکتی ہیں اللہ کی ناراضگی کی لیکن اس جگہ ان وجوہ میں سے کوئی وجہ ذکر نہیں کی گئی۔

یہاں غصہ کیوں چڑھا ہوا ہے؟ یہاں غصے کی وجہ کیا بیان فرمائی "انه كان فريق من عبادی" میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو میرے سامنے رویا کرتا تھا یااللہ! ہم پر رحم فرما، یااللہ! ہمیں بخش دے، وہ میرے سامنے دعائیں کرتے تھے (میں حافظ نہیں ہوں اس لیے قرآن کریم کی آیت نہیں پڑھ سکتا) "انه كان فريق من عبادی يقولون ربنا اغفرلنا" وہ کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہمیں بخش دے، ہماری مغفرت کردے، وہ گروہ تھا "فاتخذتموهم سخريا" تم نے ان کا مذاق اُڑایا "و كنتم منهم تضحكون" تم ان پر ہنسا کرتے تھے، اور تم ان کا مذاق اُڑایا کرتے تھے، تمسخر کرتے تھے، ان سے استہزاء کرتے تھے، میرے بندوں کے ساتھ جو مجھ سے مغفرت مانگتے تھے، مجھ سے رحمت مانگتے تھے، یہ مومن لوگ جو اللہ سے دعا کرتے ہیں یہی صوفی بندے تم نے ان کا مذاق اُڑایا، تم نے ان سے استہزاء کیا، تم ان پر ہنسے، آج مجھ سے بات کرتے ہو؟ بہت وجوہ ہوسکتی ہیں لیکن یہاں اس کے سوا کوئی وجہ بیان نہیں کی۔

اللہ کی ناراضگی کی وجوہ بہت ساری ہوسکتی ہیں

- کفر ہوسکتا ہے،
- شرک ہوسکتا ہے،
- قتل ہوسکتا ہے،
- زنا ہوسکتا ہے،
- شراب نوشی ہوسکتی ہے،
- ظلم ہوسکتا ہے،

لیکن یہاں کوئی وجہ نہیں بیان کی جو اللہ تعالیٰ غصے میں آ کر کہتا ہے ”لا تکلمون“ مجھ سے بات نہ کرو، کیوں بات نہ کریں؟ میرے بندوں کا تم نے مذاق اُڑایا تھا، میرے بندوں پر تم ہنسا کرتے تھے جو بندے میرے سامنے کہتے تھے کہ یا اللہ! مجھے معاف کر دے، ہماری مغفرت فرما تم نے ان کا مذاق اڑایا، تم نے اُن کا استہزاء کیا ،میرے تم کیا لگتے ہو؟ بات نہ کرو مجھ سے ،اس آیت کو کم از کم اپنے ذہن کے اندر موجود رکھو پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ مولوی کا مذاق اُڑانے سے ،صوفی کا مذاق اُڑانے سے اللہ کی ناراضگی کتنی آتی ہے۔

علماء واولیاء کی گستاخی کا انجام:

اور یہ بات تو مشہور ہے ہی ”من عادیٰ لی ولیاً فقدآذنتہ بالحرب“ جو میرے کسی ولی کے ساتھ عداوت رکھے میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے ،یہ بات بھی سمجھا دوں آپ کو آج کے وقت کے اعتبار سے بہت ضروری ہے ،جمیعت علماء اسلام جس وقت یہ شروع ہوئی ہے، اس کی نشاۃ ثانیہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو امیر بنایا گیا اور فوارہ چوک ملتان میں اجلاس تھا باران خان کی کوٹھی میں، اسی موقع پر سالانہ جلسہ تھا قاسم العلوم کا ،میری اور ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی دستار بندی وہیں ہوئی ہے، لانگے خان کے باغ میں جلسہ تھا لیکن جماعت بنانے کی میٹنگ یہ باران خان کی کوٹھی پر تھی، تو اس کے بعد رسالہ نکالا گیا تھا ”ترجمان الاسلام“ کے نام سے ،اب تو میرا خیال ہے کہ اس نام سے رسالہ نہیں آتا ،جمیعت علماء اسلام کا رسالہ تھا ”ترجمان الاسلام“ اس میں یہ واقعہ چھپا تھا اور اس وقت اس کے مدیر ہوتے تھے مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ ،مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ مجھے یہ بات سنائی مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اشرفیہ والوں نے ،میں آپ کے سامنے پوری سند بیان کر رہا ہوں چونکہ حدیث کی مجلس میں بیٹھا ہوں تو اس میں سند کی بحث ہوتی ہے، لاہور میں ایک اہل

حدیث خاندان تھا عبد الجبار غزنوی کا اور ابو داؤد غزنوی جو بہت بڑے سیاسی لیڈر تھے ان کے خاندان سے تھے متعصب نہیں تھے ائمہ کا احترام کرتے تھے اگرچہ ان کا مسلک تھا اہل حدیث، مفتی حسن صاحب کہتے ہیں کہ میں مولانا عبد الجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا ان کے پاس ایک جذباتی سا نوجوان آیا اور آ کر مولانا کے سامنے بیٹھ کر اس نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بد تمیزی سے نام لے کر کوئی اعتراض کیا، جس طرح عادت ہے جذباتی نوجوان کرتے ہیں، جذباتی طور پر بد تمیزی کے ساتھ نام لے کر کوئی تذکرہ کیا، مولانا عبد الجبار صاحب نے اسے دھتکار دیا فرمایا دفع ہو جا مجھے تجھ سے بے ایمانی کی بو آتی ہے اپنی مجلس سے نکال دیا۔

کہتے ہیں کہ چند دن کے بعد وہ مرزائی ہو گیا، چند دن گزرے تھے کہ وہ مرزائی ہو گیا، تو مولانا عبد الجبار صاحب سے کسی نے کہا کہ آپ نے جس کو کہا تھا کہ مجھے تجھ سے بے ایمانی کی بو آتی ہے وہ تو بے ایمان ہو گیا، آپ نے کیسے محسوس کر لیا؟ اس کا ایمان تو سلب ہو گیا تو مولانا کہنے لگے جس وقت اس نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں گستاخی کی تو فوراً یہ دو تین باتیں میرے ذہن میں آئیں کیونکہ میں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ کا بہت بڑا ولی مانتا ہوں اور حدیث میں آتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو میرے ولی کے ساتھ عداوت کرے میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔

دفعۃً یہ باتیں میرے ذہن میں آئیں اور جب کسی کے خلاف جنگ کا اعلان کیا جائے تو اپنے دشمن کی قیمتی سے قیمتی چیز کو انسان نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے جب یہ جنگیں ہوتی ہیں تو دوسرے کی قیمتی سے قیمتی چیز کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے، پل توڑے جاتے ہیں، بجلی گھر تباہ کیے جاتے ہیں، اور اس طرح کی چیزیں ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی چیز ایمان ہے تو اللہ جب کسی کے خلاف اعلان جنگ کرے گا تو اس کا پہلے ایمان سلب کریگا، کہتے ہیں کہ دفعۃً میرے

ذہن میں یہ باتیں آئیں جس سے میں نے محسوس کیا کہ یہ شخص ایمان سے محروم ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چند دنوں کے بعد ایمان سے محروم ہوگیا۔

گستاخی کا یہ انجام ہوا کرتا ہے، اولیاء اللہ کے ساتھ عداوت رکھنے کا یہ انجام ہوتا ہے اس لیے اولیاء کی شان میں گستاخی، علماء کے ساتھ استہزاء اوران کی باتوں کا مذاق اُڑانا، ملاں اور مولوی کا میں آپ کو اس فتنے سے ڈراتا ہوں۔

علماء سے تعلق ایمان کی حفاظت کا ذریعہ ہے:

آج کل یہ فتنہ بہت ہے، آپ کا ٹی وی اور آپ کا دوسرا لٹریچر یہ فرض ادا کر رہا ہے تا کہ عوام کا رابطہ علماء، صلحاء کے ساتھ توڑ دیا جائے تو جب علماء اور صلحاء سے ان کا رابطہ توڑ دیا جائے گا تو پھر شیطان کیلئے ان کا شکار کرنا بہت آسان ہو جائے گا، آج کل اس کے اوپر پوری قوت صرف ہو رہی ہے تو میں آپ سب حضرات کو نصیحت کرتا ہوں اس بات کی کہ اس کا خیال کریں، اس تحریک کی زد میں نہ آئیں، اولیاء علماء کے ساتھ اپنے رابطے کو مضبوط رکھیں، اور یہ مدارس جو ہیں وہ اسی رابطے کو مضبوط رکھنے کا ذریعہ بنتے ہیں، بات یہاں سے چلی تھی جو میں آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں تو ایمان محفوظ رکھنے کا ذریعہ یہی ہے کہ،

- مدارس سے اپنا تعلق رکھو،
- علماء سے اپنا تعلق رکھو،
- صلحاء سے تعلق رکھو،

اس کے بغیر ایمان نہیں بچ سکتا، خاص طور پر ان فتنوں کے دور میں، بہر حال یہ ایک ضمنی بات آگئی تھی مدارس کی اہمیت کو بیان کرنے کیلئے۔

حضور ﷺ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ حدیث ہے:

باقی حدیث کے ساتھ حضور ﷺ سے رابطہ جتنا ہوتا ہے وہ تو بہت ہی واضح ہے مختصر کرتا ہوں لیکن اب بات لمبی ہوگئی اتنی ہمت بھی نہیں ہو رہی۔

کلام جو ہوا کرتی ہے وہ متکلم کو اچھی طرح سے سمجھنے کا ذریعہ ہوتی ہے، اللہ کا قرب حاصل کرنے کا سب سے اچھا ذریعہ قرآن کریم ہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ حدیث شریف ہے، جتنا اس کے ساتھ رابطہ مضبوط ہوگا اتنا اللہ کے رسول کے ساتھ رابطہ مضبوط ہوگا، جتنا قرآن کریم سے رابطہ مضبوط ہوگا اتنا اللہ سے رابطہ مضبوط ہوگا۔

تتمہ:

یہ دو چار جملے میں نے آپ کے سامنے بطور نصیحت کے کہے ہیں اور عبارت حدیث کی طالب علم نے بھی پڑھی اور میں نے بھی پڑھی اور اس کے ساتھ بخاری شریف کا خاتمہ ہوگیا، صحیح البخاری ختم ہوگئی کیونکہ جو فضیلت ہے وہ تو الفاظ کے پڑھنے کی ہے اوپر والی تقریر تو ہماری ہوتی ہے اس کا بخاری سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، تو میرے بزرگ ایک تشریف لائے ہوئے ہیں مولانا منظور احمد صاحب نعمانی دامت برکاتہم، میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ اتنی سا خانہ پوری میں کردوں گا، عبارت میں پڑھ دوں گا اور ختم کا عنوان جو ہے وہ قائم ہوجائے گا۔

باقی اس روایت کی یا اس بات کی ترجمانی یا اس کی وضاحت وہ آپ نے کرنی ہے اس لیے میں ان کی خدمت میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ تشریف لے آئیں اور دس پندرہ منٹ میں اس بات کی تھوڑی سے وضاحت کردیں، میں نے بطور نصیحت کے دو چار باتیں کرنی تھیں وہ کرلیں اور لفظوں کے پڑھنے کے ساتھ بخاری کا اختتام ہوگیا، اب وضاحت صرف ترجمۃ الباب کی اور اس روایت کی دس پندرہ منٹ میں حضرت مولانا منظور احمد صاحب نعمانی فرمادیں گے، حضرت تشریف لے آیئے ان کی باتیں ذرا آپ توجہ سے سنیں گے۔

اصل میں میری طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی، میں آج اپنے آپ میں ہمت نہیں پا رہا تھا کہ میں کچھ کہہ سکوں گا لیکن آپ حضرات کو دیکھ کر آپ کی توجہ سے ،ان اکابر کی توجہ سے یہ کوئی دس پندرہ منٹ میں نے آپ سے گفتگو کر لی اللہ تعالیٰ اس کو میرے لیے اور آپ کیلئے باعث برکت بنائے ،باقی طلباء کیلئے اور اس حدیث کی وضاحت کیلئے حضرت تشریف فرما ہیں وہ اس کا تتمہ بیان کریں گے۔

(آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

پاکستان کا مستقبل
علماء سے وابستہ ہے

بموقع: اسلام زندہ باد کانفرنس

بمقام: بہاولپور

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّىْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّىْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّىْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

حدیث مبارکہ کا ترجمہ:

سرور کائنات ﷺ کا فرمان ہے کہ انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھے گا، اور آپ ﷺ کا یہ فرمان ایک شخص کے سوال کے جواب میں ہے، ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے قیامت کے لئے کیا تیار کر رکھا ہے جو تجھے شوق چڑھا ہوا ہے قیامت کا، کیا تیار کر رکھا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ اور تو کچھ تیار کیا ہوا نہیں ہے لیکن مجھے اللہ والوں کے ساتھ ابوبکرؓ وعمرؓ کے ساتھ محبت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''المرء مع من احب'' انسان اُسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کو محبت ہوگی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول آتا ہے کہ اس لفظ کو سننے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلمان ہونے کے بعد کسی بات پر اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی اس بات پر خوشی ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو محبت تھی تو آخرت میں اسی محبت کے صدقے آپ ﷺ کی معیت نصیب ہوگی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت خوشی ہوئی۔

اپنے درجے کے اعتبار سے میں اس بات کا اظہار کرتا ہوں کہ قدرتی طور پر جب سے ہوش سنبھالا ہے علماء حق کے ساتھ تعلق ہے، زندگی کا اکثر حصہ بلکہ یوں سمجھو کہ کل زندگی انہی کی رفاقت میں، انہی کی محبت میں گزری ہے، اور جو چند روز باقی ہیں اللہ تعالیٰ انہی کی رفاقت میں گزارنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

مولانا رشید لدھیانوی اور ان کے خاندان کا ذکر:

مولانا رشید احمد صاحب لدھیانوی جو بیٹھے ہیں، ملک کے تقسیم ہونے سے پہلے جو الیکشن تھا انہی کے خاندان میں سے ہی ان کے بڑوں میں مفتی نعیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے مولانا ضیاء الحسن سب سے پہلے یہ اُس الیکشن میں ہمارے علاقے میں کھڑے ہوئے ضلع لدھیانہ میں جمعیۃ علماء ہند اور جمعیۃ علماء

احرار کی نمائندگی کے طور پر، تو وہ وقت مجھے اچھی طرح سے یاد ہے، میں اس وقت تقریباً چودھویں سال میں تھا، آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا، ان کے جب جلسے ہوتے تھے اور ان کے جلوس نکلتے تھے ہم نے، اس وقت آج کل کے نوجوانوں کی طرح جلوس بھی نکالے، نعرے بھی لگائے اس وقت بھی ہم انہی کی قیادت کے اندر ہی سارے کا سارا کام کرتے تھے۔

آج اسی خاندان کا یہ فرد مولانا رشید احمد صاحب لدھیانوی زندگی کے آخری حصے میں یہ پھر ہمارے حصے میں آگئے، تو جیسے ابتداء اسی خاندان کی قیادت پر اعتماد کے ساتھ تھی، پنجاب کی سطح پر الحمدللہ مولانا رشید احمد صاحب لدھیانوی کی قیادت پر پوری طرح سے اعتماد بھی کرتا ہوں اور ان کی رفاقت کو اپنے لئے سعادت بھی سمجھتا ہوں۔

پاکستان بننے کے بعد جس وقت جمعیۃ علماء اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہوئی ہے وہی اجلاس جس میں مولانا احمد علی لاہوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں یہ جمعیۃ متحرک ہوئی اسی اجلاس میں میری دستار بندی ہوئی تھی اور میں اس سے پچھلے سال دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوا تھا، حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت درخواستی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات علماء کرام کی جتنی بھی قیادت تھی آج تک الحمدللہ ان سب کے ساتھ مل کر ان کے کہنے کے مطابق اس جدوجہد میں حصہ لیتے رہے۔

جمعیت علماء اسلام سے وابستگی:

آج اسی جماعت کا تسلسل ہے میرے استاذ مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا فضل الرحمن صاحب ان سے ہمارا بہت قدیم تعلق ہے اور اگر یہ بات کہہ دوں تو آپ حضرات بھی تعجب کریں گے کہ مولانا فضل الرحمن صاحب اس سال پیدا ہوئے جس سال میں مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مشکوۃ

پڑھتا تھا، اور ان کی پیدائش کی خوشی میں مفتی صاحب رحمۃ اللہ نے جو خوبانیاں تقسیم کی تھیں وہ بھی میں نے کھائی ہیں، اس وقت سے رابطہ چلا آ رہا ہے۔

تو اللہ کا شکر ہے کہ آج میں سمجھتا ہوں کہ اکابر کی جماعت کا وہی تسلسل ہمارے سامنے ہے، دیکھ کر خوشی ہورہی ہے، یہ علیحدہ بات ہے کہ اب عمر اسی (۸۰) سال کی ہوگئی اور بڑھاپا بھی ہے، بیماریاں بھی ہیں اب زیادہ بھاگ دوڑ اور آنا جانا میرے لئے مشکل ہے اس لئے صرف اپنی حاضری لگوانے کیلئے حاضر ہوگیا تھا۔

علماء پاکستان کو بہتر مستقبل دے سکتے ہیں:

میں خوشی کا اظہار کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو کامیاب کرے اور یہ قوم کی خوش قسمتی ہوگی کہ اگر اقتدار اس ملک کا اہلِ علم، علماء، صلحاء اور اولیاء اللہ کے ہاتھ آجائے، ورنہ پینسٹھ (۶۵) سال سے آپ جن لوگوں کو آزماتے ہوئے آئے ہیں اگر قوم نے آئندہ بھی انہی پر اعتماد کرنا ہے تو جو حالات

- برائی کی طرف،
- گمراہی کی طرف،
- اور بربادی کی طرف

تسلسل کے ساتھ جارہے ہیں ان میں اضافہ ہی ہوگا۔

پھر کسی قسم کی کمی کی کوئی امید نہ رکھیے، اگر بھلائی قسمت میں ہے اس ملک کی اور اس قوم کی تو اللہ ان کو عقل دے اور یہ علماء کی قیادت پر اعتماد کریں تو ان شاء اللہ العزیز پھر ملک میں اچھا انقلاب آسکتا ہے، میری ہمدردیاں، میری دعائیں سب ان قائدین کے ساتھ ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی رفاقت میں ہی دنیا میں رکھے اور ان کی رفاقت میں ہی اللہ تعالیٰ آخرت میں رکھے (آمین)
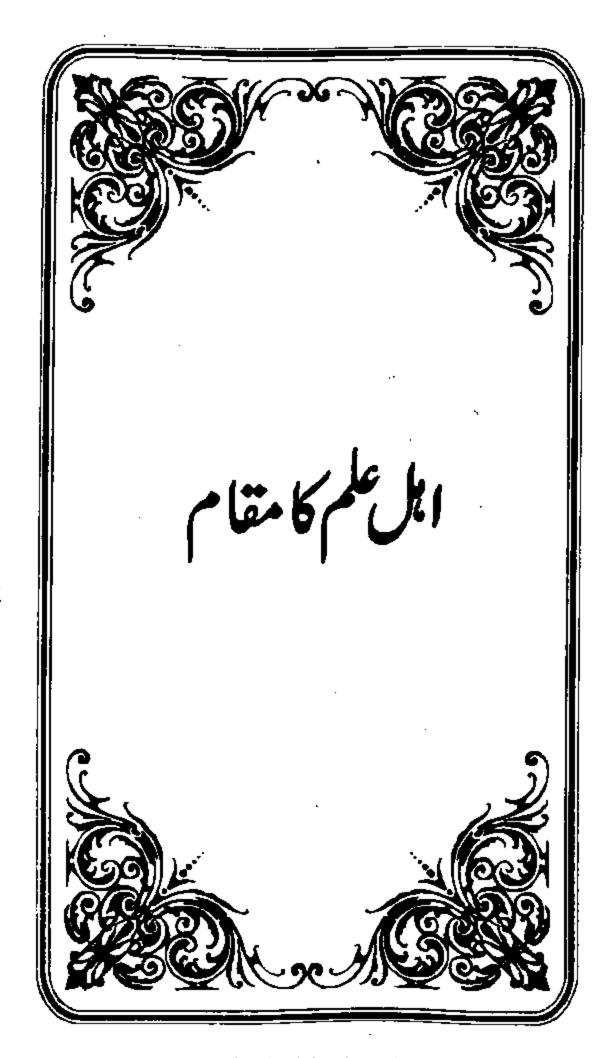
و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اہل علم کا مقام

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ قَسَمَ بَیْنَکُمْ اَخْلَاقَکُمْ کَمَا قَسَمَ بَیْنَکُمْ اَرْزَاقَکُمْ اِنَّ اللّٰہَ یُعْطِی الدُّنْیَا مَنْ یُّحِبُّ وَمَنْ لَا یُحِبُّ وَلَا یُعْطِی الدِّیْنَ اِلَّا مَنْ اَحَبَّ فَمَنْ اَعْطَاہُ اللّٰہُ الدِّیْنَ فَقَدْ اَحَبَّہٗ (مشکوٰۃ ص ۴۲۵) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

تمہید:

حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب دامت برکاتہم کو اللہ صحت و عافیت سے نوازے، دور دراز سے تشریف لائے، ان کا بیان آپ نے سن لیا ہے، فقیہانہ بھی تھا، محدثانہ بھی تھا، اور پھر اپنے بیان میں انہوں نے فقہاء کا ذکر بھی کیا، محدثین کا ذکر بھی کیا، اور آخر میں جا کر صوفیاء کا تذکرہ بھی کیا، تینوں طبقات کا ذکر کیا، بہت عالمانہ بیان تھا، محققانہ تھا، یہ جلسہ بھی چونکہ تقسیم اسناد کا ہے اور حضرت نے سب کا ذکر بھی فرمایا۔

اور میرا ذہن بھی ان کی تقریر سننے کے بعد کچھ ادھر کو متوجہ ہو گیا کہ میں بھی انہی طبقات کا ذکر کروں لیکن یہ روایت جو میں نے پڑھی ہے وہ اس سلسلے سے تعلق نہیں رکھتی جو میں نے عرض کیا، علماء کے ان طبقات کے ساتھ، باقی یہ روایت میں نے ان طلباء کے لیے بطور بشارت کے پڑھی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دولت دی اور جنہوں نے اپنے اساتذہ کی خدمت میں بیٹھ کر ان کی توجہ اور شفقت سے دین سیکھا، اور ان کی خصوصیت کی طرف اشارہ کرنے کیلئے اس کا ترجمہ کر دیتا ہوں، باقی اس روایت میں جو کچھ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا وہ ایک مستقل موضوع ہے تو موضوع کو دوسری باتوں کے ساتھ میں خلط نہیں کرتا۔

حدیث مبارکہ کا ترجمہ:

ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق تقسیم کیے ہیں جیسے کہ تمہارے درمیان تمہارا رزق تقسیم کیا ہے، یہ بہت بڑی بات ہے، یہ معمولی بات نہیں ہے، گویا کہ رزق کی تقسیم یہ مشبہ بہ ہے، اخلاق کی تقسیم مشبہ ہے اور مشبہ بہ جو ہوا کرتی ہے وہ زیادہ واضح اور یقینی ہوتی ہے، رزق کا حصول یا رزق کی تقسیم اس کو مشبہ بہ کے طور پر ذکر کیا، اہل علم سامنے بیٹھے

ہیں، اس بات کو سمجھتے ہیں، اس لئے اس کو چھوڑتا ہوں، آگے آپ ﷺ نے فرمایا" ان اللہ یعطی الدنیا من یحب و من لا یحب" اللہ تعالیٰ دنیا تو اس شخص کو بھی دیتا ہے دنیا سے مراد سامانِ دنیا ہے، دنیا کا ساز وسامان اور راحت و زینت کے اسباب اللہ ان کو بھی دیتا ہے جن سے اللہ کو محبت ہوتی ہے اور ان کو بھی دیتا ہے جن سے اللہ کو محبت نہیں ہوتی۔

دنیا کی دولت کی تقسیم کا دارومدار اللہ کی محبوبیت پر نہیں ہے یہ اللہ کی اپنی حکمت کے تحت ہے بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ جو اللہ کے نہ ماننے والے ہوں یا اللہ کے نافرمان ہوں ان کو یہ تمہارے سے زیادہ ملتی ہے اور جو اللہ کو ماننے والے یا اللہ کے محبوب ہوتے ہیں ان کو یہ ان کے مقابلے میں کم ملتی ہے، تاریخ اس بات پر شاہد ہے لیکن بہرحال اس کا دارومدار اللہ کے نزدیک قبولیت پر نہیں ہے "ان اللہ یعطی الدنیا من یحب و من لا یحب" اللہ دنیا کا ساز وسامان، دنیا کی راحت، دنیا کی زیب و زینت ان لوگوں کو بھی دیتا ہے جن سے اللہ کو محبت ہوتی ہے اور ان کو بھی دیتا ہے جن سے اللہ کو محبت نہیں ہوتی اس میں محبوبیت غیر محبوبیت کی تمیز نہیں ہے۔

"ان اللہ لا یعطی الدین الا من احب" اللہ دین انہی کو دیتا ہے جن سے اللہ کو محبت ہوتی ہے، جن سے اللہ کو محبت ہوتی ہے دین اللہ انہیں ہی دیتا ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا "فمن اعطاہ اللہ الدین فقد احبہ" جس کو اللہ تعالیٰ نے دین دے دیا یہ علامت ہے اس بات کی کہ اللہ کو اس شخص سے محبت ہے۔

خوشخبری ہے طلباء اور علماء کیلئے:

یہ آخری جملہ ہے جو ان طلباء اور فضلاء کی خدمت میں بطور بشارت کے پیش کر رہا ہوں کہ اللہ کی طرف سے علم کا مل جانا اور علم ہی حقیقت کے اعتبار سے دین

ہے۔ جیسا کہ غالباً مجھے یاد پڑتا ہے محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول جو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شمائل ترمذی کے آخر میں لکھا ہے۔ ''عن ابن سرین قال هذا الحديث دين فانظروا عمن تاخذون دينكم'' (شمائل ترمذی ص ۳۰) یہی علم ہی دین ہے اس کو حاصل کرنے سے پہلے تم دیکھ لیا کرو کہ کس سے حاصل کرر ہے ہو؟ کیونکہ جیسے لوگوں سے دین حاصل کرو گے ویسے تمہارا عقیدہ بن جائے گا۔

پہلے غور کرلیا کرو کہ یہ علم کس سے حاصل کرر ہے ہو کیونکہ یہ علم ہی دین ہے، جب اللہ نے آپ کو علم دے دیا تو یوں سمجھو دین دے دیا، یہ علامت ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کو آپ سے محبت ہے اور یہ معمولی بات نہیں بہت بڑی بشارت ہے، اللہ تعالیٰ اس کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہر وہ کام کریں جس قسم کے کام اللہ کے محبوبوں کی شان کے لائق ہیں، ہم وہ کام نہ کریں جو اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کی شان کے لائق نہیں، اس پر میں اس بات کو چھوڑتا ہوں۔

پیداوار کے اعتبار سے زمین کے مختلف خطے:

دوسری بات، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں کتاب العلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی وساطت سے ایک روایت نقل کی ہے، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے علم و ہدایت دے کر بھیجا ہے، جو علم و ہدایت مجھے دی ہے اور دے کر بھیجا ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے آسمان کی طرف سے موسلا دھار بارش برسے اور جس وقت بارش ہوتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین کے مختلف طبقات بن جاتے ہیں۔

ایک حصہ زمین کا وہ ہوتا ہے جس کو ہم زرخیز زمین کہتے ہیں جو زراعت اور کاشت کے قابل ہوتی ہے، پہلے نمبر پر اس کو ذکر فرمایا کہ وہ اس بارش کے پانی کو پی

لیتی ہے، اپنے اندر سمو لیتی ہے اور اس پانی کو سمونے کے بعد نباتات اُگاتی ہے، مختلف قسم کی نباتات اُگاتی ہے جس سے انسان بھی فائدہ اُٹھاتے ہیں، حیوان بھی فائدہ اُٹھاتے ہیں، ایک حصہ تو زمین کا یہ ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ جو پانی اس نے پیا، اپنے اندر سمویا اس نے اس پانی کو اسی شکل میں واپس نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس زمین کے اندر جو قوت نامی رکھی، نمو کی جو طاقت رکھی اس نے اس پانی کو مختلف شکلوں میں اُگایا، نباتات میں ساری چیزیں آگئیں، پھل اُگے، اناج اُگا، سبزیاں اُگیں، جتنی آپ کی ضروریات ہیں ''متاعالکم ولانعامکم'' وہ سارے کا سارا زمین نے اس پانی کی برکت سے اپنی قدرت کے استعمال کے ساتھ جو اللہ نے اس میں رکھی ہے اس کے ساتھ اس پانی کو ان نعمتوں کی شکل میں واپس لوٹایا جس سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے۔ ایک طبقہ تو زمین کا یہ ذکر فرمایا۔

اور دوسرا طبقہ فرمایا سخت زمین، پتھریلی جو زمین پانی کو پیتی نہیں ہے لیکن جو آسمان سے پانی برسا اس کو جمع کر لیتی ہے، ضائع نہیں ہونے دیتی، تالاب بن جاتے ہیں، پانی کے ساتھ گڑھے پُر ہو جاتے ہیں، اور زمین سارے کا سارا پانی اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے، جمع کر لیتی ہے، ضائع نہیں ہونے دیتی اور اس سے بھی مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے، ان تالابوں سے اور پانی کے ذخیروں سے لوگ پانی لے کر اپنے کھیتوں کو بھی سیراب کرتے ہیں، جانوروں کو بھی پلاتے ہیں، خود بھی پیتے ہیں، تو یہ زمینی ٹکڑا ایسا ہے کہ اس میں جیسا پانی برسا تھا ویسے ہی رہا اور اس میں کوئی کسی قسم کا تغیر تبدّل نہیں ہونے دیا۔ وہ صاف ستھرا پانی جو آسمان سے برسا تھا اسی طرح آگے لوٹا دیا اور مخلوق کو اس سے نفع پہنچا۔

اور فرمایا کہ ایک تیسرا طبقہ بھی ہے جس کو آپ شور والی زمین کہتے ہیں، شور کلّر والی، نمکین زمین، جس میں کچھ پیدا نہیں ہوتا بارش اس کے اندر بھی ہوتی ہے لیکن

وہ زمین نہ نباتات اگا کر فائدہ پہنچاتی ہے، نہ پانی کو جمع کر کے فائدہ پہنچاتی ہے بلکہ سارے کا سارا پانی ضائع کر دیتی ہے، اس کے اپنے اندر سے جو کچھ نکلتا ہے اس میں فائدہ اُٹھانے کی بات نہیں ہوتی ، چھوٹی چھوٹی بے کار ''لا یخرج الانکدا'' گندی گندی چیزیں جو کسی کام کی نہیں ہوتیں ایسی چیزیں اس میں سے نکلتی ہیں، تیسرا طبقہ یہ ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو مثال سے سمجھایا ہے بارش کی مثال دی اور بارش کے آنے کے بعد زمین کے طبقات جو بنے ہیں ان کی تفصیل بیان فرمائی یہ سب کچھ روایت میں ہے۔

فقہاء کا مقام:

پھر فرمایا کہ یہی بات ہے، علم و ہدایت کی بارش اللہ کی جانب سے ہوئی، اللہ نے مجھے وحی دے کر بھیجا، بعضے لوگ تو ایسے ہیں ''عَلِمَ و عَلَّمَ'' جنہوں نے اس علم و ہدایت کو سیکھا بھی اور آگے سکھایا بھی، سیکھا بھی اور سکھایا بھی اس سے دو طبقے مراد ہیں ،ایک طبقہ اس زمین کے مشابہ ہے جس نے پانی پیا لیکن اس کو پانی کی شکل میں واپس نہیں لوٹایا بلکہ اللہ کی دی ہوئی استعداد کے ساتھ اس میں تصرف کیا، تصرف کرنے کے بعد اس کو مخلوق کے لئے مفید زمین بنا دیا، ایک طبقہ یہ ہے اس سے اشارہ ہے فقہاء کی طرف، یہ طبقہ فقہاء کا ہے، قرآن وحدیث کو اپنے اندر لیتے ہیں لینے کے بعد جیسا لیا تھا ویسے نہیں لوٹاتے بلکہ اللہ نے جو قوتِ اجتہادیہ ان کے اندر رکھی ہے اسی قرآن وحدیث میں غور کرنے کے بعد اس میں سے عملی زندگی کے لئے احکام ترتیب کے ساتھ مرتب کیے اور مخلوق کے لئے عملی زندگی اتنی آسان کر دی یوں سمجھو کہ دستر خوان کے اوپر کھانا چن دیا، اب آپ کا کام اس کو کھانا ہے۔

اگر آپ براہِ راست قرآن وحدیث دیکھ کر وضو کا طریقہ سمجھنا چاہتے ہیں تو شاید آپ کو بہت دقت پیش آتی لیکن اب ضرورت ہی نہیں کوئی کتاب فقہ کی اُٹھالو، باب الوضو نکالو آپ کو اوّل سے لے کر آخر تک سارا مرتب کیا ہوا وضو اور اس کے احکام مل جائیں گے اور یہ وہی احکام ہیں جو فقہاء نے اللہ کی ہدایت سے حاصل کئے لیکن جیسا علم لیا تھا ویسے نہیں لوٹایا بلکہ اس کو مخلوق کے لئے کارآمد بنا کر لوٹایا، اب دین کے اوپر عمل کرنا بہت آسان ہوگیا،

- نماز کے احکام لے لیجئے،
- زکوٰۃ کے لے لیجئے،
- حج کے لے لیجئے،
- خرید وفروخت کے لے لیں،
- نکاح کے لے لیں،
- بیع وشراء کے لے لیں،
- اخلاقیات کے باب لے لیں،

جتنے یہ مرتب کئے ہوئے ہیں یہ سارے کے سارے یوں سمجھو کہ افضل ترین گروہ جو ہے جیسے اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں افضل ترین وہ ہے جس کو ہم زرخیز کہتے ہیں، اس اُمت کے حاملین علم وہدایت میں افضل ترین گروہ فقہاء کا ہے۔

فقیہ کی کوئی بات قرآن وحدیث سے باہر نہیں ہوتی:

فقہاء جو کچھ کہتے ہیں وہ سارا قرآن وحدیث سے ہی اخذ کیا ہوا ہوتا ہے لیکن اخذ کس طرح سے کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کیلئے عقل چاہئے، وہ تدبّر وتفکّر چاہتے، اب اگر ایک آدمی یہ کہے کہ یہ ایک گھڑی ہے، ایک آدمی کہتا ہے کہ یہ زمین سے نکلی ہے، یہ گھڑی جو ہے یہ زمین سے نکلی ہے، اب کوئی بیچارہ ایسا آدمی جو مٹی ڈھوتا ہے وہ

کہے کہ دیکھو جی سٹیج پہ بیٹھا مولوی جھوٹ بولتا ہے، میرے تو باپ دادے کا کام گڑھے کھودنا، مٹی ڈھونا ہے، ہم تو ساری زندگی مٹی ڈھوتے رہے ہیں، ہمیں تو کبھی گھڑی ملی نہیں ہے تو یہ کیسے کہتا ہے کہ یہ گھڑی زمین سے نکلی ہے، بات سمجھے؟ کیا آپ کو بھی شبہ ہے گھڑی آسمان سے برسی ہے، کیا یہ بارش میں گرتی ہے اولوں کی طرح؟ کہاں سے نکلتی ہے؟ ایک آدمی برفی کی ڈلی اٹھا کر بات کرتا ہے کہ یہ زمین سے نکلی ہے اور دوسرا آدمی کہتا ہے کہ کہاں؟ زمین کا تو ذائقہ پھیکا ہوتا ہے، یہ میٹھی ہے، زمین کا ذائقہ کرکرا ہوتا ہے یہ تو بڑی مزے دار ہے، تو اس کی کیا نسبت زمین کے ساتھ لیکن آپ حضرات کو کوئی شبہ نہیں کہ آپ کی مٹھائی جو ہے یہ زمین سے نکلتی ہے، آپ سمجھتے ہیں، تو جن لوگوں کو فقہاء کے نکالے ہوئے مسائل قرآن وحدیث کے خلاف نظر آتے ہیں اصل کے اعتبار سے ان کی اپنی فہم کا قصور ہے۔ قرآن وحدیث کے سارے مسائل قرآن و حدیث سے ایسے ہی نکلتے ہیں جیسے گھڑی زمین سے نکلتی ہے لیکن کتنی باریکیوں کے بعد

- اس طرح سے لوہا نکلا،
- اس طرح سے زنجیر بنی،
- اس طرح سے چیزیں تیار کر کے اس کے پرزے تیار کیئے،
- اس طرح سے ان کو جوڑا،

کوئی چیز اس کی ایسی نہیں جو بادلوں سے برسی ہو، ہر چیز زمین سے نکلی ہے لیکن اس کی زمین کے ساتھ نسبت معلوم کرنے کیلئے اللہ کی طرف سے عقل چاہئے۔

یہی فقہاء کے مسائل کا حال ہے، اس لئے فقہاء کا کوئی مسئلہ قرآن وحدیث سے باہر نہیں ہے لیکن اس کی نسبت کیا ہے؟ اس کی نسبت ایسے ہے جیسے گھی کی نسبت چارے کے ساتھ، گھی کی نسبت زمین کے ساتھ، یہ بھی زمین سے نکلتا ہے، کیسے نکلتا ہے؟ وہ درجات ہیں طریقے کے مطابق، اللہ نے طریقہ متعین کر دیا،
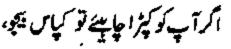
- اگر آپ کو گوشکر چاہیے تو کماد بوؤ،
- اگر آپ کو کپڑا چاہیے تو کپاس بیجو،
- اگر آپ کو فلاں چیز چاہیے تو یہ ڈالو،

اللہ کے بتائے ہوئے طریقے علم زراعت کے طور پر جو لوگوں نے جانے اس طریقے کے تحت اللہ کے خزانوں میں سب کچھ ہے، نکالنے کا طریقہ اور آپ کی محنت ہے اس طریقے سے نکالو گے تو سب کچھ نکلتا چلا جائے گا۔

یہی حال ہے دینی مسائل کا، دینی معلومات جتنی بھی ہیں سب قرآن وحدیث میں ہیں لیکن اس کو نکالنے کیلیے، اس کو ماخوذ کرنے کے لئے اللہ نے مخصوص افراد میں یہ استعداد رکھی ہے، یہ طبقہ جو ہے یہ فقہاء کا ہے، پہلا نمبر ان کا ہے۔

محدثین کا مقام:

دوسرا طبقہ جس کا ذکر کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ پتھریلی زمین ہے، جو پانی کو جمع کر لیتی ہے، پانی کو ضائع نہیں ہونے دیتی، اس سے مراد ہیں حفاظ اور محدثین، ایک حافظ الحمدللہ سے لے کر والناس تک سارے قرآن کو محفوظ کر لیتا ہے، اور اگر آپ چاہیں تو آپ کو ایک ہی مجلس میں وہ سنا دیتا ہے، سب کچھ اس نے محفوظ کیا ہوا ہے، یہ مثال سمجھنا آپ کے لئے آسان ہے اس لئے میں نے قرآن کریم کی مثال دی، یہ سارا قرآن اس کو اوّل سے لے کر آخر تک یاد ہے۔

لیکن اگر آپ اس سے پوچھیں کہ یہ صورت حال پیش آگئی کیا طلاق واقع ہوگئی؟ تو حافظ صاحب سورۃ الطلاق تو ساری جانتا ہے اسی وقت آپ کو سنا دے گا لیکن مسئلہ نہیں بتا سکے گا، بتا دے گا مسئلہ؟ (نہیں) بلکہ اس کو کہنا پڑے گا کہ بھائی کسی مولوی، کسی مفتی صاحب کے پاس جاؤ، مفتی عیسیٰ صاحب کے پاس جاؤ وہ آپ کو مسئلہ بتائے گا، یہ پہلے طبقہ کی مثال ہے۔

جیسے قرآن کریم کا حافظ ہونا اور بات ہے اور اس میں سے احکام کا سمجھنا اور بات ہے، کہتے ہیں کہ ایک حافظ اور مولوی کا جھگڑا ہوگیا تو حافظ کہتا ہے کہ ہم تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کریم کے ایک ایک لفظ پر (پنجابی میں یوں کہیں گے) پلی پائی ہے،تو مولوی صاحب کہنے لگے پلیاں تُسی پالو اندر اسی رہناایں، اندر کا کام تو ہمارا ہی ہے،تو یہ فرق سمجھانے کے لئے میں نے کہا ہے کہ یاد رکھنا محفوظ رکھنا اور بات ہے اور اس میں سے احکام کا نکالنا اور بات ہے، مسائل نکالنے کے لئے مفتی قرآن کریم کی آیت حافظ سے پوچھے گا، حافظ اس کو پڑھ کر سنائے گا، مطلب مفتی بیان کرے گا۔

بالکل یہی مثال ہے محدثین کی کہ ان کا کام ہے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی باتیں جمع کرلینا، ساری جمع کر کے انہوں نے تالاب بنا دیئے، جب تالاب بنا دیئے تو روایات بیان یہ کریں گے، احکام فقہاء نکالیں گے۔

ترمذی شریف کتاب الجنائز میں حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت بیان کرتے ہیں پھر جیسے ان کی عادت ہے فقہاء کا مسلک بیان کرتے ہیں، بظاہر وہ مسئلہ اس روایت سے جوڑ نہیں کھاتا ایسے لگتا ہے کہ جیسے یہ روایت کے خلاف ہے تو حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ "**كذلك قالت الفقهاء**" فقہاء نے یہ مسئلہ ایسے بیان کیا ہے " **وهم اعلم بمعانی الحديث**" حدیث کے معنی کو وہی صحیح سمجھتے ہیں، اس لئے فقہاء نے جو کچھ سمجھ کر کہا ہے اگر آپ کو اس کی الفاظِ حدیث کے ساتھ موافقت معلوم نہیں ہوتی تو قصور اپنے فہم کا ہے، بات وہی ٹھیک ہے جو فقہاء نے کہی ہے تو یہ جو تالاب بنے علم کے سارے کے سارے ان میں سے جو صاف ستھرا سب سے بڑا تالاب ہے وہ ہے صحیح البخاری۔

سند کی ضرورت کیوں؟

اب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سارے کا سارا صاف ستھرا پانی جمع کر دیا،

اب جمع کرنے کے بعد وہ آپ تک کیسے آیا اس کو سند کہتے ہیں، آپ تک وہ علم کیسے آیا، اللہ نے پانی کو اُتارا پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی شکل میں، وہاں سے برف پگھلی اور پانی دریاؤں میں آیا، پانی وہی ہے برف والا دریا میں آ گیا، دریاؤں سے آگے بیراج بنے ہوئے ہیں، نہریں نکل آئیں، نہروں سے آگے چھوٹی چھوٹی ندیاں، کھالے ہمارے کھیتوں تک پہنچ گئے تو ہم پانی جو کھیت کو دے رہے ہیں یا وہ پانی جو ہم پی رہے ہیں ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ پہاڑوں کے چشمے کا اور پہاڑوں کی برف کا پانی ہے۔

کیونکہ اس کا سارا طریقہ آنے کا اور ہم تک پہنچنے کا ہمیں معلوم ہے، یہ دریاؤں سے چلا اور وہاں سے نہر نکلی اس نہر سے یہ چھوٹی نہر نکلی اس نہر سے آگے یہ نکلی اور یہ ہمارے کھیت میں آئی تو وہاں سے لے کر پہاڑ تک جو نسبت ہے ایک آنے کی آپ کو معلوم ہے کہ یہ اصل کے اعتبار سے سند صحیح ہے جس کے متعلق آپ قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ پہاڑوں کا پانی ہے۔

بالکل اسی طرح سے یہ علم آگے علماء کی وساطت سے مختلف سلسلوں کے تحت چلتا ہوا ہم تک آیا، ہم یقین کے ساتھ کیسے کہہ دیں کہ یہ وہی باتیں ہیں جو حضور ﷺ نے فرمائیں؟ یہ باتیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے ذکر کی ہیں؟ ہم اس یقین کو حاصل کرنے کے لئے اپنے درمیان واسطوں کو ضروری سمجھتے ہیں،

- مجھے میرے استاذ نے بتایا،
- میرے استاذ کو اُن کے استاذ نے بتایا،
- اُن کے استاذ کو فلاں نے بتایا،

اس طرح سے جس علم کے بارے میں ہماری سند ثابت ہوگی یوں سمجھو کہ ہمیں اطمینان ہے کہ یہ وہی پانی ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا تھا جو امام

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا تھا اور یہ وہی علم و ہدایت ہے جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی وساطت سے پہنچایا۔ ہم اطمینان کے ساتھ اس طریق پر عمل کریں گے، یہی وجہ ہے کہ الحمدللہ ہمارا ایک ایک مسئلہ جو ہے وہ روایات کے درجہ میں متصل سند کے ساتھ حضور ﷺ تک پہنچتا ہے، ایک ایک روایت کو لے کر ہم حضور ﷺ تک پہنچاتے ہیں، یہ ہے سند کی حقیقت۔

سند کی بحث صرف مصنفین کتب تک ہے:

لیکن درمیان میں ایک اور چھوٹی سی بات عرض کردوں کہ حدیث کی کتابوں میں اسناد لکھی ہوئی ہیں اور اسناد کی بحث جو ہے وہ مصنفین کتب تک ہے، مصنفین کتب کے بعد ہر روایت اور ہر سند متواتر ہے، متواتر وہ ہوتا ہے کہ جس کو نقل کرنے والے اتنے زیادہ ہوں کہ نہ تو وہ اتفاقاً جھوٹ پر جمع ہوسکتے ہیں نہ انہوں نے قصداً جمع ہوکر جھوٹ بنایا ہے، اب وہ اتنی یقینی بات ہوتی ہے جس طرح سے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اب آپ میں سے بہت سارے لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے کراچی نہیں دیکھا ان کے یقین میں اور جو وہاں گئے اور جنہوں نے کراچی دیکھا ہے ان کے یقین میں کوئی فرق ہے؟ جس نے نہیں دیکھا اس کو بھی یقین ہے کہ پاکستان کا ایک شہر کراچی ہے اور جنہوں نے دیکھا ہے ان کو بھی یقین ہے، کوئی شک نہیں یقین میں، اتنے لوگوں سے سنا، اتنا اخباروں میں پڑھا کہ پڑھتے پڑھتے یقین آگیا کہ واقعی کراچی پاکستان کا کوئی شہر ہے۔ اگرچہ آنکھوں سے دیکھا نہیں، یہی وجہ ہے کہ ایسا شخص بھی اگر کراچی جائے تو جب کراچی کے اسٹیشن پر پہنچے اور کراچی کی عمارات پر نظر پڑے تو اس کے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ لوگ ٹھیک کہتے تھے کراچی واقعی ہے، اس کے دل میں کبھی خیال نہیں آتا کیوں کہ اس کے دل میں شک ہوتا ہی نہیں ہے تو وہ کہے کہ واقعی لوگ ٹھیک کہتے تھے کہ کراچی ہے دیکھو کراچی آگیا، ایسے کوئی نہیں کہتا اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ بہت سارے لوگوں سے بات کا سننا کہ جس کے متعلق انسان کا دل کہے کہ انہوں نے میٹنگ کر کے جھوٹ نہیں بولا اور نہ اتفاقاً ان سب کے منہ پر جھوٹی بات آسکتی ہے تو متواتر کا یقین ایسے ہوتا ہے جیسے مشاہدہ۔

اب حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے صحیح بخاری، بچہ بچہ جانتا ہے، پوری دنیا جانتی ہے کہ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی ہے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے نیچے سند کی بحث ہی نہیں یہ متواتر ہے، سند کی بحث اگر آئے گی تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے اوپر آئے گی کیونکہ ہر بات کی سند علیحدہ ہے، یہ بحث وہاں آئے گی بخاری کے نیچے کوئی بحث نہیں ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جامع ترمذی کے متعلق ہمیں یقین ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی ہے، ایسے جیسے ہم دیکھ رہے ہیں، ہمیں اتنا یقین ہے تو سند کی بحث امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے اوپر آئے گی ایسے ہی باقی کتب ہیں۔

ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے:

اس لئے ہمارا دین جو ہے وہ اتنا پختہ ہے سند کے اعتبار سے کہ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کتنے واسطے ہیں؟ ہمارے درمیان میں واسطہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور ثلاثیات بخاری میں تین استاذ ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے، اور آگے" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" ہے، پہلی سند ثلاثیات بخاری جس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تین واسطے ہیں، پہلی ثلاثیات بخاری کی کتاب العلم میں ہے" حدثنا مکی بن ابراھیم قال حدثنا یزید ھو ابن عبید قال حدثنی سلمة ابن اکوع رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یقل علی مالم اقل فلیتبوأ مقعدہ من النار" امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے مکی بن ابراہیم نے فرمایا مکی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ مجھے یزید بن عبید نے بتایا اور یزید بن عبید کہتے ہیں کہ مجھے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ جو بات میں نے نہ کہی ہو اور کوئی شخص اس کو میری طرف منسوب کر دے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

تین واسطے تو ہمارے یہ ہو گئے، امام بخاری، مکی بن ابراہیم، یزید بن عبید، سلمہ بن اکوع، آگے رسول اللہ ﷺ، تو رسول اللہ ﷺ تک ہم چار واسطوں سے پہنچ گئے کیونکہ نیچے کی سند میں بحث نہیں ہے وہ متواتر ہے اور رسول اللہ ﷺ اور اللہ کے درمیان واسطہ خود اللہ نے ذکر کیا جبرائیل علیہ السلام، پانچویں نمبر پر رسول اللہ ﷺ، چھٹے نمبر پر جبرائیل علیہ السلام، آگے اللہ کی ذات تو اب پانچ چھ واسطوں کے ساتھ ہمارے پاس اللہ کا دین آیا ہوا ہے، پانچ چھ واسطے ہیں درمیان میں اور آگے تواتر ہے اور تواتر میں سند کی بحث آتی ہی نہیں، تو اتنی مختصری سند کے ساتھ ہم اللہ کے رسول تک پہنچ گئے اور اللہ کے رسول کی وساطت سے جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے ہم اللہ تک پہنچ گئے ہیں، بہت صاف ستھری سڑک ہے جس کے ساتھ ہم اپنے اس علم کو سمجھتے ہیں کہ واقعی یہ علم اللہ نے اتارا تھا، جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے پہنچایا اور آگے اس کی نشر واشاعت ہوئی اور تین چار واسطوں میں یہ ہمارے پاس آگیا، اس کے صاف ستھرا ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے؟

مسلمان ضعیف کی روایت قبول نہیں تو مستشرقین کی کیسے قبول ہوگی؟

لیکن ایک بات درمیان میں آپ کے لئے عرض کر دوں کہ محدثین جب حدیث کی سند نقل کرتے ہیں کہ فلاں نے کہا، فلاں نے کہا، بخاری میں بھی اور باقی ائمہ حدیث بھی اپنی کتابوں میں اپنے سے لے کر حضور ﷺ تک سند نقل کرتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک راوی ایسا آیا ہوا ہوتا ہے جو محدثین کے خیال کے مطابق معیاری نہیں ہوتا، محدثین اس راوی کو اپنے اساتذہ کی طرح سمجھتے ہوئے تنقید کرتے تھے تو یہ روایت قابلِ اعتماد نہیں کیونکہ اس میں جو فلاں راوی ہے اس کا حافظہ خراب تھا، یہ

روایت قابل اعتماد نہیں کیوں کہ اس کا فلاں راوی عادل نہیں تھا، اس کے اوپر فلاں طعن ہے، اس کے اوپر فلاں طعن ہے، یہ درمیان میں جو واسطے آتے ہیں ان میں اگر کوئی راوی مطعون آجاتا ہے تو راوی

- مسلمان ہوتا ہے،
- نمازی ہوتا ہے،
- دین کا جاننے والا ہوتا ہے،
- محدّثین کی فہرست میں ہوتا ہے،

لیکن محدّثین کے نزدیک معیاری نہیں وہ کہتے ہیں کہ اس روایت کا اعتبار نہیں، اس پر عمل نہیں کریں گے کیونکہ اس کا راوی کمزور ہے، وہ کہتے ہیں **ھذا حدیث ضعیف، متروك، موضوع**، جب محدّث کے اساتذہ سلسلہ وار آتے ہیں تو ان میں سے کوئی نہ کوئی راوی ایسا ہوتا ہے جو معیاری نہیں ہوتا، معیاری نہ ہونے کی بناء پر وہ **قال رسول اللہ** کہہ کر نقل کرتا ہے لیکن ہم کہتے ہیں تیرا کوئی اعتبار نہیں تو عدالت کے اعتبار سے کمزور ہے تیرا کوئی اعتبار نہیں، تیرا حافظہ ٹھیک نہیں، یوں ہم اس کی روایت قبول نہیں کرتے، ہوتا وہ مسلمان ہے۔

اور اگر اس علم کے نقل ہونے میں کسی عیسائی کا، یہودی کا واسطہ آجائے پھر؟ نہیں سمجھے؟ کہ مسلمان عالم آدمی اگر اس کا حافظہ ٹھیک نہیں یا عدالت نہیں وہ سند میں آجائے تو حدیث متروک اور اگر اس علم کو نقل کرنے کے اندر کسی مستشرق کا واسطہ آجائے یا کسی عیسائی یا یہودی کا واسطہ آجائے تو جو اس کے ذریعہ سے علم آئے گا چاہے **قال رسول اللہ** کہہ کر نقل کرے تو کیا وہ قابل اعتبار ہوگا؟ (نہیں) تو یہ کافر قسم کے لوگ جو مستشرقین سے پڑھ کر آتے ہیں اور آپ کے سامنے دین کے گل کھلاتے ہیں اور آپ سن سن کر وہی طریقہ اور وہی علم اختیار کر لیتے ہیں، مسلمان محدّث میں ضعف،

آجائے تو حدیث قابلِ اعتماد نہیں رہتی تو ان مستشرقین یہودی اور عیسائیوں کا علم قابلِ اعتماد کیسے ہے؟ اس لئے جتنے لوگ جو ڈاکٹروں کی باتیں سُن کر نظریات اختیار کرتے ہیں یا انہی ڈاکٹروں کو سن سن کر اپنے خیالات بناتے ہیں آپ نے دیکھا ہوگا کہ اکثر و بیشتر وہ گمراہ ہوجاتے ہیں، ان علماء کے نزدیک ان کا علم قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

اپنا دین بچانا چاہتے ہوتو کسی یہودی اور عیسائی سے علم حاصل نہ کرو:

اس لئے ایک طرف عالم بات کرتا ہے جس کی سند متصل ہے اور اس میں کوئی ایسا یہودی یا نصرانی نہیں ہے کوئی اس میں ضعیف راوی نہیں ہے اور ایک آدمی ڈاکٹر ہے بات وہی کرتا ہے لیکن ہے یہودی، ہے عیسائی، مستشرق ہے اور وہ روایت پڑھتا ہے، روایت پڑھنے کے بعد اس کا معنی کچھ اس طرح سے کرتا ہے جو ہمارے پاس سند کے ساتھ آیا ہوا نہیں ہے، ہم تو مسلمان ضعیف راوی کی روایت نہیں لیتے تو ان کی روایت کہاں سے لے لیں گے جو مستشرقین سے پڑھتے ہیں۔

اس لئے اگر اپنا دین صاف ستھرا رکھنا چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ جیسا اللہ کی طرف سے آیا ہے اسی طرح سے ہم قبول کرلیں اور ہمارا دین صحیح ثابت ہو تو کسی مستشرق، کسی عیسائی، کسی یہودی سے علم حاصل نہ کرو، نہ ان کی باتوں پر اعتماد کرو، ان علماء کی بات کا اعتماد کرو جن کا علم صحیح سند کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

ان کی سند کیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب انگلینڈ سے ڈگری لے کر آئے ہیں، یہ امریکہ سے ڈگری لے کر آئے ہیں، یہ فلاں ہے، یہ فلاں ہے، اور ساری گمراہی قوم کے اندر اسی وجہ سے پھیلی ہوئی ہے کہ تحقیق ہی نہیں کرتے کہ ناقل کون ہے کون نہیں ہے، اور صحیح علم کا رشتہ اس وقت جو ہے وہ کن کے پاس ہے، کن کے پاس نہیں ہے۔

یہود و نصاریٰ کا علم گٹر کے پانی سے بھی غلیظ ہے:

اس لئے اگر اپنا دین بچانا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان ڈاکٹروں کی باتوں کی طرف توجہ نہ کرو،

- جو انگلینڈ کے پڑھے ہوئے ہیں،
- جو امریکہ کے پڑھے ہوئے ہیں،
- اور جن کے استاذ عیسائی ہیں،
- اور جن کے استاذ یہودی ہیں،

وہ جو بھی علم آپ کی طرف نقل کریں گے وہ درست نہیں ٹھیک نہیں۔

مثال دیتا ہوں تا کہ آپ بات سمجھ جائیں پانی آرہا ہے سیدھا سیدھا آرہا ہے پہنچ گیا لیکن وہی پانی اگر کسی گٹر میں سے ہو کر نکل کر آپ کی طرف آجائے ؟ پانی تو وہی ہوگا جو پہاڑوں سے آیا ہے لیکن اگر کسی جگہ درمیان میں کسی گٹر سے ہو کر آجائے تو یہ غلیظ ہے خراب ہے وہی حساب ہے کہ جہاں عیسائی اور یہودی کا درمیان میں واسطہ آجائے ، یہ تو گٹر سے بھی گندے ہیں، دین کی تحریف کرنے کیلئے، دین سے مسلمانوں کو بیزار کرنے کے لئے یہ گٹر سے بھی گندے ہیں، اس لئے پانی صاف ستھرا اگر لینا ہے تو ان حضرات کے ساتھ مل جاؤ جن کی سند متصل ہے۔

فقہاء، محدثین اور حفاظ سب ہمارے محسن ہیں:

اور یہ حافظوں نے قرآن کریم نقل کیا اور محدثین نے روایات ہمارے سامنے نقل کیں اور اس کا مفہوم اور معنی فقہاء سے لیا،

- فقہاء بھی ہمارے محسن،
- محدثین بھی ہمارے محسن،

- حافظ بھی ہمارے محسن،
- قاری بھی ہمارے محسن،

یہ تمام کے تمام علماء جو اس دین کے حاصل کرنے کے لئے ہمارے لئے واسطہ بنے ہیں یہ سب ہمارے محسن اور ان کا یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ دنیا کا کوئی احسان اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا، اتنا بڑا یہ احسان ہے کہ علم ان کی وساطت سے ہمارے پاس آیا اس لئے

- نہ ہم محدثین کے مخالف،
- نہ ہم فقہاء کے مخالف،
- نہ ہم قاریوں کے مخالف،
- نہ ہم حفاظ کے مخالف،

یہ سارے کے سارے ہمارے لئے دین کے آنے کا واسطہ ہیں اور یہ تیار ہوتی ہے ساری کی ساری چیز ان مدارس میں اور یہ وہ طبقات آگئے جو حضرت مفتی صاحب نے آپ کے سامنے تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔

باطنی احکام کا ماہر صوفی کہلاتا ہے:

اور آخر آخر میں صوفیاء کا تذکرہ بھی آگیا، یہ صوفیاء کیا چیز ہیں؟ محدث بھی آپ سمجھتے ہیں، فقیہ بھی آپ سمجھتے ہیں، صوفیاء کیا چیز ہیں؟ علماء کرام اور صوفیاء عظام یہ دو لفظ بولے جاتے ہیں بات سمجھے یا نہیں؟ اصل یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں احکام کچھ بدن کے متعلق آئے ہوئے ہیں، کچھ دل کے متعلق آئے ہوئے ہیں،

- نماز پڑھنا بدن کا کام ہے،
- روزہ رکھنا بدن کا کام ہے،

- وضو کرنا بدن کا کام ہے،
- غسل کرنا بدن کا کام ہے،
- بیع وشراء نکاح طلاق یہ بدن کے کام ہیں،
- جہاد یہ بدن کا کام ہے،
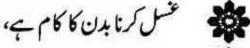
یہ سارے کے سارے احکام ایسے ہیں جو بدن کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، ہمارے ظاہر سے، اور قرآن وحدیث کے اندر احکام کا ایک بڑا ذخیرہ وہ ہے جو ظاہر سے تعلق نہیں رکھتا، باطن سے تعلق رکھتا ہے، حسد نہ کرو، حسد کا تعلق ظاہر سے نہیں باطن سے ہے، بغض نہ رکھو دل میں، اس کا تعلق دل سے ہے یہ ظاہر سے نہیں ہے، ہمارے دل میں دنیا کی محبت ہے یا اللہ کی، یہ بات باطن سے تعلق رکھتی ہے ظاہر سے نہیں اللہ کو ایک مانتے ہو یا کئی مانتے ہو یہ عقیدہ باطن سے تعلق رکھتا ہے ظاہر سے نہیں۔ تو قرآن کریم کا بہت سارا حصہ ایسا ہے کہ جس میں باطن کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ پھر باطن کے احکام دو حصوں میں ہیں بعض وہ ہیں جو عقائد کہلاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اخلاق کہلاتے ہیں، عقائد اصولی چیزیں ہیں اور اخلاق کے متعلق جتنی باتیں آتی ہیں وہ ویسے ہی ہیں جیسے فقہاء نے ظاہری احکام مرتب کئے ہیں، حسد کسے کہتے ہیں، اس کی پہچان کیا ہے اور آپ کو کیسے پتہ چلے کہ آپ کے اندر حسد ہے یا نہیں اگر آپ نے احساس کر لیا کہ ہے پھر اس کو زائل کرنے کا کیا طریقہ ہے، اور کب آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ سمجھیں کہ واقعی میں اب تندرست ہو گیا ہوں میرے اندر حسد نہیں ہے، دنیا کی محبت آپ کے اندر ہے یا آخرت کی محبت ہے کیسے پہچانیں گے، آپ میں اگر دنیا کی محبت ہے تو اس کو زائل کرنے کا کیا طریقہ ہے اور آپ اپنے آپ کو تندرست کب سمجھیں گے اور سمجھنے کا کیا موقع ہوگا، یہ باطن کے احکام جو ہیں اس کو تصوف کہتے ہیں، اور جو اس فن کا ماہر ہو وہ صوفی کہلاتا ہے، تو صوفیاء کے ہاں دل کی کیفیات زیر بحث

ہوتی ہیں، اللہ کی محبت ہو دنیا کی نہ ہو، اللہ کے رسول کی محبت ہو فاسق وفاجر کی، عیسائی، یہودی کی نہ ہو، دل کے اندر خیر خواہی ہو، حسد اور بغض نہ ہو، یہ موضوع جو ہے یہ خانقاہی موضوع ہے۔

اللہ کو پانے کے لیے کنز و ہدایہ کافی نہیں:

یہ جو صوفیاء کہتے ہیں وہ بات سچی ہے، علماء اس پر غصہ نہ ہوں، ناراض نہ ہوں کہ " در کنز وهدایه نه یافت خدارا " اللہ کو پانے کے لئے کنز و ہدایہ کافی نہیں، کنز اور ہدایہ میں خدا نہیں ملتا یعنی صرف کنز اور ہدایہ میں اوّل سے لے کر آخر تک، کنز کا ایک ایک حرف اور ایک ایک سطر دیکھ لو،

- نہ اس میں آپ کو حسد کی بحث ملے گی،

- نہ تکبر کی ملے گی،

- نہ اس میں حُبّ دنیا کا باب ہے،

- نہ اس میں حُبّ آخرت کا باب ہے،

- نہ اس میں شکر کا باب ہے،

- نہ اس میں صبر کا باب ہے،

- نہ ہدایہ میں نہ کنز میں،
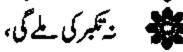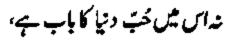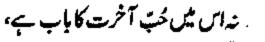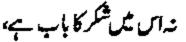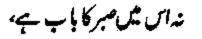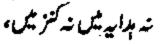
علماء کرام! کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟ میرے ہاں جو کنز چھپی ہوئی ہے جو میں پڑھتا ہوں اس میں تو ہے نہیں، آپ کی کنز میں ہو تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا، میں اپنے علم کے مطابق بات کرتا ہوں جو ہم نے کنز پڑھی تھی یا جو ہم پڑھاتے ہیں اس میں تو نہیں ہے،

- نہ باب الشکر ہے،

- نہ باب الرّیا ہے،

- نہ باب الاخلاق ہے،
- نہ اس میں حسد کا تذکرہ ہے،
- نہ بغض کا تذکرہ ہے،
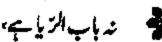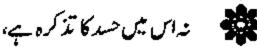
اب یہ احکام سارے کے سارے قطعی ہیں، منصوص سے ثابت ہیں، نماز روزے کی طرح فرض ہیں لیکن یہ کنز و ہدایہ میں نہیں ہیں، یہ فن دوسرا ہے۔

اگر آپ نے عقیدہ دیکھنا ہے کہ کسی چیز کے متعلق عقیدہ کیسے رکھنا ہے تو علم الکلام کی کتابیں ہیں، فقہ میں یہ باب بھی نہیں ہے کہ توحید، رسالت، آخرت، نہ کنز میں ہے نہ ہدایہ میں ہے حالانکہ یہ بنیادی عقیدے ہیں کوئی باب التوحید نہیں کنز میں نہ ہدایہ میں اور کوئی ایمان بالآخرت کا باب نہیں ہے، نہ کنز میں نہ ہدایہ میں، اگر آپ نے عقائد کا باب دیکھنا ہے تو دوسرا علم ہے جس کو علم الکلام کہتے ہیں، علم العقائد اور اگر آپ نے یہ اعمال دیکھنے ہیں تو اس کے لئے علم تصوف ہے ساری کتابیں اسی سے بھری پڑی ہیں۔

صوفیاء کا کام باطن کو سنوارنا ہے:

تو یہ صوفیاء گویا کہ ان علماء میں سے ہیں جنہوں نے قرآن وحدیث سے اخذ کر کے تعمیر باطن کا کام کیا، باطن کو سنوارنے کا کام کیا اور آپ جانتے ہیں کہ باطن کو سنوارنا ظاہر کے سنوارنے سے زیادہ اہم ہے، ایک آدمی نماز پڑھتا ہے لیکن اس کا باطن سنورا ہوا نہیں ہے۔ اس میں ریا ہے، ریا کاری کے ساتھ آپ پڑھتے رہتے ہیں شہادت کا عمل ضائع، علم کا عمل ضائع، سخاوت کا عمل ضائع، کتابوں میں آپ پڑھتے سنتے رہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں ایک ہوگا شہید اللہ کہے گا تو نے میرے لئے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے تیرے راستے میں جان دے دی، اللہ کہے گا جھوٹ بولتا ہے میرے راستے میں کب دی ہے تو تو بہادری دکھانے کے لئے لڑ رہا تھا، یہ ریا نے شہادت جیسا

عمل باطل کر دیا، ساری زندگی قرآن پڑھانے والوں سے اللہ پوچھے گا کیا کیا؟ وہ کہیں گے کہ تیرا قرآن پڑھا پڑھایا، اللہ کہیں گے کہ غلط کہتے ہو، میرے لئے نہیں کیا، تم نے اپنی شہرت کے لئے ایسا کیا، یہ آپ سنتے رہتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیاء والا کام کئے بغیر بھی گزارہ نہیں ہے۔

صوفیاء رنگ ریز ہیں:

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اکابر میں سے ہیں۔ ان کی زبان سے میں نے خود سنا وہ فرماتے تھے کہ صوفیاء کی مثال ایسے ہے جیسے ایک ہوتا ہے رنگ ساز جو رنگ بناتا ہے، ایک ہوتا ہے رنگ فروش جو رنگ بیچتا ہے، ایک ہوتا ہے رنگ ریز جو رنگتا ہے، یہ تین درجے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے ہے جیسے رنگ ساز "صبغة الله ومن احسن من الله صبغة" یہ رنگ دین کا بنایا اللہ نے ہے، علماء رنگ فروش ہیں، مسئلہ پوچھو بتا دیں گے، حضرت ایسے موقع پر فرمایا کرتے تھے کہ مسئلے علماء کو بہت یاد ہیں، جب میرے پاس پڑھنے کے لئے آتے ہیں جیسے ان کا معمول تھا سب جانتے ہوں گے رمضان شریف کی ابتداء میں ترجمہ شروع کروا کے عید الاضحیٰ پر ختم کروایا کرتے تھے، اور فارغ التحصیل علماء لیتے تھے۔

فرماتے تھے کہ ایسے ایسے میرے پاس علماء آتے ہیں ان میں سے اگر کسی کو کہو کہ فضائل تہجد پر تقریر کرو تو دو گھنٹے وہ ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ جوش وخروش کے ساتھ آپ کے سامنے تہجد کے فضائل بیان کرے گا لیکن جب وقت آئے گا تہجد کا تو سویا رہے گا، تقریر جتنی چاہو سن لو، مسئلے جتنے چاہے پوچھ لو، لیکن جب وقت آئے گا تو اس وقت سویا رہے گا، وہ فرماتے تھے کہ یہ رنگ فروش ہیں اور صوفیاء رنگ ریز ہیں جو دین کا رنگ چڑھاتے ہیں اس لئے خانقاہی نظام میں رنگ ریزی ہوتی ہے، بزرگوں کے ساتھ تعلق کی بناء پر وہاں بیٹھیں گے، محبت والوں کے ساتھ تو دل میں اللہ کی محبت آئے

گی، آپ ان کے پاس بیٹھیں گے تو دنیا کی محبت دل سے رخصت ہوگی، آخرت کا یقین پیدا ہوگا، اور اس کے آثار سارے کے سارے ظاہر ہوں گے، اس لئے وہ کہا کرتے تھے کہ یہ رنگ ریز ہیں، صوفیاء کو ایسے معمولی نہ سمجھو صوفیاء بہت اندر کی چیز ہیں۔

عالم اور عابد میں فرق:

لیکن اس کے ساتھ ہمارے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک رائے ہے وہ کہتے ہیں کہ "صاحب دلے بمدرسہ آمدز خانقاہ "ایک صاحب دل خانقاہ چھوڑ کر مدرسہ آ گیا، خانقاہ صوفیاء کی جگہ اور مدرسہ طالب علموں کی جگہ" بشکستہ عہد صحبت اہلِ طریق را" اہلِ طریقت کے ساتھ جو اس نے صحبت رکھی تھی اس کو توڑ دیا، خانقاہ کو چھوڑ کر مدرسہ آ گیا" گفتم " میں نے اس سے کہا کہ " میان عالم و عابد چہ فرق بود" میں نے پوچھا کہ عالم اور عابد کے درمیان میں کیا فرق ہوتا ہے "تا کردی اختیار ازاں ایں فریق را" کہ اس فریق کو تو نے چھوڑا اور اس فریق کی طرف آ گیا، تو نے دونوں میں کیا فرق دیکھا؟ کہتے ہیں کہ اس نے جواب دیا" گفت او گلیم خویش بدر میبرد زموج ویں جہد میکند کہ بگیرد غریق را" وہ کہتا ہے کہ میں نے فرق یہ دیکھا کہ صوفی تو اپنے آپ کو سنبھالنے میں لگا ہوا ہے کہ میں آخرت کے عذاب سے بچ جاؤں، مجھے جنت مل جائے، وہ تو اپنی گدڑی بچانے کی فکر میں ہے اور ان کو میں نے دیکھا کہ یہ پوری قوم کی فکر میں ہیں، اور اپنے آپ کو بچانے کی فکر جو ہے یہ صوفی اور عابد کا کام ہے، یہ فرق اس نے بیان کیا، باقی عالم اور عابد کے درمیان فرق کیا ہے یہ روایات میں بہت جگہ آیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام باتوں پر عمل کی توفیق دے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

جہالت جہنم کا راستہ ہے

بموقع: سالانہ جلسہ

بتاریخ: ۸ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ

بمقام: جامعہ شمس العلوم محمد آباد

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ، صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

تمہید:

اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت کے لئے مختلف شعبے بنائے ہیں، ایک شعبہ ہے سٹیج پر بیٹھ کر عوام کے سامنے دین کی بات پہنچانا جس کو وعظ ونصیحت یا تقریر سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور ایک شعبہ ہے درس گاہ میں بیٹھ کر پڑھانا جہاں قرآن وحدیث، فقہ اور دین کی باتیں طلباء کی طرف منتقل کی جاتی ہیں، یہ دونوں شعبے علیحدہ علیحدہ ہیں۔

اور جہاں تک فن خطابت کا تعلق ہے اس میں اس علاقہ کے اعتبار سے، اس زبان کے اعتبار سے اور اپنے انداز کے اعتبار سے یہ مولانا ادریس اجمل صاحب بے نظیر خطیب ہیں، بہت اچھا بیان کرتے ہیں، اور اسی لب ولہجہ سے بیان کرتے ہیں جس کو آپ حضرات اپنی علاقائی زبان کے تحت سمجھتے ہیں، اور مجھے جولا کے مولانا سجاد صاحب نے آپ کے سامنے بٹھا دیا ہے میں سٹیج کا آدمی نہیں ہوں میں درسگاہ کا ہوں، میرا کام بچوں کو پڑھانا ہے، سٹیج کے اوپر تقریر کرنا میرا کام نہیں ہے، میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا ہوں تو میرا انداز خطیبانہ نہیں ہے، میرا اندازِ گفتگو مدرسانہ ہے جس طرح سے کہ سبق پڑھایا جاتا ہے اس انداز میں ہی میں آپ کے سامنے دو چار باتیں کروں گا، خطابت کا مزہ آپ نے لے لیا مولانا کی تقریر سے، میں تو یہ چاہ رہا تھا کہ میں اپنا وقت بھی چھوڑ دوں اور جس انداز میں وہ آپ کے سامنے بہت حق کے مطابق بات کر رہے تھے، عقیدہ سمجھا رہے تھے تو وہ آپ کے لئے مفید ہوتا لیکن خیر جب بٹھا دیا تو اب دو چار باتیں اسی سادہ سے لب ولہجہ میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔

سلسلہ انبیاء علیہم السلام کا مختصر تعارف:

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد میں انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری کیا ہے (بات زیادہ لمبی نہیں کروں گا، مختصر کروں گا) شروع ہوا سلسلہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا حضرت آدم

علیہ السلام سے، پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں، آگے مختلف انبیاء علیہم السلام آتے گئے جیسے جیسے آدم کی اولاد پھیلتی چلی گئی مختلف علاقوں میں آباد ہوتی چلی گئی تو ہر جگہ ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا، یہ سلسلہ چلتے چلتے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچا، حضرت ابرہیم علیہ السلام کے بعد انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ سارے کا سارا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں رہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ویسے تو بیٹے زیادہ تھے، تاریخ میں مذکور ہے کوئی دس بیٹے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیکن معروف دو ہوئے اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام۔

اسماعیل علیہ السلام بھی نبی ہوئے اور اسحاق علیہ السلام بھی نبی ہوئے تو ایک شاخ اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں چلی، اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام وہ بھی نبی اور انہی کا نام اسرائیل ہے، یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل ہے، اور ان کے بارہ بیٹے تھے، اور بارہ خاندان جو چلے بنی اسرائیل میں تو یہ سلسلہ بارہ خاندان پر مشتمل تھا، انبیاء علیہم السلام کثرت کے ساتھ ہیں جو حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل میں آئے ہیں، بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں، حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر جا کر اسرائیلی نبیوں کا جو سلسلہ تھا وہ ختم ہو گیا۔

اور دوسرے بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں ان کی اولاد عرب میں پھیلی اور اسحاق علیہ السلام کی اولاد شام میں پھیلی، (شام کے علاقہ میں) اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں صرف ایک ہی پیغمبر ہوئے ہیں اورران کے علاوہ کوئی دوسرا پیغمبر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں نہیں ہوا، اور وہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں جو ایک ہی ہوئے وہ ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسماعیلی نبی صرف یہی ہیں اور اسرائیلی نبی بہت سارے ہیں لیکن ان کے آخری نبی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں۔

کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے:

یہ آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ جو اسماعیلی سلسلہ سے ہیں ہماری نسبت ان کی طرف ہے، ہم ان کا کلمہ پڑھتے ہیں لیکن تمام انبیاء علیہم السلام پر چاہے وہ اسحاقی ہیں ان سب کو ہم اللہ کے نبی مانتے ہیں، اور ان پر ہمارا ایمان ہے کسی ایک نبی کا انکار کرنا ایسے کفر ہے جس طرح سے سارے نبیوں کا انکار کرنا کفر ہے، مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ سب نبیوں کو مانا جائے۔

مخلوقات میں سب سے افضل واشرف حضور ﷺ ہیں:

اب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سلسلہ میں جو محمد رسول اللہ ﷺ آئے ان کے بارے میں

 ہمارا عقیدہ،

 ہمارے اساتذہ کا عقیدہ،

 ہمارے اکابر کا عقیدہ،

امت کا متفق علیہ عقیدہ

جس میں کوئی کسی قسم کا اختلاف نہیں کہ اولاد آدم ہونے کے باوجود محمد رسول اللہ ﷺ آدم کی اولاد ہیں اس لئے آدمی ہیں، محمد رسول اللہ ﷺ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی اولاد میں جو ہوتا ہے آدمی کہلاتا ہے، تو آدم کی اولاد ہونے کے باوجود تمام اولاد آدم سے افضل ہیں۔

یہ عقیدہ یاد رکھنا کہ آدم کی اولاد ہونے کے باوجود تمام اولاد آدم کے آپ ﷺ سردار ہیں اور یہ اعلان آپ ﷺ نے اپنی زبان سے خود فرمایا'' انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر'' (مشکوۃ ص ۵۱۳) یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہتا

ایک حقیقت بیان کر رہا ہوں کہ قیامت کے دن ساری اولاد آدم میرے جھنڈے کے نیچے ہوگی اور میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں گا، یہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا۔

آدم کی اولاد ہونے کے باوجود اور مخلوق ہونے کے باوجود کہ آپ ﷺ اللہ کی مخلوق ہیں، اللہ نے آپ ﷺ کو پیدا کیا، اللہ کی مخلوق ہونے کے باوجود پوری مخلوق اللہ کی جتنی بھی ہے چاہے وہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہے اور چاہے وہ فرشتے ہیں، چاہے وہ جنات ہیں باقیوں کا تو تذکرہ ہی چھوڑ دو حیوانات، کیڑے مکوڑے، جتنے بھی ہیں تو اللہ کی مخلوق ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ افضل المخلوقات ہیں، اشرف المخلوقات ہیں، پوری مخلوق سے آپ ﷺ اشرف ہیں، یہ عقیدہ کی بات ہے۔

حضور ﷺ کا مقابلہ مخلوق سے ہے، خالق سے نہیں:

یہ جو درجہ بیان کیا جا رہا ہے یہ مخلوق کے مقابلہ میں ہے، خالق کے مقابلہ میں نہیں، خالق کے ساتھ مقابلہ مخلوق کا نہیں کیا، خالق کا مقام سب سے اوپر ہے یہ اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں، تو ان کو ان کے مقابلہ میں کیسے کھڑا کیا جائے، یہ عقیدہ یاد رکھنا اللہ کے علاوہ جو کچھ بھی کہیں بھی ہے جہاں بھی موجود ہے وہ اللہ کی مخلوق ہے۔

جہاں بھی موجود ہے، جو بھی موجود ہے اللہ کے سوا جو بھی ہے وہ اللہ کی مخلوق ہے اور مخلوق کو خالق کے مقابلہ میں نہیں لایا جاتا، کوئی نسبت نہیں دونوں میں

- مخلوق کا وجود اللہ کی مشیت کے تابع ہے،
- مخلوق کی صفات اللہ کے وجود کے تابع ہیں،
- مخلوق کے سارے کے سارے کام اللہ کے تابع ہیں،

کوئی چیز ایسی نہیں جس میں ہم یہ کہیں کہ مخلوق کے اندر وہ صفت پائی جاتی ہے جو خالق کے اندر ہے، اس کو شرک کہتے ہیں، خالق کی کوئی صفت مخلوق میں نہیں ہے، اس لئے ہم جو افضل قرار دیتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو تو مخلوقات میں افضل قرار

دیتے ہیں، خالق کے ساتھ مقابلہ نہیں کرنا جہاں اللہ کا ذکر آجائے وہاں وہ وحدہ لا شریک ہے، نہ اس کی ذات میں کوئی شریک، نہ اس کی صفات میں کوئی شریک، تو آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے باوجود سید ولد آدم اور مخلوق ہونے کے باوجود تمام مخلوق کے مقابلہ میں افضل، یہ میرا عقیدہ ہے،

- میرے اساتذہ کا عقیدہ ہے،
- میرے اکابر کا عقیدہ ہے
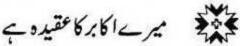
اور جتنے بھی فقہاء، محدّثین، جتنے مفسرین، تابعین، امت کے اند جتنی بھی نمایاں شخصیات ہوئی ہیں وہ ساری کی ساری اسی عقیدہ پر تھیں، اس میں کوئی کسی قسم کا اختلاف نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہء اقدس کی مٹی بھی عرش سے افضل ہے:

بس صرف بنیاد عقیدہ کی پہلے یہاں پر رکھو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدم کی اولاد ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق ہیں، اللہ کے پیدا کردہ ہیں، اللہ کی ذات وصفات میں شریک نہیں، لیکن مخلوق میں افضل ہیں، اور مخلوقات سے اشرف ہیں، پوری مخلوق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدّ مقابل کوئی نہیں۔

آپ سنتے رہتے ہیں اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق عرش بھی اللہ کی مخلوق ہے، عرش بھی اللہ کا پیدا کردہ ہے، جب عرش اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے تو وہ بھی مخلوق میں شامل ہوگیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرش سے بھی افضل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عرش سے افضل ہونا تو بہت واضح بات ہے، میرے اکابر نے تو یہاں تک لکھا ہے اور یہ علماء کرام بیٹھے ہیں کتابوں کے اندر تحریر ہمارے بزرگوں کی موجود ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے پردہ کرنے کے بعد جس جگہ تشریف فرما ہیں (یعنی اپنی قبر مبارک میں) جو مٹی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کے ساتھ لگی ہوئی ہے میرے اکابر

کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ یہ بات مذکور ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کی مٹی بھی عرش سے افضل ہے۔

ہم حضور ﷺ کی فضیلت اور شرافت کا اتنا اعتقاد رکھتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''انا رحمة مهداة'' حدیث کے لفظ ہیں، آپ ﷺ کے بہت سارے نام جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے جن میں ایک نام ''نبی الرحمۃ'' بھی ہے، رحمت والے نبی ''رحمة مهداة'' مھداۃ کا معنی ہدیہ دی ہوئی، اللہ نے اپنی مخلوق کو ہدیہ دیا ہے، میں وہ رحمت ہوں جو اللہ نے ہدیۃً بھیجی ہے مخلوق کی طرف، میں اللہ کا ہدیہ ہوں اللہ نے ہدیہ دیا ہوا ہے ''رحمۃ اللعالمین'' کا لفظ تو آپ سنتے رہتے ہیں تو مجسمہ رحمت رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے۔

دنیا کی سب پریشانیوں کا حل صرف ایک آیت سے:

یہ جو آیت پڑھی ہے تھوڑا سا مفہوم بیان کرتا ہوں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ جب تشریف لائے تھے تو آپ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے اس دنیا کا کیا حال تھا، اور آپ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد دنیا کا کیا حال ہوا، اللہ کی اس رحمت کے آنے سے اور اللہ کی اس رحمت کی محنت سے معاشرہ میں کیا تبدیلی آئی، یہ آج کے دن بہت زیادہ غور کرنے کی بات ہے کیونکہ ہم حضور ﷺ کی امت کہلانے والے آج بہت ساری پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں اور بہت زیادہ آپس میں الجھے ہوئے ہیں ایک عذاب ہے جو ہمارے اوپر مسلط ہے اس ملک کے اندر اور اگر رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے اور قرآن کریم نے جو آپ ﷺ کی حیثیت بیان کی ہے اس کو دیکھا جائے تو سب پریشانیوں کا علاج جو ہے وہ اسی ایک آیت میں مل جاتا ہے جو آپ کے سامنے پڑھی گئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا زمانہ دور جہالت کہلاتا ہے:

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے عرب میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے وہ جو دور تھا وہ جاہلیت کا دور کہلاتا ہے (شاہ صاحب! ذرا میں نے کہا اے بھائی دیہاتی ماحول ہے میں درس گاہ کا آدمی ہوں میری گفتگو جو ہے وہ طالب علموں والی ہے کہیں آپ کے سامعین گھبرا نہ جائیں۔ پتہ نہیں اس نے کیا چونکہ چنانچہ شروع کر دیا ہے، ہماری سمجھ میں تو آتا نہیں ایسی کوئی بات تو نہیں؟) (عوام کا جواب۔سارے سمجھ رہے ہیں) بڑی مہربانی آپ کی، ذرا توجہ دیں آپ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے کا جو دور ہے اس کو جاہلیت کا دور کہا جاتا ہے، قرآن کریم میں یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔''لا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى'' (سورۃ الاحزاب)۔''اذ جعل الذين كفروا في قلوبهم الحمية حمية الجاهلية'' (سورۃ فتح) جاہلیت کا لفظ قرآن کریم میں دو جگہ اس دور کے متعلق آیا ہے، وہ دور جاہلیت کا دور ہے۔ پہلا دور جو تھا تو گویا کہ جہالت کے بعد جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے دور آیا وہ علم کا دور تھا جہالت کے مقابلہ میں علم ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دور کی ابتداء ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے پہلے جو دور تھا وہ جاہلیت کا دور کہلاتا ہے۔

دور جہالت کی منظر کشی اور اسلام کا احسان:

اور وہ جاہلیت کے دور میں کیا تھا؟ قرآن کریم نے ایک لفظ بولا ہے ''واذكروا نعمة الله عليكم'' یاد کرو تم پر اللہ نے جو احسان کیا ہے''واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء''تم سب ایک دوسرے کے دشمن تھے،''اذ كنتم اعداء''میں بتایا ہے کہ کسی کی جان محفوظ نہیں تھی، کسی کا مال محفوظ نہیں تھا، معاف کرنا ذرا درمیان میں پوچھ لوں جیسے کہ آج کل جان و مال محفوظ ہیں؟ (نہیں) یہ جاہلیت

کے دور کی نشانی ہے۔ ''اذ کنتم اعداءً'' جب کہ تم آپس میں دشمن تھے، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، جان کسی کی محفوظ نہیں تھی۔

یاد کرو میں نے تم پر احسان کیا جب تم آپس میں دشمن تھے۔ ''فالف بین قلوبکم'' اللہ نے احسان کر کے تمہارے دل آپس میں جوڑ دیئے ''فاصبحتم بنعمته اخواناً'' تم اللہ کے اس احسان کی وجہ سے سارے کے سارے آپس میں بھائی بھائی بن گئے، اللہ نے دل جوڑ دیئے، سب بھائی بھائی بن گئے یہ بہت بڑا احسان ہے جو حضور ﷺ کے ذریعہ سے ہم پہ اللہ نے کیا ہے، تم دشمن تھے ایک دوسرے کے اور پھر تم سارے بھائی بھائی بن گئے اس جہالت کے بعد جو اللہ کا احسان ہوا ہے وہ یہ ہوا ہے۔

جہالت کے بعد علم آیا اور اس علم نے اللہ کی توفیق کے ساتھ لوگوں کو حقوق کی پہچان دی اور پہچان دینے کے بعد دل ایسے جوڑ دیئے کہ تم سارے کے سارے آپس میں بھائی بھائی بن گئے،

 ہر مسلمان دوسرے کی عزت کا محافظ،

 ہر مسلمان دوسرے کے مال کا محافظ،

 ہر مسلمان دوسرے کی جان کا محافظ،

 اس احسان کو یاد کرو جو اللہ نے تم پہ کیا ہے۔

ایک تو یہ بتایا کہ ''کنتم علی شفاحفرة من النار'' تمہاری مثال ایسی تھی جیسے آگ کا گڑھا ہے، جیسے تنور ہوتا ہے، حفرۃ، حفرہ گڑھے کو کہتے ہیں، حفرة من النار جہنم کا گڑھا (آگ کا گڑھا) شفا کنارے کو کہتے ہیں، ''کنتم علی شفا حفرة من النار'' ایک آگ کے گڑھے کے اوپر تم کھڑے تھے، کنارے پر کھڑے تھے، کیا مطلب کہ موت آئی اور آگ میں گرے، کنارے پر جو آدمی کھڑا ہوتا ہے پھسلتے ہی

کنارے سے گڑھے میں چلا جاتا ہے، بس صرف مرنے کی دیر تھی موت آئی اور آگ کے گڑھے میں گر گئے۔ ''فانقذکم منھا'' اللہ کے احسان کو یاد رکھو کہ اللہ نے تم کو اس آگ کے گڑھے سے نجات دلائی، ایک احسان یہ ہے جس سے دنیا سدھری۔

اور دوسرا احسان ہے جس سے آخرت سدھری اور جہنم سے نجات ملی، یہ دونوں احسان ذکر کئے رسول اللہ ﷺ کے آنے کے ساتھ آخرت سدھری اور جہنم سے بچاؤ حاصل ہوا یہ دینی طور پر حال تھا ''کنتم علی شفا حفرة من النار'' اور دنیاوی طور پر تمہارا حال یہ تھا۔ ''اذ کنتم اعداء'' آپس میں تم سارے کے سارے دشمن تھے یہ بھی جاہلیت کے دور کا اللہ نے تعارف کرایا ہے۔

جملہ معترضہ:

علاقہ کے معروف بزرگ ہیں ان کا تذکرہ آپ نے سنا ہوا ہوگا الحمدللہ اس خاندان سے میرا تعلق تقریباً ۴۵ سال سے ہے کیونکہ ان کے دادا مصباح الزمان اور قمرالزمان دونوں کبیروالا میں پڑھنے کیلئے آئے تھے تو میں وہاں مدرس تھا تو مصباح الزمان صاحب نے دورہ شریف تک وہیں پڑھا اور ان کے چھوٹے بھائی قمرالزمان ایک دو سال تک رہے تھے اور دورہ کہیں اور کیا ہوگا؟ ان کے دادا میری موجودگی میں کبیروالہ میں پڑھے ہیں، اور مجھے ان کی خدمت کا موقع ملا ہے۔

اس وقت سے میں ان کی خانقاہ سے واقف ہوں اور پھر حضرت مولانا شمس الزمان صاحب کا جو یہاں قیام ہے خانقاہ کے پاس ایک دفعہ میں بھی وہاں حاضر ہوا ہوں اور حضرت بھی ایک دفعہ باب العلوم تشریف لائے تھے اور جب ان کے والد صاحب نے دورہ کیا ہے جامعہ مدنیہ میں تو ان کی دستار بندی میں نے کی ہے اس لئے اس خاندان کے ساتھ ہمارا بہت پرانا تعلق ہے تو ان کی آمد میرے لئے بہت باعث مسرت ہے کہ زیارت ہوگئی۔ اور میں کہہ رہا تھا کہ اب آپ آگئے تو میں آپ کے لئے

کرسی خالی کردوں انہوں نے حکم فرمایا میں جو کہہ رہا ہوں اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں اور اس کے بعد حضرت تشریف لائیں گے، بچوں کی دستار بندی کریں گے، اور آخر میں دعا بھی کرائیں گے۔

موجودہ دور کی دورِ جہالت سے مطابقت کی مثال نمبرا:

میں دورِ جاہلیت کا ذکر کر رہا تھا،، دورِ جاہلیت میں نے کہا آج کل ہمارا یہ دور دورِ جاہلیت سے مطابقت رکھتا ہے، یہی کہا ہے نا؟ دورِ جاہلیت میں کیا ہوتا ہے جب ہم قرآن وحدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے دور جاہلیت میں لوگ کتے سے بہت محبت کرتے تھے، سنا ہے آپ نے کتے کے ساتھ محبت دورِ جاہلیت میں بہت تھی، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی با اختیار حکومت تھی، آپ ﷺ نے فرمایا جس کتے کو دیکھو مارو اور اگر کتا کسی گھر میں ہوگا تو وہاں رحمت کا فرشتہ نہیں آئے گا، کتا اگر کسی برتن کو منہ لگادے تو اس کو ایک دفعہ مانجھو اور سات دفعہ دھوؤ۔

کتے سے نفرت پیدا کرنے کے لئے حضور ﷺ نے مدینہ میں یہ حکم جاری فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم نے وہاں کے سارے کتے ماردیئے اور دیہات سے کوئی عورت اگر مدینہ آتی بدو لوگ جو ہوتے ہیں باہر اور وہ آتی اور اس کے ساتھ اس کا کتا ہوتا حالانکہ ان کو ضرورت بھی تھی کتا رکھنے کی جنگل میں جانوروں کی حفاظت کیلئے لیکن ہم اس کو بھی نہیں چھوڑتے تھے، اس کو بھی مار دیتے تھے۔

اور آج آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یورپ اور امریکہ کا محبوب ترین جانور جو ہے وہ روئے زمین پر کتا ہے۔ آگے میں تشریح نہیں کرتا کہ کتے سے وہ کیا کیا کام لیتے ہیں، کتا ان کی کیا کیا خدمت کرتا ہے مجھے تشریح کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ لینا جس کو پتہ ہے آپ کسی مجلس میں وضاحت کرلیں کتے سے کیا کیا کام لیتے ہیں، آپس میں پوچھ لینا ایک دوسرے سے میں یہاں بیٹھ کر اس

منصب پر اس کی تشریح نہیں کرسکتا، بہرحال دور جاہلیت کمال درجہ کا اس وقت تھا جتنا کتے سے آج پیار ہے اس وقت کتے سے اتنا پیار نہیں تھا کتے سے جو آج کام لیا جارہا ہے اُس وقت نہیں لیا جارہا تھا۔

دور جاہلیت سے مطابقت کی مثال نمبر۲:

دورِ جاہلیت میں عورتیں کھلے منہ پھرتی تھیں، کوئی حجاب نہیں تھا، زیب و زینت کی نمائش کرتی تھیں، سرورِ کائنات ﷺ کی ازواج مطہرات کا تذکرہ کرتے ہوئے بائیسویں پارہ کی ابتداء میں ہے" و من یقنت منکن" بائیسواں پارہ کے پہلے رکوع میں اللہ نے تذکرہ کیا ہے" قرن فی بیوتکن" اپنے گھروں کے اندر ٹھہرنا ہے،" ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ" جاہلیت اولیٰ کی طرح تبرج اختیار نہیں کرنا کہ اپنی زیب وزینت کی نمائش کرتی پھرو، جاہلیت کے زمانے کی ایک خصوصیت یہ بھی قرآن نے نقل کی۔

آج پورے ملک میں باقاعدہ ترغیب کے ساتھ عورتوں کو نمایاں کیا جارہا ہے، ان کے حسن کی نمائش سڑکوں پر جگہ بہ جگہ ایسی ہے کہ فحش تصویریں لگی ہوئی ہیں، جدھر بھی نظر اُٹھاؤ آپ کو تصویروں کی شکل میں بھی عورتیں نمایاں نظر آتی ہیں، اور انتہائی بے حیا قسم کی تصویریں جو ہیں وہ عورتوں کی نمایاں کر کے لگائی جاتی ہیں، یہ بھی جاہلیت کی علامت ہے۔ جس طرح قرآن میں ہے" لاتبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ" جاہلیت کی عورتوں کی طرح کھلے منہ زیب و زینت کی نمائش کرتے ہوئے باہر نہیں نکلنا اس لئے اسلام پردہ کو عورت کے لئے ضروری قرار دیتا ہے۔ اور بے پردہ عورتوں کا پھرنا یہ جاہلیت کی علامت کہلاتی ہے۔

پردہ عورت کی فطری ضرورت ہے:

آج کل لوگ یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ پردہ جو ہے یہ عورت کے لئے

ایک قید ہے، بہت پروپیگنڈہ ہوتا ہے لیکن میں آپ کی خدمت میں مختصر سی بات عرض کروں پردہ عورت کیلئے قید نہیں ہے اور نہ عورت کیلئے سزا ہے بلکہ پردہ عورت کے لئے فطری ضرورت ہے، دنیا میں دو ہی چیزیں ہیں جن کو چھپا کے رکھنے کی ضرورت ہے ایک دولت ایک عورت، ایک دولت چھپا کے رکھنے کی چیز ہے اور ایک عورت چھپا کے رکھنے کی چیز ہے۔

جو دولت کو چھپا کے رکھتے ہیں ظاہر نہیں کرتے یہ دولت کی ناقدری کرتے ہیں یا اس کی قدر کی وجہ سے ہے؟ بات سمجھ میں آرہی ہے، کبھی آپ نے اپنی دولت کو یوں کر کے اچھالا ہے لوگوں کے سامنے؟ میرے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے، میرے پاس ایک کروڑ روپیہ ہے، لوگوں کے سامنے اچھالا ہے؟ اور اگر آپ کبھی یہ غلطی کر لیں تو رات کو کیا ہو جائے گا، اب تو رات کا بھی انتظار نہیں اب تو دن کو ہو جاتا ہے سب کچھ، تو ڈاکوؤں اور چوروں سے بچانے کے لئے دولت کو چھپانا یہ دولت کا فطری تقاضہ ہے ورنہ جو آدمی اپنی دولت کو چھپاتا نہیں وہ لٹ جاتا ہے۔

ڈاکو لوٹ لیتے ہیں اس لیے دولت کا چھپانا اس دولت کا فطری تقاضہ ہے یہ اس کی قدر و قیمت کی وجہ سے ہے، بے قدر ہونے کی وجہ سے نہیں ہے جو شخص اپنی دولت کو چھپاتا نہیں ہے ایک دن وہ دولت سے محروم ہو جاتا ہے، صبح و شام رات دن کے واقعات ہیں اور آج سے آٹھ سو سال پہلے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں

نگاہ دارد آں شوخ در قصہ دُر ۔۔۔۔۔۔۔ کہ داند ہمہ خلق را قصہ بُر

نگاہ دارد آں شوخ در قصہ دُر دُر موتی کو کہتے ہیں، اپنی جیب کے اندر موتی وہی شخص محفوظ رکھ سکتا ہے کہ جو ہر قریب آنے والے شخص کو جیب تراش سمجھے کہ یہ جو میرے قریب آرہا ہے جیب تراش ہے، جیب سنبھال لوں جو اتنا محتاط ہو کر رہے ہر قریب آنے والے کو جیب تراش سمجھے اور اپنی جیب کو سنبھال لے وہ اپنی دولت کو محفوظ

رکھ سکتا ہے۔ ورنہ جو دوسروں پر اعتماد کرنا شروع کر دے آخر ایک دن جیب کٹ جاتی ہے، موتی ضائع ہو جاتے ہیں تو دولت کو جو چھپایا جاتا ہے اس کی بے قدری کی وجہ سے چھپایا جاتا ہے؟

دولت سے زیادہ قیمتی ہے عورت کی عفت اور اس کی پاک دامنی، انسان کا سب سے بڑا شرف ہے نسب کی حفاظت، حیوان سے انسان کو جو ممتاز کرتی ہے وہ چیز نسب کی حفاظت ہے، بھینسا کو نہیں پتہ کہ جس پر وہ چڑھنے لگا ہے یہ میری ماں ہے یا میری بیٹی، کتے کو نہیں پتہ جانوروں کو نہیں پتہ ان کے دل میں ماں، بہن کا کوئی احترام نہیں ہے، لیکن انسان کو یہ شرف ہے وہ

- اپنی ماں کو پہچانتا ہے،
- اپنی بیٹی کو پہچانتا ہے،
- اپنی بہن کو پہچانتا ہے،

اس لئے ہم اعتماد کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمارا باپ فلاں ہے، ہم اپنے باپ کو پہچانتے ہیں، ہمارا نسب محفوظ ہے، کیوں محفوظ ہے کس لئے محفوظ ہے کہ ہمیں یقین ہے ہماری ماں نے کسی غیر پر نظر نہیں اُٹھائی اور کسی غیر نے ہماری ماں پر نظر نہیں اٹھائی اس لئے ہم کہتے ہیں کہ ہمارا نسب محفوظ ہے اور ہمارا باپ فلاں ہے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے۔

بے پردگی کے نتائج:

اور جنہوں نے عورت کو بے پردہ کیا آج امریکہ اور یورپ اب ان منحوسوں کا کیا تذکرہ کروں آپ کے سامنے، کتے کی بات تو میں چھپا گیا لیکن یہ بات تو آپ کے سامنے ہونی چاہئے، کسی کو پتہ نہیں

- میرا باپ کون ہے،
- میری ماں کون ہے،
- میری بہن کون ہے،
- میری بیٹی کون ہے،

کسی کو پتہ نہیں یہ آپ کے علم میں ہے وہاں پاسپورٹ ہو یا سرکاری کاغذات ہوں باپ کا نام نہیں لکھا جاتا صرف نام اور فوٹو، جب باپ ہوتا نہیں کسی کا تو لکھیں کیا؟ بالکل خالصتاً حیوانات والی زندگی آ گئی ہے، میں کہتا ہوں شاید دور جاہلیت میں

- اتنی بے حیائی،
- اتنی بے غیرتی،
- اتنی بے بسی،
- اور اتنی حرام زندگی،

شاید اس دور میں نہیں تھی جو حضور ﷺ سے پہلے جس کو قرآن نے دور جاہلیت کہا ہے، جتنا کہ آج اس دنیا کے اندر موجود ہے اور جو لوگ اس طرح اپنی بیٹیوں، بہنوں کو بے پردہ کر کے پھراتے ہیں اب میں کیا کہوں، صبح شام رات دن آپ کے سامنے ہے ان کی عزتیں کیسے لٹتی ہیں؟ کس طرح سے عفتیں برباد ہوتی ہیں جیسے دولت کی حفاظت کیلئے اس کا چھپانا ضروری ہے، عورت کی عزت کیلئے اس کو بھی غیروں سے چھپا کے رکھنا ضروری ہے، ورنہ اگر یہ غیروں کے سامنے کھل کے آئے گی تو اسی طرح سے عفت برباد ہوگی جس طرح سے چوروں اور ڈاکوؤں سے آپ کی دولت برباد ہو جاتی ہے تو عورتوں کا کھلے منہ پھرتے رہنا یہ بھی جاہلیت کے نشانیوں میں سے ہے۔

اگر کبھی اتفاق ہو جائے تو امریکہ اور یورپ میں جا کر دیکھو عورت کو کس طرح ذلیل وخوار ہو رہی ہے، مردوں نے تو پینٹ پہنی ہوئی ہوگی ٹخنوں تک اور کوٹ پہنا ہوا ہوگا اور عورت نے گھٹنوں تک نیکر پہنی ہوئی ہوگی اور وہ تھوڑا سے سینہ چھپایا ہوا ہوگا بازو بھی ننگے، پیٹ بھی ننگا، سر بھی ننگا، گھٹنوں سے نیچے تک مرد چھپے ہوئے ہیں اور عورتیں ننگی ہیں یہ اس قدیم جاہلیت کے مقابلہ میں جدید جاہلیت اس سے بدتر جاہلیت ہے۔

دور جاہلیت کی سب نشانیاں ہمارے اندر موجود ہیں:

سود کا معاملہ جتنا آج ہے جاہلیت میں اتنا نہیں تھا، تصویر گری تصویر بنانا اور بت تراشی جتنی آج ہے اتنی جاہلیت میں نہیں تھی کیا کیا باتیں آپ کے سامنے شمار کروں جو خرابیاں اور بد معاشیاں حضور ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے معاشرہ میں تھیں آج ہم حضور ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم سے غافل ہو کر ان سب برائیوں کے اندر مبتلا ہو گئے۔ اس لئے میں نے کہا تھا آج کا دور اس دور جاہلیت کی پوری نشانی ہے،

- نہ کسی کی جان محفوظ،
- نہ کسی کا مال محفوظ،
- نہ کسی کی عزت محفوظ،

خونریزی اپنی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے، اور پورے جاہلانہ دور کی خصلتیں ہم نے اپنا رکھی ہیں۔
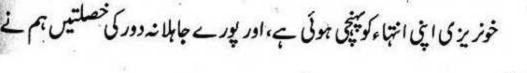
ہر قسم کی بربادی اور پریشانی سے بچنے کا نسخہ:

اس لئے اگر آپ امن چاہتے ہیں کہ،

 جان بھی محفوظ ہو،

- عزت بھی محفوظ ہو،

- مال بھی محفوظ ہو،
- خونریزی نہ ہو،

اور سب آپس میں بھائی بھائی بن جائیں تو اس اللہ کے احسان کو یاد کرو، یاد کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم کو حاصل کرو۔ حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل کریں جس وقت آپ عمل کریں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ عمل کرتے ہوئے سب آپس میں بھائی بھائی بن گئے ہیں، اس امن اور چین کو واپس لانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمارے سامنے شریعت اتاری ہے اس کی پابندی ضروری ہے۔
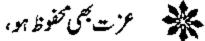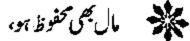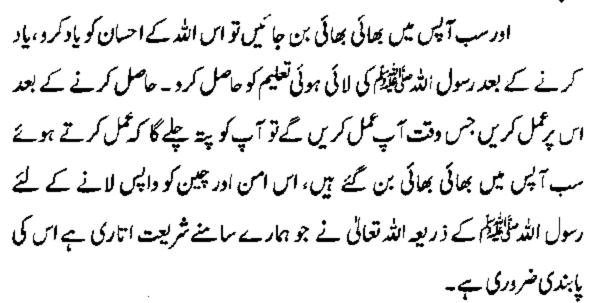
اور اسی طرح ہمارا کردار جتنا بھی ہے وہ سب ہمیں جہنم میں لے جانے والا ہے، کوئی نیکی اس قسم کی نہیں جس پر ہم اعتماد کر سکیں، ہر برائی ہمارے اندر آگئی ہے، اخلاقی طور پر یہ ایسے ہے جیسے ہم جہنم کے کنارے پر کھڑے ہیں، مرے اور گرے، مرے اور گرے، یہ معاشرہ کا حال ہے، ویسے بھی جدھر دیکھو گانا تماشہ اور فضول حرکتیں ناچ گانا اور نہ نماز کی پرواہ نہ مسجد کا ادب نہ کسی اور چیز کا اگر آپ ان برائیوں کو چھوڑنا چاہتے ہیں کہ آخرت برباد نہ ہو تو اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ "رحمة مهداة" جو اللہ نے آپ کے لئے رحمت ہدیہ بھیجی ہے آپ اس کی قدر کریں اور اس کی تعلیمات کو اپنا کر آپ آخرت کی بربادی سے بچ سکتے ہیں۔

نجات کے لیے صرف نعرے لگانا کافی نہیں:

اللہ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی یہ باتیں حاصل کریں صرف تعریف کر کے چپ ہو جانا یہ کافی نہیں ہے، جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات

حاصل کر کے ان کے مطابق عمل نہ کیا جائے، نتائج عمل پر مرتب ہوں گے، صرف زبان کے ساتھ نعرہ لگانے، صرف شور مچانے کے ساتھ نتائج نہیں حاصل ہوا کرتے۔

اللہ ہم سب کو اس معاشرہ کی اصلاح کی توفیق دے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اللہ کی جو ہدایات آئی ہوئیں ہیں سمجھنے کی اور اپنانے کی اللہ توفیق دے

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

نیکی کے ثمرات

بیاد مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری رحمہ اللہ

بمقام: مسجد سعید احمد شہید کراچی

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ اِمَامٌ عَادِلٌ وَ شَابٌّ نَشَاَ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَ تَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَ رَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَاَةٌ ذَاتَ حَسْبٍ وَ جَمَالٍ فَقَالَ اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ (مشکوٰۃ باب المساجد) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

تمہید:

سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانِ عالی شان آپ کے سامنے تلاوت کیا ہے جس کا ترجمہ اور مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا سات آدمی (چھ سے اوپر، آٹھ سے کم) ایسے نیک بخت ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن کہ اس کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق علماء دیوبند کا نظریہ:

باقی اللہ کا سایہ اللہ اپنے سائے میں جگہ دے گا، یہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ تعلق ہے اس لئے ہم کچھ وضاحت نہیں کر سکتے، بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ جیسا کہ اللہ کی شان کے لائق ہے اصل بات تو وقت کے اعتبار سے سمجھ میں آئے گی کہ اللہ کے سائے سے کیا مراد ہے؟ اللہ کے عرش کا سایہ ہے جو کیفیت بھی ہے جب وقت آئے گا اور ہمارے سامنے یہ بات آئے گی کہ اس وقت ہم اس کی کیفیت کو کچھ نہ کچھ سمجھیں گے، ورنہ تو اصل بات یہی ہے کہ جیسے اللہ کی شان ویسے اس کی صفات، ہم نہ اللہ کی حقیقت کو جانیں اور نہ اس کی صفات کے صحیح مصداق کو جانیں، جو لفظ سرورِ کائنات ﷺ نے بیان فرمائے ہیں اللہ یا اللہ کی صفات کے متعلق ہم اس کو نقل کر دیتے ہیں۔

بہرحال اس روایت میں اللہ کا سایہ قرار دیا گیا ہے، اور سایہ کے دونوں مفہوم ہوا کرتے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ حسی طور پر سایہ ہے، آپ دھوپ میں کھڑے ہیں تو سایہ نمایاں ہے، آپ روشنی میں ہیں تو سایہ نمایاں ہے۔

ایک تو سایہ یہ ہوتا ہے اور ایک سایہ معنوی ہوا کرتا ہے، والدین کا سایہ ہے سر پر، استاذ کا سایہ ہے، اور ہم جس وقت دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے والدین کا

سایہ ہم پر قائم دائم رکھے، استاذ کا سایہ، پیر کا سایہ ہم پر قائم دائم رکھے، تو وہاں سائے کا یہ مفہوم نہیں ہوتا جو سایہ دھوپ میں نمایاں ہوتا ہے یا روشنی میں نمایاں ہوتا ہے، وہ ان کی شفقت، ان کی رحمت اور ان کا ہمارے متعلق اچھائی کی فکر کرنا، ہمارے لئے رحم کی فکر کرنا، اس قسم کا مفہوم مراد ہوا کرتا ہے جب ہم یہ بولتے ہیں استاذ کا سایہ، والدین کا سایہ، پیر کا سایہ، بزرگوں کا سایہ، یا ہم اپنے بڑوں سے کہتے ہیں کہ اللہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے تو یہاں سائے کا مفہوم اور ہوتا ہے۔

تو اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق اللہ کی ذات وصفات میں محتاط انداز یہی ہے کہ ہم یہی کہیں کہ جیسے اللہ کی شان کے لائق۔ بہرحال آخرت کا وقت ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ گرمی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہوگی ساری مخلوق محشر کے میدان میں اکٹھی ہوگی، اور سارے کے سارے اس انتظار میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ حساب لے اور ہمارا کوئی ٹھکانہ جو ہے وہ سامنے آجائے۔

آگے لمبی لمبی روایتیں ہیں حدیث شریف میں کہ وہاں پھر کیا حالات ہوں گے، ان میں پھر یہ بھی ہے کہ گرمی کی شدت اتنی ہوگی کہ انسان پسینے سے شرابور ہوں گے اپنے پسینے میں ڈوبتے پھریں گے کسی کا پسینہ ٹخنوں تک ہوگا، کسی کا گھٹنوں تک ہوگا، کسی کا کمر تک ہوگا، یہ سب الفاظ حدیث شریف میں ہیں اور فرمایا کسی کا پسینہ جس میں وہ ڈوبا ہوا ہوگا ایسے ہوگا منہ تک، جس طرح سے لگام دی ہوئی ہو، پانی میں دریا میں نہر میں آپ کھڑے ہوں پانی آپ کے منہ کے برابر ہو تو ایسے ہوتا ہے جیسے پانی نے لگام دے رکھی ہو یہ لفظ بھی حدیث شریف میں ہے تو ایسے شدت کے وقت میں جو انتہائی پریشانی کی بات ہوگی اور ہمارے عقیدے کے تحت ایسا ہونا ضروری ہے۔

ایمان کا تیسرا رکن عقیدہ معاد ہے:

آخرت کا عقیدہ اور آخرت کے احوالیہ یہ ایمان کا تیسرا جزء ہے تین بنیادی

رکن ہیں ایمان کے، توحید، رسالت اور معاد۔ معاد کا معنی مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کی طرف لوٹنا، معاد عود سے ہے، عود لوٹنے کو کہتے ہیں، مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کی طرف لوٹنا یہ عقیدہ اتنا ہی پکا ہے جتنا کہ توحید اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی رسالت کے متعلق ہمارا عقیدہ ہے، اتنا پکا عقیدہ ہے، لہٰذا لازماً مرنے کے بعد ایک وقت آئے گا جب اللہ تعالیٰ سب کو اُٹھائے گا اور سب کو جمع کرے گا آخرت کہہ لیجئے ، معاد کہہ لیجئے ، بعث بعد الموت کہہ لیجئے ،سب الفاظ اسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں کہ ہمیں لوٹ کر ایک دفعہ دوبارہ اسی کامل حیات کی طرف آنا ہے، ہمارا جسم ہماری روح اسی طرح سے متصل ہوگی جیسے اب ہے تو اس میں پھر ہماری گزری ہوئی زندگی کا حساب ہوگا۔

عادل حکمران قیامت کے دن اللہ کے سائے میں ہوگا:

اسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات آدمی نیک بخت ایسے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا ''یوم لا ظلّ الا ظله '' جس دن کہ اس کے سائے کے علاوہ کوئی دوسرا سایہ ہی نہیں ہوگا ،تو سات نیک بخت ایسے ہیں جن میں سے پہلے نمبر پر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''امام عادل'' وقت کا حاکم جو اپنی حکومت عدل وانصاف کے ساتھ کرے، عدل و انصاف کی رعایت رکھے، عدل و انصاف کا مفہوم آپ سمجھتے ہیں، یہ تشریح کرنا مقصود نہیں ہے، عدل وانصاف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جن پر اس کی حکومت ہے ان کے حقوق کا تحفظ کرے، ان کی جان مال عزت کا تحفظ کرے اور کسی کی حق تلفی نہ خود کرے نہ کسی کو کرنے دے۔ اصل میں حاکم عادل وہ ہوا کرتا ہے یہ مستقل موضوع ہے اس کو چھوڑیں۔

نوجوان عبادت گزار قیامت کے دن اللہ کے سائے میں ہوگا:

دوسرے نمبر پر جو لفظ ہے اصل کے اعتبار سے پیش نظر وہ ہے، دوسرے نمبر

پر لفظ ہے ''شاب نشاء فی عبادۃ اللہ'' ''شاب'' جوان آدمی جس نے اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں گزاری ہے، ''شاب نشاء فی عبادۃ اللہ'' جوان آدمی جس نے جوانی اللہ کی عبادت میں گزاری ہو یہ ان نیک بختوں میں ہے جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے خصوصی سائے میں جگہ دیں گے۔

عبادت اللہ کی بچپن میں ہو تو باعثِ برکت، بڑھاپے میں ہو تو باعث برکت لیکن جوانی کا زمانہ ایک ایسا زمانہ ہوا کرتا ہے کہ جس میں انسان کی خواہشات نفس پورے عروج پر ہوتی ہیں اور انسان کا دل جو ہے وہ عیش وعشرت کی طرف اور لذت اور مزہ کی طرف مائل ہوتا ہے، ویسے تو آپ نے سنا ہوگا مختلف لوگ شعروں میں جذبات کا اظہار کیا کرتے ہیں یا کوئی وعظ ونصیحت کا اظہار کیا کرتے ہیں۔

کسی زمانے میں ہم سنا کرتے تھے کہ لوگ یوں کہتے ہیں

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری

وقت پیری گرگ ظالم مے شود پرہیز گار

جوانی کے زمانہ میں توبہ کرنا اور اللہ کی طرف رجوع کرنا اور اپنی غلطیوں کو یاد کر کے رو کر اللہ سے معاف کروانا، ہر وقت اللہ کی فرمانبرداری میں رہنا اصل کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے، ادھر شہوات کا زور ہو اور انسان کے دل کے اندر مختلف شہوات ابھرتی ہوں اس وقت میں انسان خواہشات کو ٹھکرائے اور اللہ کے احکام کی رعایت رکھتا ہوا اللہ کی طرف متوجہ ہو اور اس کے سامنے توبہ اور استغفار کرتا رہے اللہ کی عبادت کرے تو اصل کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے۔ وقت پیری بڑھاپے میں جا کر کہتے ہیں گرگ ظالم مے شود پرہیزگار۔ گرگ کہتے ہیں بھیڑیے کو ظالم بھیڑیا جو ساری زندگی بھیڑیں پھاڑتا رہا اور بھیڑوں پر ظلم کرتا رہا تو جب وہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور منہ میں دانت نہیں رہتے تو وہ بھی پرہیزگار بن جاتا ہے جب منہ میں دانت ہی نہیں ہیں، پھاڑنے کی قوت ہی نہ رہے تو پرہیز نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا۔

اس لئے بڑھاپے کی جو عبادت ہے وہ بھی بہت قابلِ قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑھاپے میں کسی کو سیدھا ہونے کی توفیق دے دیں بہت بڑا انعام ہے اللہ کا، اس کی تحقیر کرنا مقصود نہیں، بلکہ بوڑھے آدمی پر اللہ تعالیٰ کو رحم زیادہ آتا ہے، جب عاجز اور مسکین ہو کر اللہ کے دروازے پر گرتا ہے، تو اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ یہاں بوڑھوں کی عبادت کی تحقیر کرنا مقصود نہیں، جوانوں کو عبادت کی ترغیب دینا مقصود ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ جوانی میں کرلو جو کچھ کرنا ہے، بڑھاپے میں جا کر انسان کچھ کرنا بھی چاہے تو کر نہیں سکتا اس لئے اصل کمائی کا دور جو ہوتا ہے وہ جوانی کا ہوتا ہے۔ تو شاب نشا فی عبادۃ اللہ وہ جوان جو اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں گزارے وہ ان سات نیک بختوں میں ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہوگی اور اللہ قیامت کے دن اپنے سائے میں ان کو جگہ دے گا۔

کچھ باتیں مولانا سعید احمد جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے:

توجہ ادھر اس لئے ہوئی کہ یہ مسجد منسوب ہے ہمارے بھائی ہمارے دوست مولانا سعید احمد شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اور ان کی زندگی میں ایک دفعہ یہاں حاضر بھی ہوا ہوں جب کہ ان کی بچی کا نکاح تھا اور وہ نکاح میں نے پڑھایا تھا۔

اس وقت یہ مسجد تعمیری مراحل میں تھی اس طرح سے مکمل نہیں تھی، میرے سے بہت چھوٹے تھے ان کے بڑے بھائی جو ہیں مولانا ربنواز صاحب وہ میرے ہم سبق ساتھی ہیں اور ان کے والد صاحب کے ساتھ بھی میرے مراسم تھے، تقریباً اس خاندان کے ساتھ تعلق انسٹھ (۵۹) ساٹھ (۶۰) سال سے ہے، ملنا جلنا اور ان کے ساتھ روابط ہیں اور یہ مولوی سعید تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا جب کی بات کر رہا ہوں، یہ چھوٹی عمر کے تھے ان کی عمر چوّن (۵۴) سال تھی، مجھے فارغ ہوئے ہوئے اٹھاون سال ہو چکے ہیں تو میرے خیال میں حقیقت اللہ جانتا ہے، اور کسی کی تعریف کا

حدیث پاک میں انداز یہی بتایا گیا ہے قطعی فیصلہ نہیں سنایا جاسکتا کہ ہم کہیں یقیناً ایسے ہیں، یقیناً اللہ کے نزدیک یہ ہیں، یقیناً اللہ کے ہاں ان کا مقام یہ ہے، اللہ جانے اور اللہ کا بندہ جانے۔

اس لئے سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی کی تعریف کرو تو یوں کہا کرو کہ میرے علم میں بات اس طرح سے ہے باقی حقیقت حال اللہ جانتا ہے تو اس نوجوان کو اللہ تعالیٰ نے جو توفیق دی میرے علم میں بچپن سے لے کر وفات تک ایک صالح نوجوان کی زندگی گزاری ہے، ایک عبادت گزار نوجوان کی زندگی گزاری ہے، اور اللہ کی قبولیت کے آثار میں سے تھا کہ چھوٹی عمر میں بہت کچھ کر گئے جو ہم سے اتنی بڑی عمر میں کچھ نہیں ہوسکا، وہ چوّن (۵۴) سال میں چلے گئے ہم اسّی (۸۰) کے پیٹے میں پھر رہے ہیں لیکن وہ بات نہیں ہے جو مولانا سعید صاحب چوّن (۵۴) سال میں کر گئے۔ چلو وہ تو پھر بھی عمر کی ایک حد کو پہنچے ہوئے تھے اور ان کا بیٹا حذیفہ میرے پاس ہی پڑھتا تھا کہروڑپکا میں میرے پاس ہوتا تھا۔

زندگی میں انسان کو سب سے زیادہ فکر دو چیزوں کی ہوتی ہے:

یہ کہتے ہیں کہ رزق اور موت اپنے وقت سے ٹلتے نہیں ہیں، زندگی میں انسان کو سب سے زیادہ فکر دو ہی باتوں کی ہوتی ہے، اگر آپ اپنی پوری کی پوری زندگی کا جائزہ لیں آپ نہیں بلکہ دنیا کی پوری نقل وحرکت اگر آپ دیکھیں تو یہ دو نقطوں کے اردگرد گھومتی ہے، جتنی دنیا میں بھاگ دوڑ ہے آپ غور فرمالیں صرف دو نقطے ہیں جن کے اردگرد انسان کی دوڑ ہے ایک رزق کا حاصل کرنا اور ایک موت سے بچنا، موت سے بچنے کی کوشش اور رزق کے حاصل کرنے کی کوشش انسان جس نہج پر بھی جدوجہد کررہا ہے آخر اس کے سامنے دونوں باتوں میں سے ایک بات ہے یا تو موت سے

بچنے کی فکر میں ہے یا رزق کے حاصل کرنے کی فکر میں ہے۔ چاہے افراد کوئی بھی ہو
لیکن آخر مقصود یہی ہے،

- یہ ہسپتالوں کا نظم،
- یہ ڈاکٹروں کا نظم،
- یہ طبیبوں کا نظم،

اور ہمارا انگلینڈ اور امریکہ تک بھاگنا علاج معالجہ کے لئے یہ کیا ہے؟ موت
سے بچنے کے تحت تو ہے کہ کسی طرح سے موت سے بچ جاؤں اور اس میں کیا ہوتا ہے
باقی کوشش جتنی بھی ہے وہ ساری کی ساری رزق کمانے کے لئے ہے تو رزق کی قدر
اور موت سے بچنا انسان کی زندگی کا حاصل یہ ہے۔

رزق اور موت وقت سے نہیں ٹلتے:

لیکن اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں سبق پڑھایا ہے اپنے قرآن میں اور جو مسلمان
کے عقیدے میں شامل ہے اس کا ہمیں استحضار نہیں رہتا؟ یہ ہمارے عقیدے میں شامل
ہے اور صبح شام رات دن کے دلائل اس کے اوپر قائم ہیں کہ نہ وقت سے موت ٹلتی ہے
نہ وقت سے رزق ٹلتا ہے، سرمایہ دار آدمی کروڑ پتی وہ بھی بھوکا مر جاتا ہے اگر کہیں بھٹکا
ہوا جنگل میں مر گیا تو بھی وہی بات ہے، اور اگر گھر میں تو سب کچھ موجود ہے لیکن ڈاکٹر
صاحب کہتے ہیں کہ تجھے بلڈ پریشر ہے نمکین چیز نہیں کھانی، نمکیات چھوٹ گئیں، ڈاکٹر
کہتا ہے کہ تیرا کولیسٹرول بڑھ گیا ہے تو نے چکنی چیز نہیں کھانی، گھی کی چیزیں ساری
چھوٹ گئیں۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ تجھے شوگر ہے میٹھی چیز نہیں کھانی میٹھا چھڑوا دیا، اور مصالحہ
دار چیزیں چھڑوا دیں اور گھی کے مرکبات چھڑوا دیئے اب خوراک وہ رہ گئی جو ایک
غریب انسان کی ہوتی ہے کہ گھاس کھاؤ، سبزیاں اگاؤ اور کھاؤ، روزمرہ کے واقعات
آپ کے سامنے ہیں۔

میں کوئی ایسی بات تو نہیں کہہ رہا کہ جس کو سمجھانے کے لئے دلیل کی ضرورت ہو آپ میں سے ہی ایسے بہت سارے ہوں گے جن پر ڈاکٹر نے پابندیاں لگائی ہوئی ہیں۔تو سب کچھ ہونے کے باوجود آپ نہیں کھا سکتے پوچھا کھاؤں کیا؟ جی سبزی ابال کر کھاؤ یا مونگی کی دال ابال کر وہ پی لیا کرو، تو ساری دنیا کے رزق کے مالک ہونے کے باوجود یہ سب چیزیں چھوٹ گئیں۔

اور یہی قصہ ہے موت کا کہ موت جب آتی ہے، عقیدے میں داخل ہے یہ بات کہ اللہ کی طرف سے اس کا وقت بھی متعین اور اللہ کی طرف سے جگہ بھی متعین، نہ یہ جگہ سے ٹلتی ہے، نہ یہ وقت سے ٹلتی ہے، جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے وہ ہو کر ہی رہتا ہے لیکن ہمیں چونکہ پتہ نہیں نہ وقت کا پتہ ہے نہ جگہ کا پتہ ہے اور ہمارے اوپر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اپنی جان کی حفاظت کی کوشش کریں جان کو ضائع کرنا ٹھیک نہیں لیکن باوجود کوشش کرنے کے، حفاظت کرنے کے ہوگا وہی جو اللہ چاہتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کے ایک شخص کی موت کا واقعہ:

کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کے دور میں عزرائیل آتے تھے تو نمایاں شکل میں آجاتے تھے اور پہچانے جاتے تھے کہ یہ عزرائیل ہیں" شفاء الصدور فی احوال الموتی والقبور" میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار تھا اور وہاں عزرائیل آگئے اور ایک آدمی کو یوں بڑے غور سے گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں۔ اور اس شخص نے دیکھ لیا کہ مجھے یہ بڑے گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں یہ موت کا فرشتہ ہے وہ ڈر گیا تو گھبرایا ہوا وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آکر کہتا ہے کہ حضرت مجھے تو عزرائیل علیہ السلام بڑا گھور گھور کر دیکھ رہا ہے مجھے تو بڑا ڈر لگ رہا ہے مجھے کسی دوسری جگہ پہنچا دو تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ تو کہاں جانا چاہتا ہے۔

تو وہاں روایت میں لفظ یہ ہے کہ حضرت مجھے ہندوستان کے کسی مقام پر پہنچادو، ہند کا لفظ ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا اور اس نے اس شخص کو اٹھایا اور اٹھا کر ہندوستان کے کسی علاقے میں پھینک دیا، جب وہاں پہنچا تو مر گیا، تو سلیمان علیہ السلام کے پاس دوسرے وقت میں عزرائیل علیہ السلام آئے تو سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ وہ ایک شخص تیری شکایت کر رہا تھا کہ تو اس کو گھور گھور کر دیکھ رہا ہے کیا بات تھی؟ وہ کہنے لگے کہ اللہ کا حکم تھا کہ اس شخص کی جان ہندوستان میں نکالنی ہے، میں حیران ہو رہا تھا کہ وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے یہ بیٹھا یہاں ہے، یہ دونوں باتیں پوری کیسے ہوں گی کہ جان نکالو اور نکالو بھی ہندوستان میں اور یہ بیٹھا یہاں ہے، وقت بہت تھوڑا رہ گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تدبیر ہوئی کہ اس نے خود درخواست کی کہ ہوا سے کہو کہ مجھے ہندوستان میں پھینک آئے اور ہندوستان میں پہنچ کر وہ مر گیا۔

اس لئے ''وما تدری نفس بای ارض تموت'' کسی کو پتہ نہیں کہ کہاں مرنا ہے قرآن میں اعلان ہے کہ کسی کو پتہ نہیں کہ کہاں مرنا ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جہاں موت مقدر کی ہوئی ہو انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت ڈالتے ہیں اور وہ سفر کر کے وہاں خود پہنچتا ہے گھر سے انسان پیسے نکالتا ہے کرائے کے اور جا کر کوشش کر کے ٹکٹ لیتا ہے اور بیٹھ جاتا ہے گاڑی میں، خوشی کے ساتھ کوئی مجبوری معلوم نہیں ہوتی ، اور جب شہر سے ۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر جاتا ہے تو ٹھاہ ہوگئی، اور ایکسیڈنٹ ہو کر مر گیا پیسے خرچ کر کے گیا، کرایہ اپنا خرچ کر کے گیا، جہاں مرنا تھا وہاں مر گیا۔

ایسی موت جو سعادت ہے:

لیکن آگے موت کی قسمیں ہیں کوئی موت ایسی سعادت کی موت ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے کسی کو ملے وہ موت نہیں حقیقت میں حیات ہوتی ہے، یہ ایک انعام ہے اللہ تعالیٰ کا، مرنا وقت پر ہے،

- سائیکل سے گر کر مر جاؤ،
- بس کے نیچے آ کر مر جاؤ،
- ڈوب کر مر جاؤ،
- عمارت کے نیچے آ کر مر جاؤ،

تو موت کی بہت قسمیں ہیں لیکن راہ حق میں جان دینے کی جو بات ہے کہ ایک آدمی اللہ کی عبادت کرتا ہوا کسی ظلم کا نشانہ بن جائے یہ موت بظاہر موت ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے حیات ہے۔

مرنے کے بعد صدقہ جاریہ کا ثواب ملتا رہتا ہے:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ انسان مر جاتا ہے لیکن اس کے اعمال تو ختم ہو جاتے ہیں، روزہ ختم، نماز ختم، سب کچھ ختم لیکن بعضے بعضے نیک کام ایسے ہوتے ہیں جو مرنے کے بعد بھی جاری رہتے ہیں ان نیک کاموں کو صدقہ جاریہ کہتے ہیں،

- صدقہ جاریہ میں مسجد ہے،
- صدقہ جاریہ میں مدرسہ ہے،
- صدقہ جاریہ میں دینی کتاب ہے،
- صدقہ جاریہ میں کوئی اچھا انسان تیار کر دینا ہے،
- شاگرد تیار کر دینا ہے جو دین کا کام کرے،

نیک اولاد ہے کہ اولاد کو نیکی سکھا دی وہ دعا کرتے رہیں یہ مرجانے کے بعد بھی اعمال سارے کے سارے جاری رہتے ہیں۔ اور یہ ان لوگوں کی نیک بختی ہے جن کو اللہ تعالیٰ ایسا کام کرنے کی توفیق دیتے ہیں جو سالہا سال تک جاری رہیں گے، ایسا ہوگا جیسا کہ زندہ ہیں اور نیکی کے کام کر رہے ہیں،

- مسجد صدقہ جاریہ،
- دینی کتابیں صدقہ جاریہ،
- شاگرد صدقہ جاریہ،
- اور نیک اولاد بھی صدقہ جاریہ ہے۔

مولانا جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند کا حال:

اور ان کے بعد ان کے نوجوان فرزند جو میرے پاس ہی پڑھتے تھے ان کا تو وہ حال ہوا جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آکر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوا مسلمان ہونے کے بعد جہاد میں شریک ہوگیا، جہاد میں شریک ہوا تو وہیں شہید ہوگیا، نہ نماز پڑھنے کی نوبت آئی، نہ روزہ رکھنے کی نوبت آئی، مسلمان ہوا مسلمان ہونے کے بعد میدان میں گیا اور وہیں شہید ہوگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے لفظ نکلا ''**عمل قليلاً اجر كثيراً**'' کہ یہ انسان تو ایسے ہے جس نے کام بہت تھوڑا کیا اجر بہت پالیا۔ ''**عمل قليلاً**'' بہت کم زمانہ عمل کیا لیکن ''اجر كثيراً'' اجر اللہ نے بہت دے دیا وہ نوجوان جو تھا حذیفہ وہ تو ''**عمل قليلاو اجر كثيراً**'' کا مصداق ہے، کیا عمر تھی ابھی، یعنی جس کو کہتے ہیں کہ ؎ غنچہ تھا ابھی کھلا بھی نہیں تھا لیکن اپنے باپ کے ساتھ وہ بھی اسی طرح سے اس میدان کو جلدی سے طے کر گیا۔

ہم اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ ''**شاب نشأفي عبادة الله**'' کا ہمارے سامنے مصداق ہے، ہمارا حسنِ ظن یہی ہے کہ اللہ کے ہاں ان کی خدمات، اللہ کے ہاں ان کی شہادت سب کچھ قبول ہے، اور انشاء اللہ العزیز ان کا شمار انہی سات نیک بختوں میں ہوگا جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سائے میں جگہ دیں گے جس دن اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

شہداء کے راستے کو اپنانا سعادت ہے:

اور ہمارے لئے سعادت اسی میں ہے کہ جس راستے پر چل کر انہوں نے اپنی جان قربان کر دی اور آج دنیا میں ان کی تعریف کی جارہی ہے، اور ہر زبان جو ہے جب وہ نام لیتی ہے تو رحمۃ اللہ علیہ کتنی محبت کے ساتھ نام لیتے ہیں، تو ہم بھی اپنی زندگی ایسی گزاریں کہ ہمارے مرنے کے بعد بھی ہمارا ذکرِ خیر باقی رہ جائے۔

ورنہ آپ جانتے ہیں کہ مرتے تو سارے ہیں، برساتی مینڈکوں کی طرح پیدا ہوتے ہیں، ٹرٹر کرتے ہیں کرنے کے بعد چلے جاتے ہیں کوئی نام ونشان باقی، نہ کوئی نام لینے والا، نہ کوئی دعا کرنے والا۔

اللہ تعالیٰ ایسے نیک بخت لوگوں کے نقشِ قدم پر ہمیں چلنے کی توفیق دے اور ان کے درجات اللہ بلند فرمائے اور ان کی طاعات عبادات جو انہوں نے اپنی زندگی کے اندر اللہ کی توفیق کے ساتھ کی ہیں اللہ ان کو قبول فرمائے اور ان کے یہ اچھے کام جاری کئے ہوئے اللہ تعالیٰ ان کو قیامت تک جاری رکھے اور ان کے لئے بلندی درجات کا ذریعہ بنائے۔

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

درس شکر

بموقع: فضلاء کنونشن

بتاریخ: ۱۷ رجب ۱۴۳۳ھ

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

آج جسمانی تھکاوٹ کے باوجود خوشی محسوس کر رہا ہوں:

بہت مسرت اور خوشی کا مقام ہے کہ آج ہم ایک نسبت کے ساتھ یہاں اس مسجد میں جمع ہیں اگرچہ بدنی تھکاوٹ کا شکار ہوں کیونکہ بہت دنوں سے یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ ظہر تک رات کی تھکاوٹ اترتی ہے، آپ حضرات کے سامنے ہے جو یہاں موجود ہیں رات کو ڈیڑھ بجے سوا ایک بجے آتا ہوں اور آ کر کچھ کھایا پیایا، لیٹتا ہوں تو بڑی مشکل سے رات کو دو گھنٹے آرام ملتا ہے اسی طرح فجر کے بعد فجر کی نماز پڑھ کر لیٹتا ہوں تو ظہر تک تھکاوٹ اترتی ہے پھر اگلا سفر شروع ہو جاتا ہے۔

آج بھی رات بارہ بجے یہاں پہنچا ہوں یہیں آ کر کھانا کھایا ہے آج آپ حضرات کی ملاقات کی وجہ سے جلدی اٹھنا پڑ گیا اس وقت سینے پر دباؤ ہے اور ایک غلطی یہ کر چکا ہوں کہ میں نے ناشتہ کر لیا ہے ناشتہ نہ کرتا تو شاید میں ٹھیک رہتا تو کافی بوجھ طبیعت پر ہے جسمانی بوجھ۔

لیکن الحمدللہ اس کے ساتھ ساتھ روحانی مسرت ہے آپ حضرات سے ملاقات کی، لقاء محبوب بہت بڑی خوشی کی بات ہے پرانا زمانہ تازہ ہو جاتا ہے آپس میں ایک دوسرے کی خیریت معلوم ہو جاتی ہے۔

بنی آدم کا پہلا اجتماع:

آپ سب علماء ہیں کوئی نئی بات آپ کو کیا بتاؤں، اجتماع اور اجتماع کے بعد انتشار اور انتشار کے بعد اجتماع یہ اللہ تعالیٰ کی عادت اس خلق کائنات میں اسی طرح سے ہے، قرآن کریم میں آپ نے پڑھا کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو بنایا آدم علیہ السلام سے ہی حواء کو پیدا کیا۔ ابتداء آگے جو نسل سے کی ہے تو یکدم سارے بنی آدم کو جو قیامت تک ہونے والے تھے سب آدم کے سامنے موجود کر دیے یاد ہے آپ کو حدیث شریف میں آتا ہے آپ بھی اس مجلس میں ہوں گے ساری مخلوق وہاں اکٹھی کر دی۔

یہ اجتماع تھا جس کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی اور پوری کائنات میں جتنا اولاد آدم علیہ السلام نے پھیلنا تھا وہ اس میدان میں آدم علیہ السلام کے سامنے اکٹھے کر دیے۔ حدیث شریف میں انہی لفظوں کے ساتھ یہ واقعہ آیا ہوا ہے اگرچہ وہاں جو لفظ بولے گئے ہیں ان لفظوں کا بولنا متشابہات میں سے ہے اس لیے اس کو نہ ہم اشارے کے ساتھ اس کی مثال دے سکتے ہیں اور نہ لفظوں میں سمجھا سکتے ہیں۔

وہاں لفظ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کر کے آدم علیہ السلام کے سامنے کیں کہ ان میں سے ایک کو اختیار کر لو، روایت میں الفاظ یہ ہیں تو آدم علیہ السلام نے کہا ''اخترت یمین ربی ''میں اپنے رب کی یمین کو اختیار کرتا ہوں، دائیں طرف والی مٹھی اختیار کرتا ہوں لیکن وہاں اشتباہ تھا کہ دوسرے ہاتھ کو یمین کے مقابلہ میں شمال کہا جائے، آپ جانتے ہیں شمال یمین کے مقابلہ میں تھوڑا سا کمی کو لیے ہوئے ہوتا ہے اس لیے فوراً اس اشکال کا ازالہ بھی کر دیا ''کلتا یدی ربی یمین'' میرے رب کے تو دونوں ہاتھ ہی یمین ہیں اب یہ باتیں کہ اللہ کا ہاتھ اللہ کی مٹھی یہ دونوں ہاتھ یمین ہیں یہ سب لفظ متشابہات میں سے ہیں اس لیے میں نے کہا کہ ان کی تعبیر مشکل ہے یوں کر کے اشارہ کرنا کہ اللہ نے یوں مٹھیاں بند کی ہوئی تھیں۔

یہ بات بھی تشبیہ کی طرف لے جاتی ہے اس لیے یہ بھی مناسب نہیں ہے اس لیے میں نے کہا کہ اشارے کے ساتھ بھی یہ بات نہیں کی جا سکتی ہے وہ بھی ایک تشبیہ ہے کہ ہم یوں کہیں کہ اللہ نے مٹھیاں یوں کی تھیں اور کہا کہ ان میں سے ایک اختیار کر لو، اس سے بچنا چاہیے ''لیس کمثلہ شی'' اللہ جیسی کوئی شی نہیں جو بھی اس کی شان کے لائق بہر حال جب اللہ تعالیٰ نے آدم کے سامنے مٹھی کھولی اپنی شان کی لائق جو بھی اس سے مراد ہے تو اچانک اس میں آدم علیہ السلام کی ساری اولاد جو قیامت تک آنے والی تھی ساری سامنے آ گئی آدم علیہ السلام کی پوری اولاد تو اللہ تعالیٰ نے یہ سارا اجتماع بلا کر آدم علیہ السلام کو دکھایا۔
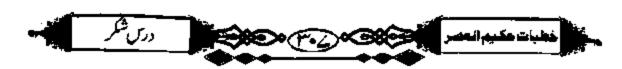
حضرت آدم علیہ السلام کا سوال:

روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے سارے بچوں کو دیکھا تو

- کوئی اندھا تھا،
- کوئی کانا تھا،
- کوئی لنگڑا تھا،
- کسی کے ہاتھ نہیں تھے،
- کسی کے پاؤں نہیں تھے،
- کوئی کمزور تھا،
- کوئی طاقت ور تھا،

حتی کہ اس میں ہے "ورای الغنی والفقیر" یعنی جو مال دار رہنے والا تھا وہ مالدار نظر آ رہا تھا، اور جو فقیر رہنے والا تھا وہ فقیر نظر آ رہا تھا، یہ ساری کیفیات اللہ نے آدم کی اولاد کی آدم علیہ السلام کے سامنے واضح کر دیں اور یہ جو تعلق ہے والد اور اولاد والا یہ بھی ایک عجیب تعلق ہے اور اس کے اثرات یا لوازمات وہ لوگ زیادہ بہتر سمجھتے ہیں جن کی اولاد ہے میں تو نقل کر رہا ہوں مجھے تجربہ نہیں ہے لیکن جن کی ہے وہ بہتر سمجھتے ہیں۔

جب یہ سارے حالات آدم علیہ السلام کے سامنے آئے تو آدم بول اٹھا "لو لا سویت بین عبادك" اے رب! ان سب کو ایک جیسا کیوں نہ بنا دیا؟ یہ سارے ایک جیسے ہوتے،

- کوئی دونوں آنکھوں سے اندھا ہے،
- کوئی دو آنکھوں والا ہے،

- کسی کی ٹانگیں نہیں ہیں،
- کسی کا بازو نہیں ہے،
- کسی کا یہ ہے،
- کسی کا وہ ہے،

تو "لولاسویت بین عبادك" سب بندوں کو ایک جیسا کیوں نہ کردیا تو جس کا مطلب یہ ہے آج کل کی اصطلاح میں کہ مساوات کا سب سے پہلے مطالبہ گویا کہ آدم علیہ السلام نے کیا ہے کہ سب کو ایک جیسا کردے اگر سب کو ایک جیسا کرنا مصلحت کا تقاضا ہوتا تو اول تو اللہ ابتداء سے ہی ایسا کردیتا یوں کہہ دیتا کہ اچھا آدم اگر تیری خواہش ہے تو تیری خواہش کو پورا کرتا ہوں سب کو ایک جیسا بنا دیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا جواب:

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا" یا آدم احببت ان اشکر" آدم! مجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ میرا شکر ادا کیا جائے، میں بندوں کو شکر گزار دیکھنا چاہتا ہوں، آدم کا سوال ہے کہ سب کو برابر کیوں نہ کردیا؟ اللہ کا جواب یہ ہے کہ میں بندوں کو شکر گزار دیکھنا چاہتا ہوں ان دونوں باتوں کا آپس میں جوڑ کیا ہے؟ جوڑ یہ ہے کہ جس وقت تک کسی نعمت کا زوال سامنے نہ ہو نعمت کی قدر نہیں آتی۔

اگر سارے ہی آنکھوں والے ہوتے تو آنکھ کی قدر نہ ہوتی، جس وقت آپ کسی اندھے کو ٹھوکریں کھاتا ہوا دیکھتے ہیں تو پھر آپ کو آنکھوں کی قدر آتی ہے، آپ کہتے ہیں اللہ! تیرا شکر ہے کہ میری آنکھیں ٹھیک ہیں، جب کسی لنگڑے کو آپ دیکھتے ہیں جس کی ٹانگیں نہ ہوں وہ حرکت نہ کرسکے تو پھر آپ کو اپنی ٹانگوں کے نعمت ہونے کا احساس ہوتا ہے کہ ٹانگیں کتنی بڑی نعمت ہیں غرض یہ کہ یہ ساری چیزیں جتنی بھی ہیں کسی کے پاس ہیں کسی کے پاس نہیں ہیں۔ تلاش کیا ہوا ایسا آدم کا بچہ نہیں ملے گا جو ہر

نعمت سے محروم ہو اور تلاش کیا ہوا ایسا آدم کا بچہ نہیں ملے گا جس کے پاس ہر نعمت موجود ہو، یہ ہے جو اللہ نے مساوات نہیں رکھیں اور اس کے ساتھ دنیا کا نظم قائم ہے کوئی آدم کا بچہ ایسا نہیں ہے کہ جس کے پاس کوئی نہ کوئی نعمت موجود نہ ہو، ساری نعمتوں سے محروم ہو ایسا نہیں ہے اگر ایک کے پاس مال ہے اولاد نہیں ہے، ایک کے پاس اولاد ہے مال نہیں، ایک کو سر کا درد ہے پیٹ ٹھیک ہے، اور ایک کو پیٹ کی گڑ بڑ ہے سر ٹھیک ہے، اس طرح سے اگر سوچیں گے تو آپ کو نظر آئے گا کہ کوئی نہ کوئی نعمت ہر بندے کے پاس موجود ہے، نعمت سے خالی کوئی بندہ نہیں ہے اور ایسا بندہ تلاش کیا نہیں ملے گا آپ کو کہ جس کے پاس ہر نعمت موجود ہو تو یہ اللہ تعالیٰ نے جو فرق رکھا ہے اس فرق رکھنے کی حکمت اللہ نے خود بتادی تا کہ شکر گزاری کے جذبات پیدا ہوں۔

یہ سارا فرق جو رکھا ہے اس لیے ہے تا کہ شکر گزاری کا جذبہ آدم کی اولاد میں ہو، یہ تو ایک اضافی بات درمیان میں آگئی کہنا یہ چاہتا تھا کہ ایک اجتماع اللہ نے اس وقت بنایا ہے آدم علیہ السلام کے سامنے سارے اکٹھے کردیے اور بھی اس میں واقعات ہیں جو حدیث میں آتے ہیں، قرآن کی تفسیر میں ان کی طرف اشارہ موجود ہے اور بھی کئی واقعات ہیں اس میدان کے لیکن وہ سارے ذکر کرنے مقصود نہیں ہیں بہر حال یہ پہلا اجتماع تھا آدم علیہ السلام کی اولاد کا جو آدم علیہ السلام کے سامنے اللہ نے دکھایا۔

اجتماع کے بعد انتشار:

پھر اس اجتماع کو منتشر کردیا اتنا منتشر کردیا کہ کوئی جنگل، کوئی پہاڑ، کوئی ریگستان، کوئی جزیرہ، کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں آدم کی اولاد پھیلی ہوئی نہ ہو انتشار ہی انتشار ہے جب پھیلا دیا اور وہ آپ کے سامنے ہے کہ آدم کی اولاد کتنی منتشر ہے۔

ہر چیز انتہاء پر پہنچنے کے بعد ابتداء کی طرح ہو جاتی ہے:

اس انتشار کے بعد پھر کہتے ہیں "النهاية ما اليه البداية" انتہاء میں پھر

وہی ہوتا ہے جو ابتداء میں ہوتا ہے کسی نے جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اہل اللہ کے ہاں ایک ابتداء ہوتی ہے سلوک کی اور ایک انتہاء ہوتی ہے اس کی علامت کیا ہے؟ انتہاء کی علامت کیا ہے؟ فرمایا "النهاية ما اليه البداية" نہایہ بدایہ کی طرف لوٹنا ہی ہے جہاں سے شروع ہوئے وہیں لوٹ کر آگئے، ہانڈی جس وقت ابتدائی مراحل میں ہوتی ہے تو بڑی پرسکون پھر اس کے نیچے آگ جلاتے ہیں تو بڑا شور مچاتی ہے چھلانگیں مارتی ہے لیکن جس وقت تیار ہو جاتی ہے پھر خاموش ہو جاتی ہے جہاں سے کام شروع ہوا تھا وہیں پر ختم ہو گیا۔

اس طرح سے جس وقت کورے گڑھے میں پانی ڈالتے ہیں تو بہت سوں سوں کرتا ہے اور جس وقت پانی اچھی طرح سے رچ جاتا ہے تو پھر ویسے ہی ہو جاتا ہے پھر ڈالتے رہیں نکالتے رہیں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

کامل انسان کی علامت:

بالکل انسانی کیفیت یہی ہے کہ یہ مٹی کا بنا ہوا پتلا جب اس کا رخ اللہ کی طرف ہوتا ہے اور کچھ روحانی کیفیات اس کے اوپر اثر انداز ہوتی ہیں تو

 اس کو بڑے ولولے اٹھتے ہیں،

 بڑے بڑے دعوے منہ سے نکلتے ہیں،

 بڑی عجیب کیفیات طاری ہوتی ہیں،

لیکن کمال کو پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ جیسے مٹی پہلے تھا ویسے مٹی بن گیا۔

انبیاء علیہم السلام کے حالات کو آپ دیکھیں گے کسی کے منہ سے اس قسم کی بات نہیں نکلتی کہ جس سے ان کی بڑائی کا اظہار ہوتا ہو اور جو اظہار کیا ہے وہ یہ کہہ کر کیا ہے "ولا فخر" یہ عقیدہ ہے جس کا اظہار کرنا دینی طور پر ضروری ہے یہ بات بطور فخر کے نہیں کہہ رہا، اس لیے جو اللہ کا ولی ہوتا ہے صحیح طور پر اس کی حالت عوام جیسی ہوتی ہے جیسے

عوام کوئی دعوے نہیں کرتے یہ اللہ کا ولی بھی دعوے نہیں کرتا عام آدمی پہچان نہیں سکتا کہ یہ اللہ کا ولی ہے جیسی تواضع انکساری اور اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا ابتدائی مرحلہ میں ہوتا ہے تو یہی سب کچھ آخری مرحلے میں ہوتا ہے تو اس کو کہتے ہیں ”عو دالی البدایة“ لوٹ کر انسان پہلی حالت کی طرف آ گیا، مستیاں شور نعرہ بازی ہائے ہو، سب درمیانی منزلیں ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی کو کمال دیتے ہیں تو کمال کے بعد وہی پہلی حالت ہوتی ہے،

- سکون آ جاتا ہے،
- اطمینان آ جاتا ہے،
- جوش وخروش نہیں ہوتا،
- سرکشی نہیں ہوتی،
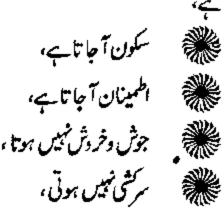
اس لیے جس کے اوپر اس قسم کی کیفیات طاری ہوتی ہیں تصوف کی اصطلاح میں اس کو خام قرار دیا جاتا ہے کامل نہیں قرار دیا جاتا ہے یہ تصوف کا مسئلہ ہے کوئی صوفی بیٹھا ہو تو مہربانی کر کے ناراض نہ ہو کہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ یہ چیخنا چلانا یہ شور مچانا بھی کامل ہونے کی علامت ہے، کامل ہونے کی نہیں یہ درمیان میں ہانڈی کے جوش ہیں، جب ہانڈی پک جائے گی ٹھیک ہو جائے گی یہ سب درمیان کے جوش ہوتے ہیں۔

آدم! جہنم کا حصہ علیحدہ کر دے:

بہرحال پھر ایک وقت آئے گا پھر آپ سب کو ایک میدان میں اکٹھا کر دیں گے جب سارے اکٹھے ہو جائیں گے تو اس وقت کا اظہار حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدم اس وقت بھی موجود ہوں گے، اور خطاب اس وقت بھی اللہ تعالیٰ آدم کو کرے گا کہ آدم! اپنی اولاد میں سے جہنم کے حصہ علیحدہ کر دے، جنتیوں کو علیحدہ کر دے، اپنی اولاد

میں سے جہنم کا حصہ علیحدہ کردے۔ آدم پوچھے گا" یا رب من کم کم " کتنوں میں سے کتنا، یہ اولاد میں سے کتنوں میں سے کتنے جہنم کیلئے علیحدہ کرنے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ کہے گا ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم کیلئے علیحدہ کردے، ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے مطلب یہ ہے کہ ایک جنتی اور نو سو ننانوے جہنمی یہ خطاب بھی آدم کو ہے۔

یہ بات سن کر حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ وہ وقت ہوگا جو آتا ہے کہ

- بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے،
- حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے،
- اور دوست دوستوں کو بھول جائیں گے،
- مائیں بچوں کو بھول جائیں گی،

اس وقت یہ ایسی ہولناک کیفیت ہوگی جس کا ذکر سورۃ الحج کی ابتداء میں ہے "ان زلزلة الساعة شی عظیم یوم ترونها تذهل کل مرضعةعما ارضعت و تضع کل ذات حمل حملها وتری الناس سکری" لوگوں کا حال ایسا ہو جائے گا مدہوش اور مست جیسے نشہ پیا ہوا ہو، لڑکھڑاتے پھرتے ہیں، گرتے پھرتے ہیں "وماهم بسکری" نشے میں نہیں ہوں گے "ولکن عذاب الله شدید" اللہ کا سخت عذاب سامنے ہوگا جس کی بناء پر ہوش اڑے ہوئے ہوں گے اور ایسے ہوگا جیسے انسان نے نشہ پیا ہوا ہو، یہ قرآن کریم میں ہے۔

ساری انسانیت حضور ﷺ کے پرچم تلے:

جب یہ اجتماع ہوگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لواء الحمد بیدی آدم وما سواه تحت لوائی" اس میدان میں جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا آدم بھی اور آدم کے بعد آنے والے جتنے لوگ ہوں گے سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا، اس " لا فخر " کے عنوان کے ساتھ بہت ساری باتیں

حضورﷺ نے بیان فرمائیں،

- یہ بات بھی ہوگی" لا فخر "،
- یہ بات بھی ہوگی" لا فخر "،

کہ دینی عقیدہ ہونے کے طور پر اس کا اظہار کر رہا ہوں کہ عقیدہ یہ ہے یہ بات میں بطور فخر کے نہیں کہہ رہا۔

فخر نہیں، شکر کرو:

اس لیے میں نے کئی دفعہ یہ بعض مجمعوں میں گستاخی کی ہے اپنے دوستوں کی شان میں بڑوں کی موجودگی میں، کئی جگہ ایسا ہوا بڑوں کی موجودگی میں چھوٹوں کی شان میں میں نے گستاخی کی ہے جو جلسوں کے دوران میں کھڑے ہو کر مدرسے کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات پر فخر حاصل ہے کہ ہمارے مدرسے میں یہ ہوتا ہے، ہمیں یہ فخر حاصل ہے کہ ہمارے مدرسے میں یہ ہوتا ہے، ہمیں یہ فخر حاصل ہے کہ ہمارے مدرسے کے فضلاء یوں کرتے ہیں، ہمیں یہ فخر ہے، یہ لفظ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میز پر کسی نے اینٹ اٹھا کر ماری ہو، میں بول پڑتا ہوں، میں چپ نہیں رہتا، میں کہتا ہوں اللہ کے بندو! یوں نہ کہو یوں کہو کہ اللہ تیرا شکر ہے کہ ہمارے مدرسے میں یہ ہوتا ہے، اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں اس بات کی توفیق دے رکھی ہے، نبی اپنی بات کرتا ہوا کہتا ہے" لا فخر " اور تم اپنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا ذکر کر کے فخر کر رہے ہو، کئی جگہ میں نے ٹوکا، بڑوں کی موجودگی میں ٹوکا ہے لیکن ٹوکا چھوٹوں کو ہے کیونکہ یہ باتیں چھوٹے زیادہ کرتے ہیں، بڑے یہ بات نہیں کہا کرتے، آج یہ بعض باتیں ہم سوچتے نہیں حالانکہ وہ حقیقت کے اعتبار سے بہت اہم ہوتی ہیں، کبھی یہ بات نہ کہو کہ مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے، ہمارے مدرسے کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں یہ کام ہوتا ہے، ہماری جماعت کو یہ فخر حاصل ہے،

کوئی فخر نہیں ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرو، اس نے اگر توفیق دے دی ہے تو یہاں اظہار میں کوئی حرج نہیں یہ اظہار واقعہ ہے کہ ہمارے ہاں حفظ میں اتنے بچے ہیں اللہ کا شکر ہے، ہمارے ہاں دورہ حدیث شریف میں اتنے بچے ہیں اللہ کا شکر ہے، اللہ نے ہمیں توفیق دی ہے کہ ہم نے یہ کام کر دیا ہے، اور ہمارے علاقے میں یہ یہ ہے اللہ کا شکر ہے، یہ اندازِ گفتگو جو ہے یہ پیغمبرانہ اندازِ گفتگو ہے اور وہ فاخرانہ گفتگو جو ہے وہ اسوہ حسنہ کے مطابق نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ یہی ہے کہ اظہار واقعہ کرتے ہوئے ہر جملے کے ساتھ یہ بات ہے" لا فخر " میں قیامت کے دن یہ کام کروں گا " لا فخر "میں اللہ کے دربار میں سفارش کیلئے جاؤں گا" لا فخر " میں سید ولد آدم ہوں گا قیامت کے دن" لا فخر " اظہار اس لیے کیا کہ ایک واقعہ ہے اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی عاجزی وانکساری:

جیسے مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ مولویت کی تہمت لگ گئی ہے میرے پر اگر یہ مولویت کی تہمت نہ ہوتی تو قاسم اپنے آپ کو ایسا مٹاتا کہ کسی کو پتہ بھی نہ ہوتا کہ ماں نے جنا بھی ہے یا نہیں، اتنا مٹی میں دبے تو یہ تناور درخت نکلا جتنا انسان گہرائی میں جاتا ہے اتنا اس کا فیض زیادہ ہوتا ہے۔

دور کے ڈھول سہانے:

اس لیے شکر کے جذبات انسان میں کمال پیدا کرتے ہیں اور فخر ہونا یہ خالی گڑھے کی طرح کھڑکنے والی بات ہے کہتے ہیں کہ خالی گڑھا ہو تو خوب کھڑکتا ہے لیکن بھرا ہوا ہو تو اس میں آواز نہیں ہوتی، یہ محاورے ہوتے ہیں۔ یہ پنجابی کا محاورہ ہے جو ہمیں بھی کتنی دیر تک سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ لفظ اس کے پرانی اردو کے تھے "تھوتھا چنا باجے گھنا" اصل محاورہ یہ ہے "تھوتھا چنا باجے گھنا" اردو کی کتابوں میں

یہ محاورہ آیا کرتا تھا، تھوتھا چنا سے مراد ہے کہ وہ چنا جس کو اندر سے کیڑے نے کھایا ہو اور وہ کھوکھلا ہو گیا ہو تو جب اس کو آپ یوں یوں کرتے ہیں تو وہ کھڑ کتا زیادہ ہے اصل چنے کے مقابلہ میں تو "تھوتھا چنا باجے گھنا" تو یہ آواز کا آنا اندر سے خالی ہونے کی علامت ہے۔

ڈھول اتنا شور کیوں مچاتا ہے؟ کیونکہ اندر سے خالی ہوتا ہے کہتے ہیں "دور کے ڈھول سہانے" دور سے بجتا ہوا ڈھول بڑا اچھا لگتا ہے پاس جا کر دیکھو گے تو اندر سے خالی ہوگا۔

ہم سب ایک ہی درخت کی مختلف شاخیں ہیں:

تو یہ ساری کی ساری حقیقت کہ ابتداء میں بھی اجتماع تھا، آخر میں بھی اجتماع ہے اور ابتداء میں اجتماع کے حالات ابتدائی تھے آخر میں انتہائی ہیں درمیان میں انتشار بھی ہوتا ہے آنا جانا بھی ہوتا ہے اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انسان یہ دیکھے کہ ہم ایک وجود سے پھیلے ہیں اور ہمارا کمال یہ ہے کہ ہم اس وجود کے ساتھ جڑ کر رہیں تو ہم ایک ہی نسل، ایک ہی خاندان اور ایک ہی قبیلہ سارے کا سارا بنتا چلے جائیں گے، شاخیں پھوٹتی چلی جائیں گی،

- ایک شاخ باب العلوم ہے یہاں کے فاضل بھی علماء دیو بند کا حصہ،
- ایک شاخ شجاع آباد فاروقیہ ہے وہاں کے فاضل بھی علماء دیو بند کا حصہ،
- ایک شاخ قادریہ خنیفہ ہے وہ بھی علماء دیو بند کا حصہ،

اکٹھے ہو کر یہ یہاں آجائیں گے یہاں سے جا کر اوپر جا کر پھر جڑ جائیں گے جڑتے جڑتے ساری امت جو ہے وہ آپ کو ایک درخت کی شکل میں نظر آئے گی جو تخم سے شروع ہوتی ہے اور پھیلتے پھیلتے ایک تناور درخت ہو جاتا ہے "اکلها دائم و ظلها" (سورة الرعد) ہو جاتا ہے۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ:

لیکن سرسبز شاخ وہی ہوتی ہے جو تنے کے ساتھ جڑی رہے اور جہاں کٹی وہیں مری یعنی خشک ہوئی، یہ اصل لفظ سمجھنے کا ہے اس کو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے الفاظ میں کہا ہے،

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

درخت کے ساتھ جڑے رہو کسی وقت بھی بہار آجائے گی اور اگر درخت سے کٹ گئے تو کٹی ہوئی شاخ پر بہار نہیں آیا کرتی، ہم چھوٹی چھوٹی شاخوں میں بٹے ہوئے ہیں لیکن آگے ہم جڑتے چلے جاتے ہیں آگے ایک مرکزی نقطہ ہمارا دیوبند ہے وہاں جاکر اکٹھے ہو جاتے ہیں کہ دیوبند سے آگے دنیا کے اندر بہت سارے ادارے ہیں وہ سارے اکٹھے ہو کر مدینے سے جڑ جاتے ہیں، مدینے سے یہ سارا پھیلاؤ ہے اور آخر کار اجتماع مدینے کے ساتھ ہے تو بہار اگر دیکھنی ہے تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ درخت کے ساتھ جڑے رہو تو بہار ہے، درخت سے علیحدہ ہو جاؤ گے تو پتے جھڑ جائیں گے، سوکھ جاؤ گے، جلانے کے قابل ہو جاؤ گے پھر بہار نہیں آیا کرتی یہ لفظ اگر میرے یاد رہ جائیں آپ حضرات کو تو ان شاء اللہ العزیز اس میں ایمان کا تحفظ بھی ہے اور جماعت کی قوت بھی ہے۔

یہ باب العلوم آپ کے لیے آپ کا آخری نکتہ نہیں ہے، باب العلوم ایک چھوٹی سی شاخ ہے اس درخت کی اور بے شمار شاخیں اس کی ہمارے ملک میں ہیں، جڑ ہماری ایک ہے یہاں ہندوستان میں رہتے ہوئے ہماری جڑ چلی جاتی ہے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے وہاں سے ہم سارے کے سارے پھیلے ہوئے ہیں، ہمارے نظریات، ہمارے خیالات سب

متوارث ہیں جو کہ ورثہ کے طور پر منتقل ہوتے آ رہے ہیں تو جڑے رہیں گے تو عقیدہ بھی ٹھیک رہے گا۔

ہمارے لیے جسمانی اور روحانی دونوں نسب باعث شرف ہیں:

اب براہ راست ہم مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے نہیں جڑ سکتے تھے جیسے اللہ نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو بالواسطہ پھیلایا ہے اس طرح سے ہمارا یہ سلسلہ بھی بالواسطہ پھیلا ہے چونکہ اپنے ہی بیٹھیں ہیں ایسی کوئی بات نہیں نہ کسی کے اوپر اعتراض کرنا مقصود ہے سمجھانے کیلئے کہہ رہا ہوں آپ سارے آدم علیہ السلام کے بیٹے ہو؟ مانتے ہو آدم کے بیٹے ہو لیکن جب تم سے پوچھا جائے کہ تمہارا باپ کون ہے تو تم کیا کہتے ہو آدم؟ کیا کہتے ہو؟ اپنے باپ کا نام لیتے ہو، پھر دادا کا نام لیتے ہو، پھر بڑے دادا کا نام لیتے ہو اگر یاد ہو، عرب میں سارا نسب نامہ آخر تک یاد رکھتے ہیں تو ہم ہزار ہزار واسطے کے ساتھ آدم سے جڑے ہوئے ہیں آدم کے بچے ہیں لیکن ہمارے درمیان اور آدم کے درمیان ایک ہزار واسطہ ہے۔

ایک نوجوان سے آپ پوچھتے ہیں کہ بھائی تو کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں آدم کا بیٹا ہوں تو اسے کہا جائے گا کہ اپنے باپ کا نام بتا، پچھلے دنوں اخبارات میں یہ بات آئی کہ جو شخص اپنے باپ کا نام نہیں بتا سکتا وہاں کیا لکھا جائے؟ بتانے والے نے مجھے بتایا، خبر میں نے نہیں پڑھی کہ ہمارے صدر محترم نے جواب دیا تھا کہ وہاں میرا نام لکھ دیا کرو (یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ خبر پڑھی ہے) جس طرح سے یہ جسمانی نسب شرافت ہے اسی طرح سے علمی نسب اس سے بڑھ کر شرافت ہے۔

اساتذہ کی شکرگزاری:

میں اس بات کو اپنے لیے شرف سمجھتا ہوں اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اس پر کہ مجھے اپنے اساتذہ کے نام یاد ہیں اور میں نہایت محبت کے ساتھ عظمت کے ساتھ

ان کی شکر گزاری کرتا ہوا ہر سٹیج پر ان کا تذکرہ کرتا ہوں کہ میرا یہ بھی استاذ ہے، میرا یہ بھی استاذ ہے یہ شکر گزاری کا ایک طریقہ ہے کہ احسان اگر آپ پر کسی نے کیا ہے، دیا سب کچھ اللہ کے لیے لیکن جو اس دینے میں واسطہ بنا ہے وہ بھی آپ کا محسن ہے اس کی شکر گزاری پہلے اللہ کی بعد میں "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" جو لوگوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں، لوگوں کے شکر گزار ہونے کا کیا معنی کہ جو واسطہ بنے ہیں آپ کو کسی نعمت کے حاصل ہونے کا ان کی بھی شکر گزاری کرو" من اثنی فقد شکرو من کتم فقد کفر" جو اپنے محسن کی تعریف کرتا ہے کہ مجھ پر فلاں نے یہ احسان کیا، فلاں نے یہ احسان کیا "فقد شکر" وہ شکر گزار ہے۔

احسان کرنے والے کو جتانے کا حق نہیں ہے وہ اگر جتائے گا تو احسان باطل ہوجائے گا لیکن جس پر کیا گیا ہے اس کیلئے شکر گزاری یہ ہے " من اثنی فقد شکر ومن کتم فقد کفر" اگر تم چھپاؤ گے کسی کے احسان کا تذکرہ تک نہیں کرو گے اور اپنے محسن کی تعریف نہیں کرو گے تو یہ ناشکری ہے اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ فرمایا تذکرہ کرتے ہوئے "ان اشکرلی ولوالدیك" میرا بھی شکر ادا کرو اور والدین کا بھی، پیدا ہمیں کس نے کیا؟ اللہ نے، واسطہ کون بنا؟ والدین، اللہ کہتا ہے کہ میرے شکر گزار بھی ہو کر رہو اور والدین کے شکر گزار بھی ہو کر رہو "ان اشکرلی ولو الدیك" اپنے والدین کے بھی شکر گزار بنو اور میرے بھی شکر گزار بنو، تو یہ شکر گزاری کا جذبہ ہے جو اللہ کے نزدیک بندہ کو محبوب بناتا ہے

سب سے زیادہ شکر گزار خاندان:

جس طرح ایک روایت آتی ہے جس کا حضرت مولانا شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ ص میں تذکرہ کیا ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر آیا ہے، داؤد کو جو فتنہ پیش آیا تھا وہ کیا فتنہ تھا اس کی تفصیل میں وہ سارا تو میں ذکر نہیں کرتا اس

میں سے ایک اثر نقل کیا ہے کہ بندہ جس وقت کہتا ہے کہ یا اللہ! تو نے مجھے توفیق دی میں نے نماز پڑھی، اللہ کہتا ہے بندہ تو نے ہمت کی، یا اللہ! تو نے مجھے توفیق دی میں نے آج قرآن کریم کا ایک پارہ پڑھا، اللہ کہتا ہے بندہ تو نے ہمت کی، ہم اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اللہ اس بات کو لوٹا کر ہماری طرف منسوب کرتا ہے کہ تیری ہمت ہے یا اللہ! تو نے مجھے توفیق دی اور جب بندہ کہتا ہے میں نے یہ کام کیا تو اللہ کہتا ہے کیا کیا توفیق تو میں نے دی ہے تیرے سے نفی ہو جائے گی اس کمال کی اللہ کے لیے ثابت ہو گیا اور جس وقت آپ اللہ کی طرف نسبت کریں گے تو اللہ کے ساتھ تو ہے ہی لیکن اللہ تعالیٰ وہی کمال آپ کیلئے ثابت کر دے گا اس لیے حضرت داؤد علیہ السلام کے خاندان پر جو اللہ کی نعمتیں تھیں سب سے زیادہ شکر گزار خاندان قرآن کریم کے الفاظ میں یہی ہے سورۃ النحل پڑھ کر دیکھو جگہ جگہ سلیمان علیہ السلام کے واقعات سامنے آتے ہیں اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے جانوروں کے بولی سکھا دی، اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ پر یہ انعام کیا اور میرے والدین پر یہ انعام کیا سورۃ النحل میں دیکھو اور اللہ کا یہ فرمان مذکور ہے "اعملوا آل داؤد شکراً" اے داؤد کے خاندان کے لوگو، اللہ کا شکر ادا کیا کرو "قلیل من عبادی الشکور" میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے بہت کم ہیں "انہ کان عبداً شکوراً" نوح علیہ السلام اللہ کے بڑے شکر گزار بندے تھے۔

اساتذہ کی شکر گزاری سے علم میں برکت آتی ہے:

اللہ کی شکر گزاری کرو گے تو اللہ کے محبوب بنو گے اور دنیا میں جب اپنے محسنین کی شکر گزاری کرو گے تو ایک دوسرے سے جڑتے چلے جاؤ گے اور اگر دولتیاں مارو گے ایک دوسرے کو تو ہمارے ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے چلے جائیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو علم دیا جن اساتذہ کی وساطت سے ان کا شکر گزار ہو کر رہنا، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ محبت کا تعلق قائم رکھنا اور ان کے ساتھ اپنی

عقیدت کا اظہار کرنا، یہ ایک نعمت کے حصول میں جو واسطہ بنا ہے مدرسہ واسطہ بنا، استاذ واسطہ بنا اس کی شکر گزاری یہ علم میں برکت کا ذریعہ بنتی ہے آپ یہاں جڑیں گے، ہم آگے جڑیں گے، وہ آگے جڑیں گے اور وہ آگے جڑیں گے جڑتا ہوا یہ سلسلہ سب مدینے سے جا جڑے گا اس طرح سے سلسلہ جڑے گا، ہیڈ کوارٹر ہمارا پھر وہ ہے آگے وہ جانے اور اللہ جانے،

فضلاء کنونشن کا مقصد:

اس لیے یہ گاہے گاہے اجتماعی صورت اختیار کر لینا اور آپس میں دوستوں کی ملاقات اور آپس میں محبت آپ جانتے ہیں کہ باب الحب کے اندر کتنی روایات موجود ہیں جن میں آپس میں جڑنے کا تذکرہ موجود ہے بلکہ حضور ﷺ کی طرف سے تاکید ہے کہ جب کوئی بندہ کسی سے محبت کرے تو اس کو بتا دے کہ مجھے تیرے ساتھ محبت ہے تاکہ وہ بھی متوجہ ہو جائے تو یہ اجتماع بلانے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارا خاندان بہت پھیلا ہوا ہے تو جی چاہتا ہے کہ ایک دفعہ سارے کے سارے اکٹھے ہو جائیں تو جیسے آدم علیہ السلام کے سامنے آدم علیہ السلام کی اولاد تھی آدم دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے تو ہم بھی آخر آدم کے بچے ہیں ہم بھی اولاد کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔

- کسی کو دیکھیں گے خطیب ہے،
- کسی کو دیکھیں گے مدرس ہے،
- کسی کو دیکھیں گے مصنف ہے،
- کسی کو دیکھیں گے مقرر ہے،
- کسی کو دیکھیں گے واعظ ہے،

مختلف حالات سامنے آئیں گے تو ہمارے لیے بھی خوشی کی بات ہے آپس میں تعلقات تازہ ہو جاتے ہیں آپس میں محبت بڑھتی ہے۔

جماعیت کی برکت اور انفرادیت کا نقصان:

یہ ہمارا سب خاندان ایک ہے ہم علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں تصوف کے لحاظ سے ہمارے خاندان کی شاخیں ہیں جو آخر اسی ہیڈ کوارٹر میں جا کر ملتی ہیں، فقہ کے لحاظ سے ہماری اسی طرح سے مختلف شاخیں ہیں جو وہاں جا کر اکٹھی ہوتی ہیں، حدیث کے لحاظ سے اسی طرح سے ہماری شاخیں ہیں جو وہاں جا کر اکٹھی ہوتی ہیں، سارے دینی سلسلے ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں جو اس اجتماعیت کو باقی رکھے گا فتنوں سے محفوظ رہے گا اور جو انفرادیت اختیار کرے گا اس کا وہ حال ہوگا جیسے درخت سے شاخ ٹوٹ گئی اور جب درخت سے شاخ ٹوٹ جاتی ہے تو سوائے ایندھن کے اور کسی کام کی نہیں رہتی وہ ایندھن کے کام آتی ہے بہار اسی وقت آتی ہے جب تک انسان درخت کے ساتھ متصل رہے ''پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ'' یہی تعلقات تازہ کرنے کیلئے آپ حضرات کو زحمت دی۔

فضلاء کنونشن دیوبند میں بھی ہوا تھا:

یہ چونکہ پہلی کوشش تھی، ادارے اس کو اپنے طور پر کرتے رہتے ہیں چند سال پہلے جامعہ اشرفیہ نے اپنے ساٹھ (۶۰) سالہ فضلاء کا اجتماع بلایا تھا تو مولانا عبیداللہ صاحب نے تقریر کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ میرا جی چاہتا تھا کہ جامعہ اشرفیہ سے فارغ ہونے والے جو حقیقت کے اعتبار سے ہماری اولاد ہے میں اپنی زندگی میں ایک دفعہ ان سے مل لوں بعد میں پھر شاید ملاقات کا موقع ملے نہ ملے، دیوبند نے ۱۹۸۰ء میں اپنے سو سالہ فضلاء کا اجتماع بلایا تھا ہم بھی بالواسطہ چونکہ انہی کی اولاد تھے میں بھی گیا تھا اس میں شریک ہوا تھا اتنا بڑا اجتماع تھا کہ پوری دنیا سے لوگ آئے ہوئے تھے کیونکہ شاخیں دیوبند کی ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں اس طرح ہر کسی کا جی چاہتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مرکزیت دی ہے جس کے آگے متعلقین ہیں جی اس کا چاہتا ہے کہ کسی

وقت میں متعلقین کا اجتماع ہو اور آپس میں ملاقات ہو ایک دوسرے کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ ہماری پہلی کوشش تھی۔

آئندہ بھی اپنے اساتذہ کی آواز پر لبیک کہنا:

آئندہ کیلئے میں زندہ رہا تو میں ان شاء اللہ داعی ہوں گا ورنہ پیچھے مدرسے کے اندر جو بھی ذمہ دار حضرات ہوں گے مفتی صاحب ہیں، حضرات اساتذہ کرام ہیں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سب آپس میں محبت سے اتفاق سے کام کر رہے ہیں اور اس اجتماعیت کی میں ان سے توقع رکھتا ہوں اور ان کو بار بار یاد دہانی کرواتا رہتا ہوں کہ اللہ کی توفیق سے کام ہوگیا جو ہوگیا اب یہ بہت بڑی امانت ہے جو آپ کے سپرد کر کے جا رہا ہوں اس کی حفاظت کرنا بہت ضروری ہے یہ بھی آپ حضرات کے ساتھ اسی طرح سے رابطہ رکھیں گے اور جب کبھی آپ سے ملنے کو ان کا جی چاہے تو آپ کو بلا لیں گے گاہے گاہے آپ بھی حالات پوچھتے رہا کریں، خیر خیریت کی اطلاع دیتے رہا کریں، آپ کو کسی تعاون کی ضرورت ہو، ہمارے بس میں ہوا یا ان کے بس میں ہوا تو تعاون بھی کریں گے اور جس وقت یہ بلائیں آپ آئیں گے تو آپس میں محبت سے ملاقات بھی ہوتی رہے گی تو ایک خاندان کے افراد جمع رہیں گے ایک دوسرے سے ملاقات ہوگی، پرانے دوست نئے دوستوں سے مل لیں گے، نئے دوست پرانے دوستوں سے ملتے رہیں گے، یہ اس سلسلے کی ابتدائی کوشش ہے۔

ختم بخاری پر دین کی بہاریں:

اور رات کو ختم صحیح البخاری ہے اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس مہینے میں پورے پنجاب میں ایک شور مچا ہوا ہے جلسوں کا اور حدیث شریف کے تذکرے کا، اتنے بڑے بڑے اجتماعات پہلے نہیں دیکھنے میں آئے تھے قدرتی بات ہے جتنے اجتماعات کانفرنسیں سال کے درمیان میں ہوئیں سب کا اعتراف ہے کہ سب سے زیادہ کامیاب

اور اس سے زیادہ مجمع ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا اور مدرسوں کے جلسے جو ہو رہے ہیں اور خاص طور پر یہ ختم الصحیح البخاری کے اتنے بڑے بڑے اجتماعات ہو رہے ہیں کہ اب اتنا عرصہ مجھے بھی ہو گیا ہے ان اجتماعات میں جاتے ہوئے، اتنا شوق، اتنی رغبت جو اب نمایاں ہو رہی ہے پہلے نہیں تھی، اصل میں جتنا باطل سر چڑھتا آ رہا ہے اتنا ہی اہلِ حق کے اندر اسی طرح حق کے مطابق جوش پیدا ہوتا جا رہا ہے اور یہی کشمکش قائم رہنی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے تک، اس کے بعد پھر آپ ہی آپ ہوں گے پھر آپ کے مقابلہ میں کوئی نہیں ہوگا ان شاء اللہ، اس وقت تک یہ کشمکش جاری رہنی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اسی طرح سے جوڑے رکھے ظاہری بدن کے اعتبار سے بھی اور قلبی جذبات کے اعتبار سے بھی، عقیدت کے اعتبار سے بھی اور عملی صورت کے اعتبار سے بھی ہم سب ایک دوسرے سے جڑے رہیں اور اس اجتماعیت کو بحال رکھنے کی اللہ ہمیں توفیق دے آپ کی خدمت میں درخواست یہ کرتا ہوں کہ آپ بھی خاص طور پر مدرسے کیلئے بھی دعا کرتے رہیں، مسلک کیلئے بھی دعا کریں، پورے علماء حق کیلئے دعا کریں، جو بھی جس شکل میں بھی حق کی خدمت کر رہا ہے، اسلام کی خدمت کر رہا ہے وہ ہمارا سپاہی ہے، ہمیں کسی سے کوئی اختلاف نہیں، اپنے اپنے دائرے میں جو بھی دینی کام کر رہا ہے ہم سب کے قدر دان ہیں۔

اساتذہ باب العلوم کے متعلق نیک جذبات کا اظہار:

لیکن اب چونکہ میں بھی اللہ کے علم میں ہے لیکن بظاہر یہی ہے کہ آخری عمر کو پہنچا ہوا ہوں اب یہ صفر میں میری عمر اسی سال ہو گئی ہے اکیاسیواں سال چل رہا ہے تو آخر عمر نوح تو آج کل ہوتی ہی نہیں عموماً ساٹھ کے بعد ستر تک اکثر و بیشتر ہوتی ہے کل مولانا حبیب احمد صاحب سے ان کے کسی شاگرد نے پوچھ لیا تھا کہ حضرت آپ کی عمر کتنی ہے تو جب انہوں نے بتایا تو اس نے کہا کہ طبعی عمر سے تو آپ آگے نکل گئے ہیں

مطلب یہ تھا کہ آپ کو اس سے پہلے مرجانا چاہیئے تھا کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے اکثر افراد کی عمریں ساٹھ سے ستر کے درمیان ہوں گی لیکن اللہ انہیں سلامت رکھے اور ان کا سایہ باب العلوم پر رہے جیسے میری زندگی میں اتفاق اور محبت کے ساتھ کام کررہے ہیں ایسے ہی ان سے توقع ہے کہ بعد میں انہی روایات کو زندہ رکھیں گے، سادگی کے ساتھ فقیرانہ طور پر جس طرح سے وقت گزارتے رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو قائم رکھے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قبول فرمائے ہماری لغزش معاف فرمائے اور ہمارے دلوں کو آپس میں اللہ تعالیٰ جوڑے رکھے انفرادیت اور تفرد سے اللہ بچائے (آمین) ہمارا ایک ہی مسلک ہو ایک ہی نظریہ ہو جب کبھی بھی کوئی مسئلہ پیش آئے تو اپنے بڑوں سے پوچھو کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ اور ان کی رائے کے سامنے آنے کے بعد اس کو قبول کر کے ساتھ جڑ جاؤ اور ادھر ادھر سے جو آوازیں لگتی ہیں کہ یہ مسئلہ یوں نہیں یوں ہے، یوں نہیں یوں ہے تو کسی پر کان نہ دھرو یہ سب بہکانے والی باتیں ہیں یہ پھر انسان کو صراط مستقیم سے بھٹکا دیتے ہیں، تصوف کا سلسلہ ہو، فقہ کا سلسلہ ہو، حدیث کا سلسلہ ہو، اخلاق کا سلسلہ ہو، اس میں اجتماعیت بحال رکھنے کی کوشش کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

عظمتِ حدیث

بموقع: ختم بخاری

بتاریخ: رجب ۱۴۳۳ھ

بمقام: جامعہ قادریہ بھکر

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

جامعہ قادریہ کی نسبت:

''جامعہ قادریہ'' یہ مدرسہ کا نام ہمارے شیخ، ہمارے مرشد حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر ہے اور میرا بیعت کا تعلق بھی حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہے، ۱۹۵۶ء میں حضرت تشریف لائے ہوئے تھے، فیصل آباد میں رمضان گزارا تو ۲۷ رمضان کو میں حضرت مولانا عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال کی معرفت تراویح کے بعد حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوا تھا اللہ اس نسبت کو قبول فرمائے (آمین)

تو حضرت کے بعد حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ہوئے، میرا تعلق ان سے رہا اور ان کی خدمت میں آنے جانے کی وجہ سے ہی محترم حضرت مولانا عبداللہ صاحب زید مجدھم جو اس مدرسے کے مہتم ہیں ان کے ساتھ تعلق ہوا، اور اس وقت سے اس وقت تک الحمدللہ آپس میں محبانہ رواسم ہیں، میل جول ہے اور جب یہ معلوم ہوا تھا کہ بھکر میں حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر مدرسہ بنا ہے تو بہت خوشی ہوئی۔

ایک دفعہ اس سے پہلے بھی اتفاقاً حاضری ہوئی تھی، جلسہ کی صورت میں نہیں، یہ اجتماع کی صورت میں تعلیمی سلسلہ میں پہلی حاضری ہے، اور یہاں کے حالات سن کر، طلباء کی تعداد معلوم کر کے اور تعلیمی کیفیت معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی اور اس کو بھی میں سمجھتا ہوں کہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ نسبت کی یہ برکت ہے، اللہ تعالیٰ اس میں مزید ترقی دے اور اس پورے علاقے کیلئے نہیں بلکہ پورے ملک کیلئے اس ادارے کو فیض عام ہونے کا ذریعہ بنائے اور اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازے (آمین)

حضرت نفیس شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق:

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ہی میرا بھی اور

حضرت مولانا عبداللہ صاحب زید مجدہم کا بھی تعلق سید نفیس شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ محبانہ تھا اور حضرت کی وفات کے بعد مکمل تعلق انہی کے ساتھ ہی ہو گیا، نفیس شاہ صاحب کے نام سے مشہور تھے، لاہور میں معروف کاتب تھے، وہ براہ راست حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہی خلیفہ تھے اور پاکستان میں ان کے جانشین سمجھے جاتے تھے ان کے ساتھ بھی نسبت رہی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آنے جانے سے بہت ساری کتابوں کا تعارف ہوا، ایک مجموعہ منظوم کلام کا جو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی نعتوں پر مشتمل تھا اپنی کہی ہوئی نظمیں بے نظیر نظمیں ہیں جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی اکابر کی تعریف میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے نکلیں وہ مجموعہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں ہی شائع فرمایا، اور اس مجموعہ کا نام رکھا ''برگِ گل'' برگ گل اس کتاب کا نام ہے اس برگ گل کے لفظ کے پیچھے ایک تاریخ ہے اصل کے اعتبار سے۔

''برگ گل'' کی وجہ تسمیہ:

مغلیہ خاندان جو ہمارے ہاں ہندوستان میں باشاہ تھا، ان کے تعلقات تھے ایران کے بادشاہوں کے ساتھ، اب زیادہ تاریخ کی طرف کیا جاؤں، بابر کے بعد ہمایوں کو یہاں سے بھگا دیا تھا شیر شاہ سوری نے، تو شاہ ایران کی مدد کے ساتھ دوبارہ ہمایوں نے دہلی کا تخت حاصل کیا تھا اس وقت سے ایرانی باشاہوں کے ساتھ مغلیہ خاندان کے مراسم بہت شدید ہو گئے تو ان بادشاہوں کے درباروں میں شعر وشاعری بھی ہوتی تھی اور ایک دوسرے کے ساتھ مقابلے بھی ہوتے رہتے تھے۔

تو اس وقت جو شاہ ایران تھا فارسی زبان اس علاقے کی پرانی چلی آرہی تھی کہتے ہیں کہ اس کی زبان سے ایک دفعہ ایک مصرعہ صادر ہو گیا ''در ابلق کسے کم

دیدہ موجود "شاہ ایران کی زبان سے نکلا، دُر موتی کو کہتے ہیں، ابلق کا معنی جس کے اندر مختلف رنگ ہوں جیسے بھیڑ بکریوں کو آپ نے دیکھا کوئی سفید، کوئی سیاہ اس طرح سے مختلف رنگ ہوتے ہیں تو ہماری پنجابی میں اس کو ڈب کھڑبہ کہتے ہیں یہاں شاید گدلا کہتے ہیں یا کچھ ایسے لفظ بولے جاتے ہیں جس میں مختلف رنگ ہوں، ابلق اس کو کہتے ہیں جس میں مختلف رنگ ہوں تو در ابلق کا معنی کہ ایسا موتی جس میں مختلف رنگ ہوں کسی نے نہیں دیکھا ہوگا "کسے کم دیدہ موجود" کسی نے ایسا موتی نہیں دیکھا ہوگا جس کے اندر مختلف رنگ جمع ہوں۔

بادشاہ تھا اس کی زبان سے ایک فقرہ نکلا تو اس کا جی چاہا کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا فقرہ بھی جوڑ دے تاکہ شعر مکمل ہو جائے تو اس نے اپنے درباری شاعروں سے کہا کہ یہ فقرہ میری زبان پر آ گیا ہے اب تمہارا کام ہے کہ اس کے ساتھ دوسرا ایسا فقرہ لگاؤ جو بامعنی بھی ہو اور شعر بھی مکمل ہو جائے لیکن ایران کے شعراء بادشاہ کی پسند کے مطابق اس کے اوپر اضافہ نہ کر سکے تو بادشاہ نے یہ مصرعہ لکھ کر دہلی بھیج دیا، اورنگ زیب کا زمانہ تھا اور اورنگ زیب کی غالباً ہمشیرہ زیب النساء اس کا نام تھا اور یہ بھی شاعرہ تھی، جب یہ مصرعہ یہاں آیا تو ہندوستان کے شعراء نے بھی کوشش کی کہ یہ کوئی بامعنی شعر بن جائے اور دوسرا مصرعہ ایسا اس کے ساتھ لگ جائے جو شاہ ایران کو پسند آ جائے لیکن وہ جلدی اس کے اوپر قادر نہ ہو سکے تو زیب النساء تک بھی یہ بات پہنچ گئی۔

کہتے ہیں کہ زیب النساء (جس طرح عورتوں کی عادت ہوتی ہے) شیشے کے سامنے بیٹھی سرمہ لگا رہی تھی جب اس نے آنکھ میں سرمہ لگایا تو سرمہ کچھ تھوڑا سا آنکھ میں چبھا جب سرمہ آنکھ میں چبھا تو آنسو آ جاتے ہیں تو اس کی آنکھ میں بھی آنسو آئے اور ایک آنسو ٹپکا آنکھ سے تو آنسو جو آنکھ سے ٹپکا تو اس میں پانی کی سفیدی بھی

تھی اور سرمہ کی سیاہی بھی تھی تو وہ قطرہ گویا کہ مختلف رنگ لیے ہوئے تھا تو زیب النساء کا ذہن جو تھا وہ اس مصرعہ کی طرف منتقل ہوا تو فوراً اس نے یہ ترتیب دے دی کہ

درا بلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشک بتاں کہ سرمہ آلود

کہ مختلف رنگ کا موتی کسی نے کم ہی دیکھا ہوگا ہاں معشوقوں کی آنکھ سے سرمہ آلود آنسو جو ٹپکتا ہے وہ درابلق ہوتا ہے یہ بامعنی شعر بن گیا۔

تو بادشاہ بھی خوش ہوا اور یہ شعر ایران لکھ کر بھیجا اور شاہ ایران بھی بہت خوش ہوگیا کہ میرے منہ سے نکلا ہوا فقرہ جو تھا یہ بہت اچھا شعر بن گیا اب اس نے خوش ہوکر دلی پیغام بھیجا کہ یہ شاعر جس نے شعر مکمل کیا ہے اس کو میرے پاس بھیجو تاکہ میں اس کو نوازوں اور اس کو انعام دوں اب وہ تھی عورت اور اورنگ زیب ایک مذہبی بادشاہ تھا وہ اپنی بہن کس طرح بھیج دیتا ایران شاہ ایران کے پاس ،وہ بہن پر ناراض ہوا کہ اچھی تو نے شعر و شاعری کی اب وہاں سے یہ مطالبہ آگیا ہے کہ شاعر کو یہاں بھیجو ہم اس کو نوازنا چاہتے ہیں اب میں کیا جواب دوں؟ تو بہن نے کہا کہ غصہ کرنے کی بات نہیں ہے آپ ایک شعر لکھ کر بھیج دیں وہ شاہ ایران خود مطلب سمجھ جائے گا تو زیب النساء نے اپنا ایک شعر لکھ کر دے دیا وہ شعر یہ تھا،

درسخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد درسخن بیند مرا

فارسی کا یہ شعر ہے اب فارسی تو طلباء علماء نے پڑھنی چھوڑ دی اس لیے سمجھ ذرا کم آتی ہوگی ،معنی اس کا یہ ہے "درسخن مخفی منم "میں اپنی بات میں چھپی ہوئی ہوں ایسے چھپی ہوئی ہوں جیسے کہ پھول کی پتی میں خوشبو چھپی ہوئی ہوتی ہے، برگ گل پھول کا پتہ، برگ پتے کو کہتے ہیں" ھر کہ دیدن میل دارد "اور جو مجھے دیکھنے کا شوق رکھتا ہے ،جس کو رغبت ہے میرے دیکھنے کی طرف" در سخن بنید مرا "میری سخن میں ،میری بات میں مجھ کو دیکھ لے، میں اپنے سخن کے اندر موجود ہوں ،یہ تھا

اس شعر کا مطلب اور آپ جانتے ہیں کہ جب شعر کا ترجمہ دوسری زبانوں میں کیا جائے تو وہ بے ذوق سا ہو جاتا ہے، اصل مقصود اصل شعر میں ہوتا ہے، تو برگ گل حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا نام جو رکھا تو اس میں اشارہ سارے واقعہ کی طرف ہے کہ "درسخن مخفی منم چوں بوئے گل دربرگ گل" میں اپنی کلام میں اس طرح سے چھپا ہوا ہوں جس طرح پھول کی خوشبو پھول کی پتی میں چھپی ہوئی ہوتی ہے "ھر که دیدن میل دارد "اور جو دیکھنے کی تمنا رکھتا ہے" درسخن بیند مرا" وہ میری بات میں مجھ کو دیکھ لے۔

متکلم کی کلام اس کا آئینہ ہوتی ہے:

اس قول کو پیش کرنے سے یہاں کیا مقصود ہے؟ آپ کو یہ قصہ میں نے کیوں سنایا؟ یہ بات میں نے آپ کو اس لیے سنائی ہے کہ متکلم کی کلام اس کا آئینہ ہوتا ہے، متکلم کی کلام میں خود متکلم نظر آتا ہے اور اگر کوئی شخص اس کو سمجھنا چاہتا ہے تو اس کی کلام کو سمجھے تو متکلم سمجھ میں آتا ہے، یہ ہے وہ نکتہ جو شعر کے اندر موجود ہے ،جس کو میں آپ کے سامنے ذکر کر رہا ہوں کہ متکلم کی کلام اس کے سمجھنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

اب ہمارے سامنے دو کلامیں ہیں ،ایک اللہ کی کلام ہے اور ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام ہے نہ ہم اللہ کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہم اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ سکتے ہیں،

دنیا کے اندر ہم اللہ کو نہیں دیکھ سکتے:

اب ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ ہم اللہ کا دیدار کریں کیونکہ اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے ان آنکھوں کے ساتھ اللہ کا دیدار یہ ممکن نہیں، خود قرآن کریم میں یہ بات آئی ہوئی ہے ،حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمنا کی تھی کہ یا اللہ! تو مجھے اپنا آپ دکھا،

میں تجھے دیکھ لوں تو اللہ نے کہا تھا ”لن ترانی“ تو مجھے دیکھ نہیں سکتا ،تو اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہی ہے کہ اس زندگی میں ان آنکھوں کے ساتھ جو جسمانی ہیں بیداری کی حالت میں اس زندگی میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جا سکتا ،اگر کوئی شخص اس قسم کی بات کرتا ہے تو وہ غلط کہتا ہے اور وہ صحیح نہیں ہے۔

ہاں اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور اس دیدار میں اتنی لذت ہوگی حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنا دیدار کروائیں گے تو جنتی ساری جنت کی نعمتیں بھول جائیں گے، اتنا مزہ آئے گا اللہ کے دیکھنے میں کہ جنتی ساری جنت کی نعمتیں بھول جائیں گے، اللہ کے دیدار میں اتنی لذت ہوگی البتہ اس دنیا میں رہتے ہوئے خواب میں کوئی ایسی صورت حال پیدا ہو جائے یہ بزرگوں کی کلام میں کئی جگہ خوابوں کا تذکرہ آتا ہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب بھی ایسے ہیں حدیث شریف میں مذکور ”رایت ربی فی المنام“ اس طرح سے اولیاء اللہ کی کلام میں بھی آتا ہے کہ فلاں کو اللہ کی زیارت ہوئی، فلاں کو اللہ کی زیارت ہوئی ،کیسے ہوئی ان کو پتہ ہوگا ہمیں تو نہ ہوئی نہ ہمیں پتہ، بہر حال جو کیفیت بھی ہے خواب کی نسبت تو گوارا کی جاسکتی ہے ،بیداری میں اللہ کو دیکھنے کا تذکرہ برداشت نہیں کیا جا سکتا ہے یہ غلط ہے ایسا نہیں ہوسکتا۔

سعادت مند وہ ہے جو نبی کو دیکھ کر مانے بھی:

اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت موجود تھے لوگ آپ کو دیکھتے بھی تھے اور آپ کی باتیں سنتے تھے ،دیکھتے بھی تھے اور آپ کی باتیں بھی سنتے تھے کیونکہ آپ بھی آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے ،پیدا ہوئے ،مکہ میں چالیس (۴۰) سال گزارے ،بعد میں نبوت ملی پھر ٹھہرے تیرہ (۱۳) سال، کل ترپن (۵۳) سال مکہ میں آپ نے گزارے اور جس طرح سے ایک برادری کا فرد اپنی برادری میں رہا کرتا ہے اسی طرح

سے حضور ﷺ بھی برادری میں رہے، بکریاں بھی چراتے رہتے تھے، تجارت بھی کی اور باقی کاموں میں بھی دلچسپی لی تو جو لوگ اس وقت موجود تھے وہ سب حضور ﷺ کو دیکھتے بھی تھے اور جو بات بھی آپ کرتے ہوں گے وہ سنتے بھی تھے۔

صفت رسالت کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت سے نوازا تو تیئس سالہ زندگی وہ بھی آپ نے اس زمین پر گزاری اس میں بھی لوگ دیکھتے تھے لیکن دیکھنے کے ساتھ جنہوں نے مان لیا وہ سعادت مند ہو گئے لیکن جنہوں نے صرف دیکھا اور مانا نہیں وہ بدترین قسم کے خلائق اور انتہائی بدقسمت ثابت ہوئے، دیکھا بہر حال سب نے ہے تو صرف دیکھ لینا سعادت کا ذریعہ نہیں جب تک کہ ایمان کی حالت میں نہ دیکھا جائے۔

نبی کو ایمان کے بغیر دیکھنا کسی کام کا نہیں:

ایک جاہل قسم کا پیر بد باطن جس طرح سے لوگ اپنے آپ کو اہل باطن میں سے کہتے ہیں میری ان کے ساتھ گفتگو ہوئی، وہ نماز نہیں پڑھتے تھے، کہنے لگے ہم دل میں نماز پڑھتے ہیں، ظاہری نماز جو ہے یہ تو مولویوں کا کام ہے، درویشوں کا کام نہیں ہے، درویش ہمیشہ نماز میں رہتے ہیں تو میں نے جب ان کے ساتھ بحث کی تو وہ کہنے لگے کہ دیکھو ہمارا طریقہ اگر غلط ہوتا ہے تو ہمیں حضور ﷺ کی زیارت کیوں ہوتی ہے؟ ہمیں خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہو جاتی ہے، یہ زیارت اس بات کی علامت ہے کہ ہم ٹھیک ہیں اور ایسی باتوں کے ساتھ یہ جاہلوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہمیں خواب میں ہو جاتی ہے تو اگر ہم غلط ہوتے تو ہمیں زیارت کیوں ہوتی؟ تو میں نے انہیں کہا آپ لوگوں کو تو زیارت خواب میں ہوتی ہے جب آپ سوئے ہوئے ہوتے ہیں ابو جہل نے ترپن (۵۳) سال تک رسول اللہ ﷺ کو بیداری

میں دیکھا ہے کیا خیال ہے آپ کا؟ ابوجہل اندھا تو نہیں تھا، ابولہب اندھا تو نہیں تھا، سب کی آنکھیں تھیں سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا،

- دن کو دیکھا،
- رات کو دیکھا،
- چلتے پھرتے دیکھا،
- بولتے دیکھا،
- تقریر کرتے ہوئے دیکھا،

لیکن اگر ایمان نہیں لائے اور آپ کی اطاعت نہیں کی تو یہ دیکھنا اس کے کس کام آیا؟

دنیا کے اندر اب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ سکتے:

بہر حال ایمان کی حالت میں جس نے ایک دفعہ دیکھ لیا وہ روحانیت کے ایسے مقام پر چلا گیا کہ قیامت تک آنے والے اولیاء اللہ سارے کے سارے اکٹھے ہو کر بھی اس ایک شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتے جس نے ایمان کی حالت میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ لیا، یہ مسئلہ اپنی جگہ ہے اس تفصیل کو چھوڑتا ہوں، بات یہ کر رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہان سے پردہ فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت جس وقت وہ ہماری نظروں سے روپوش ہو گئے اب ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا بھی ممکن نہ رہا قیامت کے دن ان شاء اللہ ملاقات ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے ایمان پر ہمارا خاتمہ کیا جس کی درخواست ہم بار بار کرتے ہیں کہ یا اللہ! ہمیں حسنِ خاتمہ کی نعمت سے نواز تو ان شاء اللہ العزیز محبت سے ملاقات بھی کریں گے جیسے جنت میں اللہ کا دیدار ہوگا محشر کے میدان میں اور جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بھی ہوگا اللہ ہم سب کو یہ نصیب فرمائے (آمین)

اللہ اور اس کے رسول کو دیکھنے کی تمنا ہر دل میں ہے:

اب ہم یہ چاہیں کہ آنکھیں کھول کر دن کے وقت رسول اللہ کو دیکھ لیں یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے لیکن محبت کا تقاضا یہ ہے کہ دیکھنے کو بھی جی چاہتا ہے، اللہ کو دیکھنے کو بھی جی چاہتا ہے اس لیے تو موسیٰ علیہ السلام تڑپ اٹھے اللہ کی کلام سننے کے بعد جب اللہ نے کلام کی تو جوش محبت میں موسیٰ علیہ السلام نے التجا کر دی تھی" رب ارنی" اپنا آپ مجھے دکھا" انظر الیک "میں آپ کو دیکھوں ،شوق بڑھتا ہے، اللہ کو دیکھنے کا شوق بھی ہوگا، اللہ تعالیٰ کے متعلق چونکہ عظمت بہت زیادہ حائل ہے لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے تو ہر مسلمان تڑپتا ہے اگر رسول اللہ کی زیارت نہ سہی، روضہ اقدس کو دیکھنے کیلئے کونسا مسلمان ایسا ہے جس کے دل میں جوش نہیں اٹھتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشکوۃ شریف میں آخری باب کے اندر روایت ہے کہ ایک وقت آئے گا اور اس میں اشارہ تھا اپنی وفات کی طرف ،ایک وقت آئے گا کہ لوگ مجھے دیکھنا چاہیں گے اور وہ چاہیں گے کہ ہمارا مال، ہمارے اہل وعیال سب کچھ قربان ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے ،ایسے ایسے لوگ آئیں گے اہل وعیال مال سارا چلا جائے اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے اور یہ واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس طرح سے ایمان والوں کے قلوب میں پیوست ہے کہ آپ کی زیارت کا تصور کر کے اگر ان سے یہ کہا جائے کہ زیارت ہو سکتی ہے بشرطیکہ سارا مال اللہ کے راستے میں دے دو تو کتنے ہی مومن ہیں جو سب کچھ دینے کیلئے تیار ہو جائیں گے، اب جب یہ دونوں عظیم ہستیاں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو ہم دیکھ نہیں سکتے اور دیکھنے کی تمنا دل کی گہرائیوں میں موجود ہے۔

اللہ کو دیکھنا ہے تو اس کی کلام کو دیکھ لو:

اب دیکھنے کا ایک ہی ذریعہ ہے جیسے برگ گل میں پھول کی خوشبو چھپی ہوئی

ہے تو اللہ کی ذات اپنی کلام میں اور رسول اللہ کی ذات اپنی کلام دیکھی جا سکتی ہے، اس شعر کو میں یوں منطبق کرنا چاہتا تھا کہ کلام موجود ہے وہ متکلم کیلئے آئینہ ہوتا ہے، شیشہ ہوتا ہے جس میں متکلم نظر آتا ہے یہ عنوان جو میں اختیار کر رہا ہوں یہ میرا نہیں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں،

چیست قرآن اے کلام حق شناس　　　رو نمائے رب ناس آمدبناس

کہتے ہیں اے عقلمند آدمی ،قرآن کو پہچاننے والے تجھے پتہ ہے کہ قرآن کیا چیز ہے؟'' چیست قرآن '' قرآن کیا چیز ہے؟ پھر خود اس کا جواب دیا'' رو نمائے رب ناس آمدبناس '' یہ تو رب الناس کا چہرہ دکھانے کیلئے لوگوں کے سامنے آیا ہے، قرآن کریم میں اللہ کو دیکھا جا سکتا ہے ایسے ہی جیسے کہ پھول پتی میں خوشبو کو سونگھا جا سکتا ہے، آپ قرآن پڑھ کر بہت کچھ معلوم کر سکتے ہیں کہ

- اللہ کیا چاہتا ہے؟

- کیا نہیں چاہتا ؟
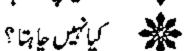
- اللہ کی کیا صفات ہیں؟
- اس کی ذات کی کیا خصوصیات ہیں؟

یہ ساری کی ساری چیزیں آپ کے ذہن میں آئیں گی ،اگر آپ نے صحیح طور پر قرآن کریم کو سمجھنا ہے تو یوں سمجھیں کہ ہم اللہ سے ہم کلام ہو رہے ہیں اور اللہ سے ہم کلام ہونے کے ساتھ اللہ آپ کو سمجھ میں آئے گا، اللہ جتنا قرآن کریم سے سمجھ میں آسکتا ہے اتنا کسی دوسری چیز سے سمجھ میں نہیں آ سکتا ،یہ میرا موضوع نہیں ہے کہ میں قرآن کریم کے فضائل آپ کے سامنے ذکر کروں اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بناء پر قرآن کے کیا حقوق ہم پر آتے ہیں، میں ان کی تفصیل کروں یہ میرا موضوع نہیں ہے۔

اللہ کے رسول کو دیکھنا ہے تو اس کی کلام کو دیکھ لو:

اس وقت میرے سامنے اللہ کے رسول ﷺ کی کلام کا مجموعہ رکھا ہوا ہے اس کے متعلق عرض کر رہا ہوں کہ آج اگر ہم رسول اللہ ﷺ کو سر کی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے، بیداری کی حالت میں سر کی آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کو ہم دیکھ نہیں سکتے تو آج آپ کی کلام آپ کو سمجھنے کیلئے اور آپ کے حالات معلوم کرنے کیلئے ہمارے سامنے پڑی ہے اور اس آئینہ میں ہم رسول اللہ ﷺ کو یوں محسوس کر سکتے ہیں جیسے پھول سے خوشبو محسوس ہوتی ہے۔

تو رسول اللہ کی کلام کی یہ عظمت ہے کہ مسلمان اگر صحیح طور پر رسول اللہ ﷺ کو سمجھنا چاہے تو یہ کلام اس کا ذریعہ ہے اور پھر اگر آپ دیکھیں محدثین کا اتنا بڑا احسان ہے امت پر کہ ہم صبح سے لیکر شام تک اور شام سے لیکر صبح تک ان کا شکر یہ ادا کریں اور ان کے لیے دعائیں کریں تو ہم اس احسان کا بدلہ نہیں دے سکتے، صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر ان کتابوں کی تدوین تک اس امت نے اپنے نبی کے حالات کو ایسا محفوظ کیا ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا جس کو امت کے سامنے واضح نہ کر دیا ہو۔

مستقل باب ہے حدیث کی کتابوں میں "باب حلیة النبی ﷺ" جس کو ہم حلیہ کہتے ہیں حضور ﷺ کے حلیہ کا باب، آپ ﷺ کی شکل کیسی تھی؟ آج تو آپ شکل محفوظ کرتے ہیں فوٹو کے ذریعے سے، کیمرے کے ذریعے سے، لیکن جو کچھ محدثین نے جمع کیا ہے کیمرہ اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے، سر کی چوٹی سے لے کر، یہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے تلوے تک ان طالب علموں سے پوچھو جنہوں نے شمائل ترمذی پڑھی ہے اور سارے صحاح کے اندر حضور ﷺ کے حالات پڑھے ہیں، سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے تلوے تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورا خاکہ اپنے الفاظ

میں کھینچا اور اس طرح عاشقانہ انداز سے کہ جب انسان پڑھتا ہے تو خود پڑھتے ہوئے مست ہو جاتا ہے اور خوامخواہ ایک شکل متشکل ہو کر ذہن میں آجاتی ہے

- بال کیسے تھے؟
- کتنے لمبے تھے؟
- آخر عمر تک کتنے بال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید ہوئے؟
- سر میں بال سفید کتنے ہوئے؟
- ہونٹ کیسے تھے؟
- سینہ مبارک پر بال تھے یا نہیں تھے؟

پیٹ اور سینہ آپس میں برابر تھا یا پیٹ ابھرا ہوا تھا یا نیچے کو تھا؟

تذکرہ کرتے کرتے ان طالب علموں نے پڑھا کہ پاؤں کے تلوے تک کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کے تلوے ذرا گہرے تھے جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر قدم مبارک رکھا کرتے تھے تو پاؤں کا نچلا حصہ زمین کے ساتھ نہیں لگتا تھا جس طرح سے ہمارا بھی نہیں لگتا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں ''اخمس الخمسان'' کہ آپ کے پاؤں کا جو گہرا حصہ تھا وہ گہرا تھا جب آپ زمین پر پاؤں مبارک رکھتے تھے تو وہ حصہ جو انگوٹھے اور ایڑھی کے درمیان ہوا کرتا تھا وہ زمین کے ساتھ لگا نہیں کرتا تھا یہاں تک صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر کھینچی ہے اور ایسے پیار کے لفظوں کے ساتھ اور ایسے عاشقانہ جذبے کے ساتھ کہ پڑھنے والا مست ہو جاتا ہے، سب کچھ پڑھنے کے بعد آخر میں ایک جملہ اکثر روایات میں آتا ہے ''لم ار قبله و لا بعده مثله صلی اللہ علیہ وسلم'' نقشے بھی کھینچے ہیں اور آخر میں کہتے ہیں کہ ہم نے تو آپ کے بعد نہ آپ سے پہلے آپ جیسا کوئی دیکھا ہی نہیں ہے، یہ تو ظاہری شکل کو یوں محفوظ کیا۔

باقی رہ گئیں رسول اللہ ﷺ کی ظاہری عادات اول سے لے کر آخر تک، بیدار ہونے کے بعد سونے تک اور سونے کے بعد بیدار ہونے تک،

- گھر کے اندر،
- مسجد کے اندر،
- میدان جنگ میں،
- سفر وحضر میں،
- دوستوں کی محفل میں،
- دشمن کے ساتھ گفتگو میں،
- بیویوں کے ساتھ،
- بازار میں،
- خریداری کرتے وقت،

غسل، وضو جو کام بھی تھے رسول اللہ ﷺ کے ایک ایک چیز کو محفوظ کر کے ہمارے سامنے منتقل کر دیا کہ ہم اگر حضور ﷺ کو پہچاننا چاہیں، دیکھنا چاہیں تو اس ذخیرہ حدیث سے بڑھ کر کوئی اور ذریعہ نہیں ہے اگر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عاشقانہ تعلق ہے اور آپ کے دیکھنے کا شوق ہے تو اس کلام میں حضور ﷺ کو دیکھو جس طرح کہتے ہیں "در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل" میں اپنی کلام میں ایسے مخفی ہوں جیسے خوشبو پھول کی پتی میں مخفی ہوتی ہے بالکل اسی طرح سے ہے۔

کتب حدیث حضور ﷺ کی ختم نبوت کی دلیل ہیں:

تو یہ مجموعے بہت سارے محدثین نے تیار کیے اور ان میں سب سے زیادہ صحیح مجموعہ جو ہے وہ یہ ہے جس کو ہم صحیح بخاری کہتے ہیں جو اس وقت ہم اپنے سامنے لیے بیٹھے ہیں، دورہ حدیث شریف میں ہمارے ہاں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان

میں سب سے بڑی کتاب یہی ہے اور قرآن کریم کے بعد امت کے اندر اسی کی قدر و منزلت ہے اس لیے ہم اسباق کا افتتاح کرتے ہیں تو اکثر و بیشتر بخاری کی پہلی حدیث سے کرتے ہیں اور اپنے تعلیمی سال کا اختتام کرتے ہیں تو اکثر و بیشتر بخاری کے آخری سبق سے کرتے ہیں۔

یہ میں نے صرف تمہید باندھی ہے آپ کے سامنے کہ آپ کے سامنے آجائے کہ حدیث شریف کی کیا عظمت ہے اور مسلمان کیلئے اس کا جاننا کتنا ضروری ہے؟ کوئی حال حضور ﷺ کا مخفی نہیں بلکہ یہی رسول اللہ ﷺ کے احوال کا مجموعہ یہی آپ کی ختم نبوت کی دلیل ہے کہ جب امت کے اندر مکمل روشنی موجود ہے رسول اللہ ﷺ کے احکام کی، اقوال کی، افعال کی، تو اب نئے اضافے کی ضرورت کیا ہے کہ کسی اور کو بھیجا جاسکے اور جا کر امت کے اندر انتشار پیدا کیا جائے ضرورت ہی نہیں رہی۔

حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ اکثر تقریروں میں فرمایا کرتے تھے کہ دین تو اللہ نے مکمل کر دیا ہے اب اگر کوئی نیا آئے گا تو ہمیں آکر کیا بتائے گا؟

 بہن کو حلال کر دے گا؟

 سور کو حلال کر دے گا؟

 بکری کو حرام ٹھہرائے گا؟

کیا کرے گا وہ آکر، جو کچھ تھا وہ تو سب کچھ ہمیں بتا دیا گیا ہے اور ہمارے سامنے واضح ہے، کوئی چیز مخفی ہے نہیں، نیا آکر کون سا کام کرے گا گویا کہ دین کی ایک ایک چیز کا محفوظ ہو جانا یہ مستقل دلیل ہے ختم نبوت کی، زندگی کا کوئی مرحلہ مخفی نہیں ہے جس کے اندر رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا نور موجود نہ ہو اس لیے محدثین کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا نرالا انداز:

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کو شروع کیا ایک انوکھے انداز سے ''باب بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''کسی دوسرے محدث نے اس طرح سے ابتداء نہیں کی جس طرح سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیسے آئی کیوں کہ وحی یہ دین کی بنیاد ہے، اللہ تعالیٰ کا علمی رابطہ اپنی مخلوق کے ساتھ یہ وحی کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور وحی سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کو کونسی چیز پسند ہے کونسی چیز پسند نہیں۔

اور آگے جب وحی سمجھ میں آئی تو ایمان سمجھ میں آیا اس لیے آگے پھر کتاب الایمان ہے، پھر احکام سیکھنے کی ترغیب کتاب العلم ہے، آگے پھر احکام کا سلسلہ ہے سلسلہ چلاتے چلاتے آخر میں پھر کتاب التوحید رکھی گویا کہ خاتمہ جو ہے وہ اللہ کی توحید پر کیا اور اس میں اللہ کی ذات وصفات کی مجبتیں چھیڑیں کہ صحیح نظریہ کیا ہے اور اس میں لوگوں نے کیا غلطیاں کی ہیں معتزلہ کی رد، جہمیہ کی رد، کرامیہ کی رد، یہ باطل فرقے جو پہلے زمانے میں گزرے سب کا رد کیا۔

وزن اعمال کا ذکر:

اور آخر آخر میں جا کر وزن اعمال کا ترجمۃ الباب رکھا ہے جو اس وقت آپ کے سامنے پڑھا گیا کیونکہ زندگی انسان کی جو گزرتی ہے اس کا آخری نتیجہ جو سامنے آتا ہے وہ وزن اعمال کے ساتھ ہی سامنے آتا ہے اور دنیا میں بھی آپ دیکھتے ہیں ویسے ہی سمجھانے کیلئے متوجہ کر رہا ہوں کہ کاشت کار جو ہے وہ بوتا ہے، سنبھالتا ہے، حفاظت کرتا ہے، سب کچھ کرنے کے بعد اپنی محنت کا صلہ جو پاتا ہے وہ وزن کے ساتھ معلوم ہوتا ہے،

- کتنے من گندم حاصل ہوگئی،

- کتنے من چنے حاصل ہوگئے،

- کتنا گڑ شکر بن گیا،

- کتنی مونگی اور ماش کی دال آگئی،
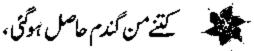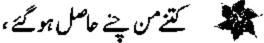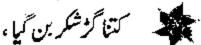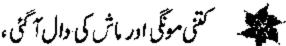
یہ وزن کے ساتھ اپنی محنت کا خلاصہ سامنے آتا ہے اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی انسان کی محنت کا نتیجہ جو سامنے آئے گا وہ وزن اعمال کے ساتھ آئے گا تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں "ونضع الموازين القسط ليوم القيامة" ہم انصاف کے ترازو رکھیں گے قیامت کے دن، عنوان وزن اعمال کا اختیار کرلیا، ماخذ بتا دیا کہ یہ قرآن کریم میں آیا ہوا ہے اور آگے عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ذکر کیا "ان اعمال بني آدم و قولهم يوزن" بنی آدم کے اعمال اور ان کے قول تولے جائیں گے، تولے جائیں گے کا معنی یہ ہوا کہ ہمارے اقوال ہوں یا ہمارے افعال یہ سارے کے سارے محفوظ ہیں، ہم سے صادر ہونے کے بعد ضائع نہیں ہوتے، موجود ہوں گے تو تولے جائیں گے، موجود نہیں ہوں گے تو تولے کیسے جائیں گے؟ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اقوال بھی موجود ہوں گے، ہمارے افعال بھی موجود ہوں گے اور اس پر یقین ہے، اہل سنت والجماعت کے عقیدے میں یہ بات داخل ہے کہ عمل بھی محفوظ، وہ بھی ضائع نہیں ہوتا اور قول بھی محفوظ ہے۔

معتزلہ کا رد:

پہلے عقل کے مارے ہوئے معتزلہ ہوتے تھے جو بات سمجھ میں نہ آئے وہ مانتے نہیں تھے، وہ کہتے تھے کہ لفظ منہ سے نکلتا ہے ضائع ہو جاتا ہے اس کا وجود ہے ہی نہیں عمل ایک حرکت ہے وہ آدمی کرتا ہے ضائع ہو جاتی ہے اس کا کوئی خارجی وجود نہیں ہے اس لیے نہ قول محفوظ رہے گا نہ فعل محفوظ رہے گا تو لے کیسے جائیں گے؟ ان

کو یہ اشکال ہوتا تھا آج کسی کو اشکال نہیں کیونکہ آج آپ نے دیکھا کہ منہ سے نکلا ہوا قول بھی ہم اپنی مشینوں کے ذریعے سے محفوظ کر لیتے ہیں اور اس نقل و حرکت کو بھی محفوظ کر لیتے ہیں دس سال کے بعد بھی آپ اگر یہ فلم دیکھنا چاہیں، بیس سال کے بعد بھی اگر دیکھنا چاہیں تو یہی نقشہ آپ کے سامنے آجائے گا، یہ الفاظ بھی آپ سن لیں گے اور یہ نقل و حرکت بھی ساری کی ساری آپ دیکھ لیں گے۔

اب تو بچہ بچہ جانتا ہے کہ یہ سب کچھ محفوظ ہو جاتا ہے، اس میں کوئی بات ضائع نہیں جاتی ہے، اب اس کے اوپر اشکال کرنا اور اس کے جواب دینے کی کوشش کرنا یہ ایک بے معنی سی بات ہوگئی ہے کیونکہ اب تو ہر کوئی جانتا ہے کہ قول بھی محفوظ ہو جاتا ہے، عمل بھی محفوظ ہو جاتا ہے، فرشتوں کے ذریعے سے بھی اللہ نے اس کو محفوظ فرمایا جو آپ کے پیچھے فرشتے لگا دیے گئے قرآن کریم میں ہے کہ ہم جو کچھ بولتے ہیں ہم کرتے ہیں ہمارے بدن میں بھی ریکارڈ ہوتا چلا جاتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندے سے بات کرے گا بندہ انکار کرنے کی کوشش کرے گا تو اللہ کہتا ہے "نختم علی افواھھم" ہم ان کے منہ بند کر دیں گے اور پھر ہمارے ساتھ ان کے ہاتھ پاؤں باتیں کریں گے اور ان کی آنکھیں اور کان بیان کریں گے کہ ہم نے کیا سنا تھا، کیا دیکھا تھا، کیا کیا تھا، یہ اعضاء بولیں گے جب اعضاء بولیں گے تو پھر انسان انہیں کہے گا کہ تم نے میرے خلاف گواہی کیوں دے دی، تو وہ کہیں گے جس طرح اللہ نے باقی چیزوں کو بلوایا ہے ہمیں بھی بلوایا ہے ہم کیا کرتے؟ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہاتھ سے کیا کیا؟ وہ بھی ریکارڈ ہو گیا ہاتھ میں، پاؤں سے چل کر جدھر گئے وہ بھی ریکارڈ ہو گیا، آپ کے بدن میں آپ کے چمڑے میں سب کچھ ریکارڈ ہو رہا ہے اگر ٹیپ ریکارڈ کا تسمہ سب کچھ محفوظ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اگر ہم کہیں کہ اس کھال نے سب کچھ محفوظ کر لیا ہے تو اس میں کونسی بعد کی بات ہے۔

اللہ کی دی ہوئی عقل کے ساتھ تم نے ایک تسمے میں سب کچھ بھر لیا تو اللہ جو کہ تمہاری عقلوں کا خالق ہے اور ہر قسم کی قدرتوں کا مالک ہے وہ اگر ہمارے اعضاء کے اندر پوری زندگی کی فلم بنتی چلی جائے تو اس میں کوئی بعد کی بات نہیں ہے اور ایسے ہی قرآن کریم میں آیا 'یومئذ تحدث اخبارھا'' زمین اپنی خبریں بیان کرے گی تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تمہیں پتہ ہے کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ پھر فرمایا کہ زمین کی خبریں یہ ہیں کہ یہ بتائے گی کہ

- اس شخص نے میرے اوپر سجدہ کیا ہے،
- یہ زمین بتائے گی کہ اس شخص نے میرے اوپر بیٹھ کر شراب پی ہے،
- یہ زمین بتائے گی کہ اس شخص نے میرے اوپر کھڑے ہو کر تہجد پڑھی ہے،
- اور یہ زمین بتائے گی کہ اس شخص نے مجھ پر رہتے ہوئے چوری کی ہے،
- ظلم کیا ہے،
- فلاں بدمعاشی کی ہے۔

یہ ساری کی ساری خبریں زمین میں بھی ریکارڈ ہوتی چلی جاری ہیں اب اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کا کوئی جرم چھپ جائے تو چھپنے کا بھی طریقہ ہے کہ فرشتوں سے چھپ جاؤ اور پھر اپنے آپ سے چھپ جاؤ پھر زمین سے نکل کر کسی جگہ چھپ کر جرم کرو زمین کے اوپر نہ کرو اگر آپ کے بس میں ہے، پھر تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ اپنی بدعملی کو یا اپنے نیک عمل کو ہم چھپا سکتے ہیں لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ ممکنات میں سے نہیں ہے کہ ہم فرشتوں سے چھپ جائیں یا ہم اپنے اعضاء سے چھپ جائیں یا ہم زمین سے نکل کر کہیں گناہ کر لیں یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے اس لیے یہ لفظ یقین دلاتے ہیں کہ آپ کا عمل سارے کا سارا موجود رہے گا اور قیامت کے دن اللہ ان سب کو موجود کرے گا'' ان اعمال بنی آدم وقولھم یوزن" یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ذکر کر دیا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے۔

لفظ قسط کا معنی اور مفہوم:

آگے چونکہ قسط کا لفظ آیا ہے طالب علموں والی بات تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا چونکہ ساری کتاب کے اندر یہ طریقہ ہے کہ اس کے مناسب لفظ اگر قرآن کریم میں اور آیا ہوا ہو تو اس کے معنی کی طرف اشارہ کردیا کرتے ہیں تو ایک جگہ ''وزنوابالقسطاس المستقیم'' قسطاس کا لفظ ہے اور قسط اور قسطاس ایک ہی چیز ہے کہتے ہیں کہ رومی زبان میں عدل کو کہتے ہیں عربی میں بھی آیا ہوا ہے عدل کو کہتے ہیں ماخذ اس کا قسط ہے یہ باب افعال سے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے قسط تو اس کا معنی ہوتا ہے انصاف کرنا'' ان اللہ یحب المقسطین '' یہ لفظ بھی قرآن میں موجود ہے، مجرد سے استعمال ہو قاسط تو یہ ظالم کے معنی میں ہے یہ لفظ بھی قرآن کریم میں موجود ہے'' واما القاسطون فکانو الجھنم حطبا'' تو جہاں جہاں اس ماخذ سے لفظ آیا تھا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف اشارہ کردیا کہ دیکھو فلاں جگہ یہ لفظ یوں آیا ہے اس کا یہ معنی ہے اور فلاں جگہ یہ لفظ یوں آیا ہے اور اس کا یہ معنی ہے یہ لفظ حل کردیے۔

آخری حدیث کا ترجمہ:

آگے پھر وہ روایت بیان کی آخر میں جس میں یہ ذکر کیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو بہت پیارے ہیں اللہ کے ناموں میں سے رحمٰن کا نام لیا جو رحمت سے بنا ہے تو گویا کہ ان کلمات کے پڑھنے پر اللہ کی رحمت آتی ہے کلمات محبوب ہیں تو جس زبان پر جاری ہوں گے وہ زبان بھی محبوب ہو جائے گی دو کلمے بہت محبوب ہیں رحمٰن کو اتنی بڑی عظمت والے کلمے ''خفیفتان علی اللسان''زبان کے اوپر بڑے ہلکے پھلکے ہیں کوئی کسی قسم کی گرانی محسوس نہیں ہوتی پڑھتے ہوئے بہت ہلکے ہیں کوئی ایسا لفظ ان میں نہیں ہے جو پڑھنے میں ثقیل ہو''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم ''پڑھ کر

دیکھو زبان پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا، بہت ہلکے پھلکے الفاظ ہیں لیکن حضور ﷺ نے فرمایا "ثقیلتان فی المیزان" جب قیامت کے دن یہ میزان میں رکھے جائیں گے تو ان کا وزن بہت نمایاں ہوگا۔

ایک کے ثبوت سے دوسری چیز خود بخود ثابت ہوگئی:

جس سے معلوم ہو گیا کہ یہ الفاظ میزان میں رکھے جائیں گے اور بہت بوجھل ثابت ہوں گے یہ دلیل مل گئی اس بات کی کہ اقوال تولے جائیں گے اور دعویٰ دو کے متعلق تھا کہ اعمال بھی تولے جائیں گے، اقوال بھی تولے جائیں گے لیکن یہ دونوں چونکہ آپس میں اس طرح سے جڑے ہوئے ہیں کہ اگر کوئی قائل ہے تو دونوں کا قائل ہے، منکر ہے تو دونوں کا منکر ہے" لعدم القائل بالفصل" ایک اصول ہے فقہ کا کہ پھر ایک چیز کی دلیل مہیا ہو جائے تو دوسری خود بخود ثابت ہو جایا کرتی ہے کوئی دلیل ایسی آجائے کہ عمل کا وزن کیا جائے گا وہی دلیل ہے کہ قول کا وزن کیا جائے گا، کوئی دلیل ایسی آجائے کہ قول کا وزن کیا جائے گا وہی دلیل ہے کہ عمل کا وزن کیا جائے گا اس لیے ثقیلتان فی المیزان جس طرح سے اقوال کے وزن کی دلیل ہے اعمال کے وزن کی بھی یہی دلیل ہے، آگے وہ کلمات نقل کر دیے "سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم" روایت کی مطابقت ترجمۃ الباب کے ساتھ بخاری میں یہ بھی ایک اہم موضوع ہوتا ہے اور یہاں ترجمۃ الباب تھا وزن اعمال کا اور اس کے ساتھ اس کی مناسبت "ثقیلتان فی المیزان" کے لفظ سے ہوگئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا قول قائم ہوگا اور یہ الفاظ تولے جائیں گے۔

آخری حدیث کی کتاب التوحید سے مناسبت:

اور کتاب التوحید جو آخری آخری کتاب ہے اس کے ساتھ اس کی مناسبت وہ بھی دلیل سے ثابت ہے کہ" سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم" یہ

کلمات اللہ تعالیٰ کی توحید پر بھی دلالت کرتے ہیں کیونکہ سبحان کا معنی یہ ہے کہ اللہ میں کوئی نقص نہیں ہے اور کوئی عیب نہیں ہے اور حمد کا معنی یہ ہے کہ اس میں سارے کمالات موجود ہیں تو جب اس میں نقص کوئی نہیں کمالات سارے ہیں، تو انتہائی درجے کی عظمت اس کیلئے ثابت ہے، ان تینوں باتوں کے ثابت ہونے کا نتیجہ ہوگا کہ اللہ جیسا کوئی نہیں، معبود صرف وہ ہے عبادت صرف اسی کی کی جائے گی اس طرح سے یہ کلمات توحید پر دلالت کرتے ہیں تو کتاب التوحید کے ساتھ بھی اس کی مناسبت ہو جائے گی۔

ساری بخاری کا خلاصہ:

اور کتاب کا اول و آخر میں مناسب ہونا یہ بھی ایک کمال ہوتا ہے تو اول میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی تھی " انما الاعمال بالنیات "عمل کا دارومدار نیت پر ہے تو وہاں سے یہ بات نکلتی ہے کہ بسا اوقات عمل ظاہری صورت میں بہت بڑا ہوتا ہے اور نیت کی خرابی سے ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے بسا اوقات عمل بہت تھوڑا ہوتا ہے لیکن نیت کے صحیح ہونے کی بناء پر وہ عمل وزنی ہو جاتا ہے اس لیے اعمال کا وزن حسنِ نیت کے ساتھ ہوگا اس طرح بخاری کا اول اور بخاری کا آخر یہ بھی آپس میں مل جاتے ہیں (ان میں سے ایک ایک بات کی تفصیل آگے کی جاسکتی ہے لیکن اس وقت وقت کی گنجائش نہیں ہے انہی الفاظ پر اکتفاء کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہم سب کو فکر آخرت نصیب فرمائے کہ ہم اپنے قول اور فعل کو سوچ سمجھ کر کیا کریں اور یہ ہمارے ذہن میں موجود رہے) جیسے شروع میں اخلاص کی تعلیم دی تو اس وزن اعمال کے ذکر سے فکر آخرت اور پھر آخر میں ذکر اللہ پر خاتمہ یہ گویا کہ ساری کی ساری بخاری کا اول سے لے کر آخر تک خلاصہ ہے اللہ اس کی برکات ہمیں نصیب فرمائے (آمین)

طلباء کو اجازت حدیث:

مبارکباد دیتا ہوں ان طلباء کو جو فارغ ہو رہے ہیں اور اللہ قبول فرمائے ان اساتذہ کی محنت کو جنہوں نے سارا سال ان کے اوپر محنت کی اور اللہ جزا دے ان لوگوں کو جن کے تعاون کے ساتھ یہ سلسلہ جاری ہوا یہ سارے کے سارے جتنے بھی ہیں وہ سب اس نیک کام میں شریک ہیں اللہ سب کی خدمات کو قبول فرمائے اور پھر ایک ہمارے ہاں طریقہ ہے روایت حدیث کی اجازت دینے کا کیونکہ ہمارا علم بھی سارا مستند ہے اساتذہ کی نسبت کے ساتھ ہم نقل کرتے ہیں تو اصل سند تو انہی اساتذہ کی طرف سے ہوتی ہے جنہوں نے سال بھر آپ کو پڑھایا ہے۔

طلباء سے کہہ رہا ہوں اصل سند وہی ہوتی ہے جس کو سلسلۃ الدرس کہتے ہیں جیسے میں نے یہ صحیح البخاری پڑھی مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، انہوں نے سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، دیو بند کا سلسلہ سارے کا سارا آپ حضرات کو معلوم ہے، مسلم شریف میں نے مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی وہ بھی علماء دیو بند سے سارے کا سارا تعلق ہے، نسائی شریف اور طحاوی شریف مولانا ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے تونسہ کوٹ قیصرانی کے ان سے پڑھی تھی اور سنن ابی داؤد مولانا علی محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی، میرے سب اساتذہ حدیث دیو بند کے فاضل ہیں اللہ اس نسبت کو قبول فرمائے۔

باقی ایک سند اجازت کا دوسرا سلسلہ ہے کہ اگرچہ مکمل پڑھایا نہیں لیکن ایک آدھی روایت پڑھانے کے بعد بھی روایت حدیث کی اجازت دی جاسکتی ہے اس سلسلے میں بھی اپنے اکابر سے مجھے بہت ساری سندیں حاصل ہیں ان سب کے ساتھ اور اس سلسلۃ الدرس کی سند کے ساتھ ان فارغ التحصیل طلباء کو اور فاضلات کو جو اس سال

فارغ ہو رہی ہیں میں اپنی طرف سے روایت حدیث کی اجازت دیتا ہوں اللہ اس نسبت کو قبول فرمائے اور میرے لیے بھی، ان کے لیے بھی اس اکابر کی نسبت کو باعث برکت بنائے

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمدالله رب العالمين

فتنہ قادیانیت اور دجال

بموقع: اجلاس شبان ختم نبوت

بمقام: سرگودھا

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْفَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَااَوْمُوْبِقُهَا (مشکوة)صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اَسْتَغْفِرُاللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُاللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُاللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

تمہید:

معلوم یہ ہوا تھا کہ ختم نبوت کی یہ جماعت جس کا آج اجلاس بلایا ہوا ہے ایک تو علماء پر مشتمل ہے اور علماء میں سے بھی نوجوانوں پر مشتمل ہے ''شبان ختم نبوت'' یہ لفظ کانوں میں آیا۔ ''ختم نبوت کے نوجوان'' تو ختم نبوت کے نوجوانوں کا مطلب یہ ہوا کہ ایسے نوجوان جو ختم نبوت کا کام کرتے ہیں اور اس عنوان پر اپنے اوقات صرف کرتے ہیں ، وقت چونکہ بہت قلیل ہے، اور طوفانی صاحب کا حکم تھا کہ پونے دو بجے ختم کرنا ہے اور اوپر سے سر پر کھڑے ہیں تو ابھی یہ کرسی پر نہیں بیٹھ رہے تھے تو میں نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دوسروں کی بات ماننے کی عادت کم ہے آپ منوا لیتے ہیں، مانتے کم ہیں، پھر اس پر الحمدللہ انہوں نے میری بات کو غلط ثابت کرتے ہوئے بات مان لی تو کرسی پر بیٹھ گئے ۔ تو انہوں نے کہا تھا کہ پونے دو بجے ختم کرنا ہے، دو چار منٹ کی اجازت چاہتا ہوں کیوں کہ پونے دو تو ہو گئے ہیں۔

حدیث مبارکہ کا ترجمہ:

یہ حدیث شریف کا جملہ جو میں نے پڑھا ہے یہ کتاب الطہارۃ کی پہلی روایت ہے مشکوٰۃ شریف کی جس میں یہ جملہ آیا ہوا ہے آگے پیچھے کیا ہے اس کو تو چھوڑتا ہوں لفظی معنی اس کا یہ ہے کہ ہر انسان صبح کو چلتا ہے، صبح کرتا ہے ''کل الناس یغدو فبائع نفسہ'' پھر وہ اپنے آپ کو بیچتا ہے، ہر آدمی اپنے آپ کو بیچتا ہے اور بیچنے کے نتیجہ میں کوئی اپنے آپ کو چھڑا لیتا ہے ''معتقھا او موبقھا'' اس بیچنے کے نتیجہ میں یا تو اپنے آپ کو آزاد کروا لیتا ہے یا اس بیچنے کے نتیجہ میں اپنے آپ کو ہلاک کر دیتا ہے، یہ ہے لفظی ترجمہ ان الفاظ کا جو میں نے آپ کے سامنے پڑھے ہیں۔

اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی قیمت:

ویسے تو آپ جانتے ہیں کہ زندگی ایک تجارت ہے اس کا ایک عنوان ہے کہ ہم جس وقت صبح اٹھتے ہیں تو ہمارے پاس اللہ کی دی ہوئی بہت دولت ہے،

- بینائی اللہ کی دی ہوئی ایک دولت ہے،

- شنوائی اللہ کی دی ہوئی ایک دولت ہے،

- نطق اور بولنا اللہ کی دی ہوئی ایک نعمت ہے،

- اللہ کا دیا ہوا مال ہے،
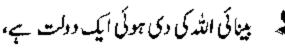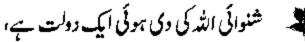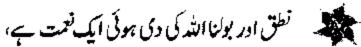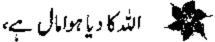
بینائی ہو، شنوائی ہو، تکلم ہو اور بدن کی باقی قوتیں صلاحیتیں جتنی بھی ہیں یہ بہت بڑا سرمایہ ہے جس کا ہمیں اندازہ نہیں ہے۔

اس کی قیمت کا اندازہ تب ہوتا ہے جس وقت یہ چھن جائے اور پھر اس کو پیسوں سے خریدنا پڑ جائے، اوّل تو ملتی نہیں لیکن اگر ملتی ہے تو کتنی قیمت میں ملتی ہے وہ آپ کو اندازہ ہے آج کل دیکھتے ہیں کہ گُردے تبدیل ہوتے ہیں، ہمارے پیٹ میں اللہ نے دو گردے رکھے ہوئے ہیں، اور ہمیں اندازہ ہی نہیں کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے لیکن جس وقت یہ ہاتھ سے نکلتی ہے اور نکلنے کے بعد پھر ڈاکٹر کہتا ہے کہ اس کو تبدیل کرواؤ تو حساب لاکھوں پر جاتا ہے، اب ایک گردے کے ٹھیک کروانے پر عذاب در عذاب اور تکلیف کو تو چھوڑ دو جتنی تکلیف اٹھاتے ہیں اگر آپ دو لاکھ یا اڑھائی لاکھ خرچ کریں وہ بھی پرایا گردہ کامیاب ہوتا ہے یا نہیں ہوتا، تو دو گردے پانچ لاکھ کے تو ہمارے پیٹ میں رکھے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے جس کا ہمیں کچھ احساس نہیں، دل کتنا قیمتی ہے اس کی کچھ مرمّت کروانی پڑ جائے تو ڈاکٹر صاحب کیا کچھ مصیبت میں ڈال دیتے ہیں، پھر پتہ چلتا ہے کہ یہ کتنی بڑی قیمت کی چیز ہے، بہر حال سر سے لے کر پاؤں تک ہمارے اندر لاتعداد اللہ کی نعمتیں ہیں جس کا ذخیرہ ہمارے پاس ہے۔

کیا کھویا؟ کیا پایا؟:

اور جب ہم پھر وقت گزارنا شروع کرتے ہیں تو پھر وہ نعمتیں خرچ ہوتی ہیں، یہ پیچ ہے جو ہم اپنا مال پیش کرتے ہیں، سارا دن ہم نے آنکھ کو استعمال کیا یہ گویا کہ جتنی

بینائی ہم نے صرف کی ہے وہ بیچ دی ہے، ہم نے کان کو استعمال کیا جتنی شنوائی استعمال کی ہے گویا کہ اپنے ہاتھ سے دے دی، بدن کی قوت کو استعمال کیا جتنا استعمال کیا گویا کہ اپنے ہاتھ سے دے دیا، سانس ہم نے لیے سارا دن جتنے لئے ہیں وہ گویا کہ ہم نے اپنے ذخیرے سے ختم کر دیئے لیکن اس کے مقابلہ میں کمایا کیا ہے، اگر تو اس کے مقابلہ میں اللہ کی عبادت کی ہے، نیکی کی ہے، کوئی چیز جمع کی ہے جس کو حسنات سے تعبیر کیا جاتا ہے تو پھر آپ نے اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے آزاد کروالیا، آج آپ نفع میں رہ گئے۔

اور اگر آپ نے سب کچھ خرچ کرنے کو باوجود

- معصیت اختیار کی،
- اللہ کی نافرمانی اختیار کی،
- غلط راستہ اختیار کیا،

تو صلاحیت تو آپ کی گئی وہ تو خرچ ہوگئی سب کچھ ہوگیا لیکن مقابلہ میں ڈھیر لگا دیئے معصیت کے تو شام کو حساب کر کے دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم نے سارا دن اللہ کی نافرمانی میں گزارا ہے۔ تو ''موبقھا'' ایسا شخص اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو انسان کو معلوم ہو کہ میں اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے آزاد کروا رہا ہوں اپنی صلاحیتیں صرف کر کے یا میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہوں، جو اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے چھڑاتا ہے اس کی تجارت کامیاب ہے اور جو یہ ساری صلاحیتیں صرف کر کے اللہ کا عذاب خریدتا ہے اس کے لئے یہ تجارت انتہائی خسارے کی تجارت ہے۔ ''ذلك هو الخسران المبين''

قیامت کے دن اللہ کے سائے میں جگہ پانے والے:

اس کے ضمن میں بس ایک بات عرض کر کے ختم کرتا ہوں۔ مشکوٰۃ شریف

باب المساجد میں روایت ہے باقی کتابوں میں بھی ہے سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا کہ سات آدمی ایسے ہیں جو اللہ کے سائے میں ہوں گے جس دن اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، سات آدمی ایسے ہیں" **يظلهم الله في ظله يوم لا ظل الا ظله**" اللہ ان کو اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن کہ اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ اس میں اشارہ ہے قیامت کے دن کی طرف وہاں جس کو اللہ کا سایہ نصیب ہوگیا وہ بہت بڑا سعادت مند ہے، فرمایا سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ قیامت کے دن اپنے سائے میں جگہ دے گا۔

باب المساجد سے مناسبت اس کی تو اگلے جملے سے ہے" **رجل قلبه معلق في المساجد**" وہ آدمی جس کا دل مسجد کے ساتھ لگا ہوا ہے آتا ہے مسجد میں اللہ کا ذکر کرتا ہے، عبادت کرتا ہے، ضرورت کے تحت اگر باہر جاتا بھی ہے تو دھیان مسجد کی طرف رہتا ہے کہ کب دوبارہ وقت آئے تو میں مسجد میں جاؤں جس آدمی کے دل کا لگاؤ مسجد کے ساتھ ہے یہ شخص بھی ان خوش نصیبوں میں شامل ہے جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سائے میں جگہ دیں گے، وہ فضائل مساجد کا باب ہے لیکن جو جملہ نقل کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے" **شاب نشأ في عبادة الله**" پہلا ہے امام عادل، سلطان عادل، اور دوسرا ہے" **شاب نشأ في عبادة الله**" اس جملے کی مناسبت ہے آپ کے اس اجتماع کے ساتھ کہ یہ شبان ختم نبوت کا جلسہ ہے، شاب کہتے ہیں جوان کو شبان یہ شاب کی جمع ہے۔ ختم نبوت کے نوجوان اور" **شاب نشأفي عبادة الله**" وہ جوان جو اپنی جوانی کو اللہ کی عبادت میں صرف کرے۔ کیوں کہ جوانی کے متعلق عام طور پر مشہور ہے" جوانی دیوانی" جوانی میں کچھ انسان کو یاد نہیں ہوتا، قوت ابھری ہوئی ہوتی ہے تو اکڑتا ہے، فخر کرتا ہے، غرور میں ہوتا ہے، اس کو اپنا انجام یاد نہیں ہوتا، کئی دفعہ بعض نوجوانوں کے ساتھ بات کرنے کی نوبت آئی تو میں نے انہیں کہا کہ

تم شیشہ دیکھ کر، اپنی زلفیں دیکھ کر، اپنا چمک دار چہرہ دیکھ کر بڑے خوش ہوتے ہو کہ ماشاء اللہ میں بہت خوبصورت ہوں، بڑا طاقت ور ہوں، میری زلفیں بہت اچھی ہیں، میں نے کہا اس کے ساتھ انسان میں خود بینی اور تکبر پیدا ہوتا ہے، اس کا علاج ایک جملہ میں ہے جب شیشہ دیکھو تو یہ جملہ کہہ لیا کرو شیشہ سامنے آیا اپنی شکل، صورت، عمر، خوبصورتی، کالی زلفیں سب کچھ سامنے آ کر دل ابھرتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں بس اتنا کہہ لیا کرو۔

خدا نے ایسے ہزاروں نقشے مٹا دیے ہیں بنا بنا کر

یہ میری کیا بات ہے، اللہ نے سینکڑوں نقشے ایسے بنائے ہیں روز بناتا ہے، روز مٹاتا ہے، یہ مٹنے والی چیز ہے، کوئی رہنے والی چیز تو ہے نہیں تو نشأفی عبادۃ اللہ اس کے ساتھ شاب کا لفظ بتاتا ہے کہ سب سے زیادہ قیمتی اوقات اللہ کی عبادت کے لئے جوانی کے ہوتے ہیں، وہ کہا کرتے ہیں کہ بوڑھا آدمی جب آخر عمر میں کسی کام کا نہیں رہا تو تسبیح لے کر مسجد میں بیٹھ جائے یہ بھی قابلِ غنیمت ہے، آخر عمر میں ہی اللہ توفیق دے دے پچھلی زندگی سے توبہ کرنے کی، اس کی تحقیر کرنا مقصود نہیں ہے۔ اگر بوڑھے ہو کر بھی تسبیح پکڑنے کی نوبت آجائے وہ بھی اللہ کا احسان ہے حسنِ خاتمہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی بے قدری کرنا مراد نہیں ہے لیکن ''در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری'' جوانی کا زمانہ توبہ کے ساتھ گزارنا اللہ کے ساتھ رجوع کے ساتھ گزارنا یہ انبیاء علیہم السلام کی شان ہے۔

طائفہ منصورہ کی علامت:

تو جو کام نیکی کے کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک بہترین کام جو اللہ تعالیٰ نے طائفہ منصورہ، وہ گروہ جس کو اللہ نے حق پر قرار دیا، جس کے ساتھ اللہ نے اپنی نصرت قرار دی جس کو طائفہ منصورہ کہتے ہیں اور قیامت تک اس کے باقی رہنے کا

تذکرہ کیا سرورِ کائنات ﷺ نے اس کا، آخری نشانی یہ ہے کہ "یقاتلون اھل الفتن" وہ اہلِ فتن کے ساتھ لڑتے رہیں گے، لڑنے کی عادت چونکہ ہمارے طوفانی صاحب کی بہت نمایاں ہے اس لئے وہ بہت خوش ہوئے اس جملے پر کہتے ہیں واہ ماشاء اللہ۔ تو اہلِ فتن کے ساتھ لڑنا یہ اہلِ حق کی نشانی ہے اور اس طائفہ کی نشانی ہے جس کو طائفہ منصورہ کہتے ہیں۔

اور یہ وہ طائفہ ہے جس کو قیامت تک اللہ نے حق کے اوپر باقی رکھنا ہے، مشکوٰۃ شریف کے آخری صفحہ پر یہ روایت موجود ہے جس میں اس طائفہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے "یقاتلون اھل الفتن" وہ اہلِ فتن سے لڑیں گے، فتنے تو بے شمار ہیں اس میں کوئی شک نہیں لیکن دو فتنے سب سے بڑے ہیں ایک آچکا، ایک آنے والا ہے۔

آپ نے صرف جو موجود فتنہ ہے اس کے خلاف ہی جہاد نہیں کرنا بلکہ آنے والے فتنے کو بھی پیش نظر رکھنا ہے، وہ اس فتنہ کی اور ترقی یافتہ صورت ہے یہ فتنہ جو موجود ہے باقی چھوٹے چھوٹے فتنے اس کے مقابلہ میں بے شمار ہیں جو انسانوں کو شیطانی طاقت کے ساتھ گھسیٹ کر جہنم میں پھینک رہے ہیں اور علماء کا فرض ہے لوگوں کو جہنم سے بچانا۔

اس امت کا سب سے بڑا فتنہ:

ان میں سب سے شدید فتنہ جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے شروع ہوا اور اس وقت تک تسلسل سے امت میں اُبھر رہا ہے اور امت اس کا مقابلہ کرتی ہوئی آرہی ہے، وہ تاریخ آپ کے سامنے روز آتی ہے جس کو ہم ختم نبوت کی تاریخ کہتے ہیں، حضور ﷺ کے زمانہ میں ہی اس فتنہ نے سر اُٹھالیا تھا، مسیلمہ کذاب حضور ﷺ کے زمانہ میں ہی پیدا ہوا ہے، اسود عنسی حضور ﷺ کے زمانہ میں ہی ہوا ہے، اور ان فتنے

کے خلاف لڑائی کی ابتداء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوئی اس لئے صدیقی سنت بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد پھر یہ تسلسل کے ساتھ امت کے اندر چلی آرہی ہے۔ اللہ کے علم میں ہے کہ کب تک آئے گی مگر اس سے اگلا فتنہ آرہا ہے ربوبیت کا فتنہ، ایسا شخص بھی آنے والا ہے جس نے کہنا ہے کہ میں رب ہوں، یہ بھی آپ سنتے رہتے ہوں گے، رب کہنے والا فتنہ بھی آرہا ہے جس کو دجال کہتے ہیں اور اس دجالی تہذیب کے آثار جو ہیں دن بدن بالکل نمایاں ہوتے چلے جارہے ہیں، اس لئے آپ نوجوانوں نے اس بات کے اوپر محنت کرنی ہے کہ فتنہ منکرین ختم نبوت سے بھی امت کو بچائیں تاکہ امت کا شیرازہ بکھرے نہیں اور یہ رسول اللہ ﷺ کے دامن کے ساتھ متعلق رہے۔

یہود و نصاریٰ کی تہذیب سے بچو:

لیکن ساتھ ساتھ اس جدید تہذیب جو کہ اسلام کی تہذیب کے اوپر غالب آتی چلی جارہی ہے وہ ہم میں شعوری طور پر، غیر شعوری طور پر، قومی سطح پر ہم عیسائیت کی طرف بھاگے جارہے ہیں، پیدا ہونے کے بعد دو دو سال کے بچوں کے گلے میں ہم نے ٹائیاں لٹکانی شروع کردیں اور اس قسم کے حالات ہم نے اپنے گھروں کے اندر پیدا کردیے ہیں کہ پہچاننا مشکل ہوگیا ہے کہ یہ مسلمان ہے یا عیسائی؟ بڑوں سے لے کر چھوٹوں تک یہ چیزیں پھیلتی چلی جارہی ہیں لیکن ساتھ ساتھ اس کو پیش نظر بھی رکھیں کہ یہ عیسائیت کے آثار، یہودیت کے آثار جو ہمارے اندر اس طرح سے گھستے چلے جارہے ہیں حکومت کی سطح پر جیسے سرپرستی اس فتنہ کی ہے اس سے زیادہ شدید سرپرستی دجالی تہذیب کی آرہی ہے،

- ہمارا نظام تعلیم برباد کیا جارہا ہے،
- ہمارا نظام اخلاق برباد کیا جارہا ہے،
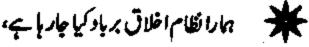
✱ ہمارا خاندانی نظام برباد کیا جارہا ہے،

اس تہذیب کے نتیجہ میں تو جس وقت انسان کے قدم دین سے اکھڑ جائیں اور بے دینی آجائے تو اس کو ہر بے دینی سکھائی جاسکتی ہے۔
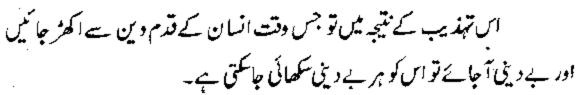
اس لئے نوجوان جو اسی کام میں لگے ہوئے ہیں اور اپنی جوانی کے اوقات اس کام میں صرف کرتے ہیں اور اپنی صلاحیتیں صرف کر کے ختم نبوت کی محنت خریدتے ہیں تو انشاء اللہ العزیز سرورِ کائنات ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق یہ نوجوان بھی اس طبقے میں شامل ہیں جس کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے سائے میں ہوں گے، اس لئے میں مبارکباد دیتا ہوں ان نوجوانوں کو جو اس سلسلہ میں لگے ہوئے ہیں، جتنا لگے ہوئے ہیں اب ان کی ہمت اور طاقت زیادہ صرف ہونی چاہئے اور ہر وقت پیش نظر یہ رہے۔

سب سے خطرناک فتنہ:

اور ساتھ ساتھ اس پہلو پر بھی نظر رکھیں جس کے متعلق حضور ﷺ نے اتنا ڈرایا ہے اتنا ڈرایا ہے فرمایا کہ نوح علیہ السلام سے پیغمبروں نے ڈرانا شروع کیا آنے والے فتنے سے وہ ایسا ہوگا وہ ایسا ہوگا آخر میں فرمایا کہ میں نے تمہیں دجال کے متعلق بہت کچھ بتایا باقی باتیں بھول جاؤ تو بھول جاؤ ایک بات نہ بھولنا'' ان ربکم لیس باعور '' چھوٹا سے جملہ جیسے میں عرض کیا کرتا ہوں کہ ختم نبوت کی ساری تحریک کی جان اس جملے میں ہے کہ بچوں کو بھی یہ لفظ یاد کروادو'' قال رسول اللہ ﷺ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی'' اس کو اس طرح سے یاد کروادو جس طرح سے بچوں کو کلمہ یاد کرواتے ہیں۔''لا الہ الا اللہ محمدرسول اللہ''جیسے یاد کرواتے ہو اسی طرح سے اس جملے کو یاد کرادو پھر پورے فتنے کا علاج ہے'' قال النبی ﷺ ''انا خاتم النبیین لانبی بعدی'' یہ بچوں کی زبان پر چڑھ جائے۔

اس طرح سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ باقی چیزیں تم بھول جاؤ تو بھول جاؤ ایک بات یادرکھنا'' ان ربکم لیس باعور '' کہ تمہارا رب کا نا نہیں ہے، یہ بڑی پکی نشانی ہے، اس کو نہ بھولنا'' ان ربکم لیس باعور '' یہ کانوں کا جو فتنہ ہے یہ بڑا خطرناک فتنہ ہے اور سب سے بڑا کانا وہ آئے گا ایک فتنہ کی شکل میں، لہٰذا اس کو بھی پیش نظر رکھیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان فتنوں کی حقیقت بھی سمجھنے کی توفیق دے۔

لوگوں کو فتنوں سے بچانے کی کوشش کرو:

خاص طور پر یہ نئی تہذیب کا فتنہ تو میرے خیال میں اس طرح سے عام ہوتا چلا جارہا ہے، گھروں میں گھستا جارہا ہے اور ہمارا سب کچھ تباہ کرتا جارہا ہے اس کی طرف توجہ ضرور دیا کریں۔ نوجوان جس کام کی طرف اُٹھ کھڑے ہوں انشاء اللہ العزیز اس کام میں بہت خیر ہوجاتی ہے اللہ تعالیٰ سب کو توفیق دے کہ ہم اسلامی تہذیب بھی اپنائیں۔

اور خاص طور پر یہ مشہور فتنہ جو ہے منکرین ختم نبوت کا اور یہ دجالی فتنہ دونوں کے متعلق معلومات بھی حاصل کریں، معلومات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے بھائیوں کو اس سے آگاہ بھی کرو اور بچانے کی کوشش بھی کرو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے ہمیں بھی اپنے غضب اور ناراضگی سے بچائے اور اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کی مخلوق کو اس کے دروازے پر لانے میں کامیاب ہوجائیں (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

اللہ کے سپاہی

بموقع: ختم بخاری

بتاریخ: رجب ۱۴۳۳ھ

بمقام: جامعہ حنفیہ قادریہ ملتان

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

مدارس کی بہار دل و جان کو تازہ رکھتی ہے:

جامعہ قادریہ جس میں آپ تشریف فرما ہیں جب سے یہاں دورہ حدیث شریف ہوا ہے اس وقت سے تو یقیناً اور اس سے پہلے مجھے یاد نہیں کہ کتنے سال سے باقاعدگی کے ساتھ اس اجتماع کے موقع پر حاضری ہوتی ہے۔ اور بلا مبالغہ ہر سال پہلے کے مقابلہ میں رونق بھی زیادہ اور ظاہر و باطن کے اعتبار سے ترقی بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

جس وقت یہ دارالعلوم کبیروالہ شروع ہوا تھا ہم نے درختوں کے نیچے بیٹھ کر اس کی ابتداء کی تھی تو دو چار کمرے ابتداء ابتداء میں بنے تھے تو پہلی پہلی روداد اس کی میں نے لکھی تھی حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں، اس وقت وہی بہت کافی معلوم ہوتے تھے کہ بہت کام ہوگیا، تین چار کمرے بن گئے اور یہ طالب علم اتنے سارے جمع ہوگئے تو مجھے یاد ہے کہ میں نے جو جلسے پر پڑھنے کے لئے مضمون لکھا تھا اور میں نے ہی پڑھا تھا تو اس میں میں نے یہ شعر بھی لکھا تھا کہ

؎ بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ مے دارد

ورنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

انہی کچے کمروں کے متعلق، اب کیا کریں کوئی فارسی سمجھتا نہیں ہے بہارِ عالم حسنش دل و جاں تازہ مے دارد۔ ہمارے اس مدرسے کے حسن کی بہار دل اور جان دونوں کو تازہ رکھتی ہے "و رنگ اصحاب صورت را" اور جو لوگ صرف صورت کو دیکھتے ہیں وہ تو اس کا رنگ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں " ببو ارباب معنی را" جو اس کی حقیقت کا ادراک کرتے ہیں وہ اس کی خوشبو سے خوش ہوتے ہیں، خوشبو سے باطنی برکات کی طرف اشارہ ہے اور رنگ سے ظاہری آبادی کی طرف اشارہ ہے وہ چونکہ ابتداء تھی اس وقت اتنے مدرسے تھے بھی نہیں تو میں عرض کر رہا ہوں کہ دو تین

کمرے تھے، درختوں کے نیچے بیٹھ کر پڑھایا کرتے تھے، ہمیں اس وقت حسن کی بہار ایسے ہی معلوم ہوتی تھی اور آج تو ماشاءاللہ دیکھ رہے ہیں آپ کہ کس طرح سے بہار ہے جس کے ظاہر سے بھی دل خوش ہوتا ہے اور اہلِ باطن بھی اس کی برکات محسوس کرکے خوش ہوتے ہیں۔

باپ اور استاذ کے لیے خوشی کا مقام:

ان حضرات کو اللہ نے محنت کی توفیق دی، ہوتا سب کچھ اس کی توفیق سے ہے اور یہ اس کا انتخاب ہے اپنے دین کیلئے جس کو منتخب کرلے، چونکہ ظاہری محنت انہی کی ہے اس لئے نسبت بھی ہم ان کی طرف کرتے ہیں کہ انہوں نے محنت کی اور اللہ نے آج اس کو باغ و بہار بنا دیا اور واقعہ یہ ہے کہ اب میں شمار نہیں کرسکتا اردگرد میرے احباب جو اس شغل میں لگے ہوئے ہیں جب بھی ان کا خیال آتا ہے تو ایک دن مجمع میں میں نے پڑھا بھی ہے اور آج بھی پڑھتا ہوں،

اس سے بڑھ کر کیا خوشی ہو باپ کو استاذ کو
کہ اپنے سے بڑھ کر دیکھ لے شاگرد کو، اولاد کو

اولاد باپ سے بڑھ جائے باپ کے لئے خوشی کی بات ہے، شاگرد استاذ سے بڑھ جائے تو یہ استاذ کے لئے خوشی کی بات ہے، اس میں نہ رقابت ہوا کرتی ہے، نہ حسد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ جتنا بھی آگے ترقی دیتا چلا جائے وہ سب اساتذہ کا ہی فیض ہوتا ہے اور انہی کا ہی صدقہ جاریہ ہوتا ہے، کوئی ایسا متعین مضمون تو اس وقت ذہن میں نہیں ہے جس کو مرتب طریقہ سے بیان کروں کوئی بے ترتیبی سی باتیں دو چار آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔

اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دباؤ گے:

مولانا فرمارہے تھے کہ جتنی مخالفت ہوتی ہے ہمارا سلسلہ اتنا ہی بڑھتا

چلا جاتا ہے، یہ شمار کرکے بتا رہے تھے پہلے مدرسے کتنے تھے اب کتنے ہوگئے، پہلے پڑھانے والے کتنے تھے اب کتنے ہوگئے، مجھے تو کبیر والا کا دور یاد ہے کہ درجہ قرآن اور درجہ کتب کے طلباء جو مدرسہ میں رہا کرتے تھے تو ان کی تعداد ۴۵ ہوتی تھی اور آج کتنی ہے یہ مولانا ارشاد احمد صاحب مدظلہ بتائیں گے (۲ ہزار)

جب وہ شمار پیش کررہے تھے تو میرے ذہن میں ایک مختصر سا سوال آیا کہ میں آپ حضرات سے پوچھوں اگرچہ آپ نے توجہ کبھی نہیں کی ہوگی لیکن شاید سنا ہو کہ یہ کتیا کتنے بچے دیتی ہے؟ ایک دفعہ آٹھ تک چلی جاتی ہے۔ اور بکری کتنے بچے دیتی ہے؟ دو یا تین، کتیا کے بچے بکری کے مقابلہ میں زیادہ ہوتے ہیں لیکن کبھی اس کے ریوڑ پھرتے ہوئے دیکھے ہیں؟ کبھی کتوں کے ریوڑ پھرتے ہوئے دیکھے ہیں؟ (نہیں) اور بکریوں کے ریوڑ جدھر جاؤ ریوڑ ہی ریوڑ پھرتے ہیں، تو دونوں میں فرق کی وجہ کیا ہے؟ دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ ایک اللہ کے نام پر ذبح ہوتا ہے، دوسرا اللہ کے نام پر ذبح نہیں ہوتا، بکری اللہ کے نام پر ذبح ہوتی ہے، اس کے بچے ذبح ہوتے ہیں، نسل بڑھتی چلی جاتی ہے، یہ اللہ کے نام پر قربانی دینے کا نتیجہ ہے، کتوں کی کوئی قربانی نہیں کرتا، پتہ نہیں اتنے پیدا ہونے کے باوجود کہاں چلے جاتے ہیں۔

تو یہ ان لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ ہم اتنے علماء کو قتل کریں گے تو وہ ختم ہوجائیں گے ان کو پتہ نہیں یہ نسل بڑھے گی، گھٹے گی نہیں، اور اس کا واقعاتی ثبوت مولانا محمد نواز صاحب آپ کے سامنے پیش کررہے تھے، جتنا خون بہتا ہے اتنا ہی یہ نسل پھیلتی چلی جارہی ہے اور انشاء اللہ العزیز پھیلتی ہی چلی جائے گی۔

منافق زیادہ خطرناک ہیں:

اس وقت دنیا میں ٹکراؤ ہے، عیسائی یہودی کفار ایک جانب اور مسلمان ایک جانب، بظاہر آپ دیکھتے ہیں تو معلوم یوں ہوتا ہے کہ جس طرح سے مسلمان مغلوب

ہیں واقعتاً اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان نقصان اُٹھاتے ہیں لیکن کافروں کے ہاتھوں سے کم منافقوں سے زیادہ، کافر یہود ونصاریٰ اپنی سازشوں کے ساتھ مسلمانوں کے اندر ہی ایک ایسا طبقہ پیدا کردیتے ہیں منافقوں کا جتنا نقصان اس کے ذریعہ سے ہوتا ہے کافر براہ راست اتنا نقصان نہیں پہنچاسکتا، ٹکراؤ ہے یہود ونصاریٰ اور کفار سے، یہ میدان میں اسلام کے مقابلہ میں شکست کھاتے ہیں، ان کے مقدر میں شکست ہے اور آخری فتح جو ہے وہ انشاء اللہ العزیز اسلام کی ہے اور یہ اپنا کام جو چلاتے ہیں یہ سازشوں کے ساتھ چلاتے ہیں، مسلمانوں کے اندر سازشیں کر کے مسلمان کو مسلمان کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔

یہود کی سب سے پہلی سازش اپنے باپ اور بھائی کے خلاف تھی:

اور یہ بات تو آپ جانتے ہی ہیں، اچانک زبان پر آگئی کہ اس وقت تمام کفر اور سازشی ٹولہ یہ سارے شاگرد ہیں یہود کے اور عمل دخل اس فساد میں سارے کا سارا یہود کا ہے اور آپ نے کبھی غور نہیں کیا یہ نسل جو ہے یہود جن کو ہم بنی اسرائیل کہتے ہیں یہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام تھا اسرائیل اور یہ ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ بارہ بیٹے تھے حضرت یعقوب علیہ السلام کے اور یہ بارہ خاندان چلے آگے بنی اسرائیل کے،

- یعقوب علیہ السلام نبی،
- یعقوب علیہ السلام کے والد حضرت اسحاق علیہ السلام نبی،
- حضرت اسحاق علیہ السلام کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی،

یہ سارا سلسلہ انبیاء کا ہے، یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن کو ہم بنی اسرائیل کہتے ہیں، یہاں سے ان کی نسل کی خصوصیت جو ہے اس میں کچھ تبدیلی آئی۔ اس نسل نے جو یعقوب علیہ السلام کے اولاد تھی (ذرا غور کرتے جانا مولانا آپ کو لقمہ دینے

کی اجازت ہے امام بھولے تو لقمہ دینا چاہئے) سب سے پہلے اس نسل نے جو بنی اسرائیل کہلاتے ہیں۔

سب سے پہلے انہوں نے سازش اپنے باپ کے خلاف کی، پتہ ہے آپ کو؟ اپنے بھائی کے خلاف کی، ان کی سازش کا نشانہ سب سے پہلے باپ بنا اور بھائی بنا، چونکہ بات معروف ہے شاید آپ سمجھ گئے ہوں گے بھائی سے مراد یوسف علیہ السلام، یوسف علیہ السلام اور ان کے چھوٹے بھائی وہ ایک طرف اور یہ دس جو تھے وہ ایک طرف۔ انہوں نے سازش کی اپنے بھائی کے خلاف، یوسف علیہ السلام کے خلاف اور اپنے باپ کے خلاف، قرآن کریم نے مستقل سورۃ کے اندر ان کا مکمل واقعہ بیان کیا ہے، کیسے چکر دیا اپنے والد کو اور کس طرح سے بہلا پھسلا کر لے گئے اپنے بھائی کو، بھائی کو لے جا کر غلام بنا کر بیچا اور باپ کے سامنے جھوٹ کے پلندے بنا کر پتہ نہیں کیا قصے کہانیاں بنائیں، بھیڑیا کھا گیا، یہ ہوگیا وہ ہوگیا، وہ قصہ سارے کا سارا آپ سنتے رہتے ہیں اس میں نئی بات کوئی نہیں ہے جو میں کہہ رہا ہوں سب سے پہلے سازش انہوں نے اپنے باپ کے خلاف کی اور اپنے بھائی کے خلاف کی، تفصیل اس لئے نہیں ذکر کرسکتا کہ ایک تو ہمت نہیں ہے، کمزوری کا احساس بہت ہو رہا ہے اور دوسرا وقت بھی زیادہ ہو رہا ہے۔

لیکن اس سازش میں ذلیل بھی خود ہوئے:

اس سازش کے نتیجہ میں ہوا کیا؟ بڑے جال بُنے انہوں نے، بہت اونچ نیچ کی لیکن برسہا برس کے بعد ذلیل ہوئے، رسوا ہوئے، ہمیشہ کے لیے تاریخ کے اندر ان کا قصہ آ گیا اور یہ ذلیل ہوئے تھے اپنے ہی اس بھائی کے ہاتھوں جس بھائی کے خلاف انہوں نے سازش کی تھی، ایسے ہوا تھا؟ یوسف علیہ السلام کے ہاتھوں ہی ذلیل ہوئے، تو اس خاندان کی ابتداء یہاں سے ہوتی ہے، سازشیں کرتے ہیں کرنے کے بعد سوائے ذلت کے ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔

یہودی آخر وقت میں بھی ایک بنی اسرائیلی کے ہاتھوں ہی مریں گے:

سارے واقعہ کو مختصر کرتے ہوئے آخر میں عرض کرتا ہوں کہ ہمیں جو کچھ بتایا گیا ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں وہ یہ ہے کہ آخر آخر مقابلہ جو ہے آخری مقابلہ جس وقت عیسائیت اور یہودیت کا نام ونشان مٹنا ہے، اس وقت تک مقابلہ جاری رہے گا، آخر آخر میں ان یہود کی ذلت وہ بھی اسی بنی اسرائیل کے ایک فرد کے ہاتھوں ہوگی تو آخری آخری جو ہے وہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہوں گے، ہم سب ان کے تابع اور ان کے فرماں بردار اور ان کی زیرکمان جہاد کرنے والے ہوں گے لیکن چونکہ قائد وہ ہوں گے اس لئے اس فتح کا ترانہ انہی کے نام پر پڑھا جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غالب آگئے، ہوں گے ہم سارے ساتھ، یہ بات عقیدے میں داخل ہے۔

یہاں تک کہ یہودی اگر پتھر کے پیچھے چھپے گا تو پتھر بھی آوازیں دے گا کہ "یامسلم خلفي يهودي اقتله" درخت کے پیچھے چھپے گا تو درخت بھی آوازیں دے گا "یامسلم خلفي يهودي اقتله" جس کا مطلب یہ ہے کہ نہ انہیں درختوں کے جنگلات پناہ دیں گے اور نہ ان کو پہاڑ اور پتھر پناہ دیں گے، کہیں چھپ نہیں سکیں گے، کسی مسلمان کے ہاتھوں یہ بچیں گے نہیں، تو ان کو بڑا ناز ہے اپنے سازوسامان پر لیکن اس کے آثار آپ کے سامنے بہت نمایاں ہوتے جارہے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز انجام اسی طرح سے سامنے آئے گا۔

خون جب بہتا ہے تو قوموں کی پرورش کرتا ہے:

یہ میں جو بات کہہ رہا ہوں اس ضمن میں کہ آج کل علماء کا قتل جو ہے وہ ایک منظم سازش کے تحت ہے اگر ان بے وقوفوں کو کوئی عقل دے دے کہ الٹا تم اپنے خلاف نسل کو بڑھا رہے ہو، یہ اور زیادہ ترقی کریں گے، یہ ان کے ختم کرنے کا طریقہ نہیں ہے، لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی جب تک کہ ان کا اپنا انجام ان کے

سامنے نہ آئے، اور انشاء اللہ العزیز آئے گا، تو قربانی کے نتیجہ میں قوم بڑھا کرتی ہے، قربانی کے نتیجہ میں قوم گھٹا نہیں کرتی اور یہ فقرہ یاد رکھنے کا ہے کہ جس وقت تک خون رگوں میں ہوگا وہ صرف ایک بدن کی پرورش کرتا ہے اور جس وقت یہ خون بہایا جاتا ہے تو پھر یہ قوموں کی پرورش کرتا ہے، اس خون کی یہ تاثیر ہے۔

جب تک علماء باقی ہیں دنیا قائم ہے:

اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس وقت تک اس روئے زمین پر کوئی ایک آدمی بھی اللہ اللہ کہنے والا ہوگا قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت ہے عالمی موت، پورا جہاں ختم ہو جائے گا، یہ ختم ہوگا اس وقت جب کہ اس کے اوپر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہیں ہوگا، اللہ اللہ سے مراد یہ ہے کہ صحیح عقیدہ صحیح دین والا کوئی شخص باقی نہیں رہے گا، ورنہ مشرک اور کافر اللہ کا لفظ بولے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، صحیح العقیدہ، صحیح المسلک، اللہ کی توحید کا پرچار کرنے والے ان میں سے کوئی فرد باقی نہیں ہوگا، تب جا کر قیامت آئے گی، وہ ہے بڑی قیامت "من مات فقد قامت قیامته" سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت چھوٹی بھی ہوتی ہے۔

مثلاً ایک بدو نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! قیامت کب آئے گی آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اذا وسد الامر الیٰ غیر اھله فانتظر الساعة" جس وقت کام کسی نالائق کے سپرد ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو، پہلے تو آپ ﷺ نے جواب یہ دیا تھا کہ جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت آئے گی تو اس نے پوچھا کہ امانت کے ضائع کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جب نااہلوں کے کام سپرد ہو جائے تو قیامت تب آئے گی۔

تو ہم طلباء کو سمجھانے کیلئے کہا کرتے ہیں کہ دیکھو ایک تو بڑی قیامت ہے وہ تو جب عالمگیر نااہل مسلط ہوں گے وہ تو اسی وقت آئے گی لیکن شخصی طور پر بھی فرداً بھی جو

کام کسی نا اہل کے سپرد ہو اس کی قیامت آجاتی ہے، بس نئی ہو سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو، اناڑی ڈرائیور اس کے اوپر بٹھادیں بس پر قیامت آجاتی ہے۔

اور جس ملک کی قیادت نااہلوں کے ہاتھ آجائے اس ملک پر قیامت آجاتی ہے، اس کی وضاحت کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ قیامت آپ پر جو آئی ہوئی ہے کیا یہ نااہل قیادت کا نتیجہ نہیں ہے؟ تو جتنے نا اہل آتے جائیں گے اتنی ہی بربادی آتی چلی جائے گی، تو علماء تو وہ ہیں جو حق کو قائم رکھنے کے ساتھ اس دنیا کو قائم رکھنے کا ذریعہ ہیں، جب تک یہ باقی ہیں اس وقت تک جہان باقی ہے۔

اور یہ کتاب صحیح البخاری جو میرے سامنے رکھی ہوئی ہے اس کے کتاب العلم میں روایت موجود ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" **ان الله لا يقبض العلم ينتزعه من العباد**" اللہ تعالیٰ اس علم کو جو قبض کریں گے وہ ایسے نہیں کہ سینوں سے چھین لیں، پڑھا پڑھایا بھول جائے ایسے علم قبض نہیں ہوگا" **ولكن يقبض بقبض العلماء**" علم قبض ہوگا علماء کے جانے کے ساتھ "**حتى اذالم يبق عالم اتخذالناس رؤساجهالاً**" جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا پھر لوگ جاہلوں کو اپنا امام بنالیں گے "**فسئلوا**" ان جاہلوں سے پوچھا جائے گا" **فافتوابغير علم**" وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے" **فضلوا واضلوا**" خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے (بخاری ص ۲۰)۔ وہ ہوگا ہدایت کے ختم ہونے کا وقت اس لیے علماء کی بقاء جو ہے یہ دنیا کی بقاء کا ذریعہ ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو باقی رکھنا ہے علماء ختم نہیں ہوسکتے، یہ لوگ جو علماء کو ختم کرنے کی سوچ رہے ہیں تو گویا کہ یہ اپنے خیال کے مطابق اپنی بربادی اور اپنی قوم کی بربادی اور اپنے ملک کی بربادی کو دعوت دے رہے ہیں۔ اللہ ان کو ہدایت نصیب فرمائے (آمین)۔

ہم اللہ کے فوجی ہیں:

لیکن بہر حال طلباء کی خدمت میں عرض کرتا ہوں، علماء کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ کچھ کرتا ہے کماتا ہے کھاتا ہے،

- کوئی دکان بنائے بیٹھا ہے،
- کوئی کھیتوں میں محنت کرتا ہے،
- کوئی باغبانی کرتا ہے،

ہر آدمی محنت کرتا ہے، کماتا ہے کھاتا ہے، اس کے دماغ میں یہ ہوتا ہے کہ یہ میرے ہاتھ کی کمائی ہے میں محنت سے کماتا ہوں کھاتا ہوں اور یہ جو کچھ کمایا ہے یہ میری محنت کا نتیجہ ہے، اس کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے۔

لیکن ہم مولوی اور طالب علم ہم کیا کہیں کہ ہم کہاں سے کھاتے ہیں؟ ہم تو اوّل سے لے کر آخر تک صرف اللہ کے نام پر کھاتے ہیں۔ نہ ہم نے کبھی ہل چلایا، نہ ہم نے کبھی ٹوکری اٹھائی، کوئی کام بھی ہم نہیں کرتے، ہمیں رزق جو پہنچتا ہے وہ اس حوالے سے پہنچتا ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کیا ہوا ہے، ہر ضرورت ہماری اس حوالے سے پوری ہوتی ہے اور یہ حکومت کے جتنے محکمے ہیں ان محکموں میں سے ایک محکمہ ایسا ہے جس کے تمام اخراجات کی ذمہ داری حکومت نے اٹھائی ہوئی ہوتی ہے، رہائش کیا، لباس کیا، علاج کیا، ادویات کیا، کرایہ کیا، ان کا، بچوں کا، بیوی کا، ایک محکمہ ہے جس کے سارے اخراجات حکومت نے اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ محکمہ ہے فوج کا، فوج کی رہائش خوراک لباس جوتے حتیٰ کہ میں نے دیکھا ہے چونکہ ہمارے بعضے عزیز فوج میں تھے میں ان کے ہاں جا کر ٹھہرا تو صبح صبح سرکاری نائی آتا ان کی داڑھی مونڈنے کیلئے وہ داڑھی مونڈھ کر چلا جاتا ہے دوسرا آجاتا ہے جوتے پالش کرنے کے لئے، تیسرا آجاتا ہے کسی اور کام کے لئے، ایک ایک ضرورت کے لئے

آدمی متعین ہے تو ہر ان کی ضرورت پوری جو ہوتی ہے تو ایک وقت آتا ہے کہ جب ملک کے اوپر دشمن حملہ کردے تو دشمن کے حملہ کرنے کے بعد اس کا فرض ہے دفاع کرنا گویا کہ فوجی اپنے سر کی قیمت کھاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ میدان جنگ سے فوجی کا بھاگ جانا ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اس کو گولی ماردی جاتی ہے جو محاذ سے بھاگ جائے کیوں؟ اپنی قیمت تو وہ کھائے بیٹھا ہے اب بھاگے کیسے؟ تو جس طرح سے فوج اپنے خون اور اپنے سر کی قیمت کھاتی ہے اور وقت پر اس کا بھاگ جانا یہ اس کی نمک حرامی ہے اور وہ اس قابل نہیں کہ اس کو زندہ چھوڑا جائے ہم بھی اللہ کے دین کے نام پر کھاتے ہیں، اور ہماری ساری ضرورتیں اللہ کے دین کے لئے پوری ہوتی ہیں، اب اگر دین پر کوئی وقت آجائے اور ہم سے ہمارا سر اور خون مانگا جائے اگر ہم پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے تو ہمارا انجام بھی وہی ہے، ہم بھی اپنے سر کی قیمت کھا رہے ہیں اس لئے جب بھی جان دینے کی ضرورت پیش آجائے تو اس وقت پھر پیچھے ہٹنے کی بات نہیں ہے۔

گائیوں میں قربانی کا جذبہ:

مجھے یاد پڑتا ہے (اللہ اکبر) یہ سارے حضرات جانتے ہیں کہ ہمارے ایک دوست ہیں قاری سیف الدین صاحب مکہ معظمہ میں ہوتے ہیں یہ واقعہ کئی سال پہلے مجھے انہوں نے سنایا، فرمانے لگے اس دفعہ حج کے موقع پر ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ ایک آدمی مذبح میں جانور کی قربانی کرنے کے لئے گیا ذبح کرنے کے لئے گائے کو لٹانے لگے تو گائے چھوٹ کر بھاگ گئی، کہتے ہیں کہ اس باڑے کے اندر جتنی گائیاں موجود تھیں وہ گائیں اس گائے کے پیچھے بھاگیں اور سینگ مار مار کر اس کو مار دیا، کہتے ہیں کہ دنیا نے تماشا دیکھا گائیوں نے گائے کو مار دیا گویا کہ وہ دن چونکہ قربانی کے ہوتے ہیں تو جانوروں کو بھی احساس ہے کہ ہمیں قربانی کے لئے تیار کیا گیا ہے، ہم

قربان ہونے کے لئے آئے ہیں تو جس گائے نے اپنے اس منصب سے انحراف کیا جانوروں نے اس کو ماردیا، اتنا شعور جانوروں میں ہوتا ہے ہم سمجھتے نہیں، یہ تو خیر ایک واقعہ ہوا جو عام ذکر کیا گیا

اونٹوں میں قربانی کا جذبہ:

ورنہ حدیث شریف میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ حج کے لئے تشریف لے گئے تو سو اونٹ آپ ﷺ نے قربانی کیلئے لئے تھے، جن میں سے تریسٹھ (۶۳) اونٹ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک سے نحر کئے تھے، ذبح کئے تھے، وہاں مشکوۃ شریف میں روایت موجود ہے کہ جب ایک اونٹ آتا جس کو آپ نحر کرنے لگتے تو اس کے نحر کرنے کے بعد جب دوسرے کا نمبر آتا تو ہر کوئی آگے بڑھتا تھا کہ میں پہلے جاؤں "کلھن یزدلفن الیه بایھن یبدء" اونٹ بڑھ بڑھ کر آگے آتا تھا کہ ابتداء اس کے ساتھ ہو، یعنی اپنے آپ کو سب سے پہلے پیش کرنے کے لئے اونٹ بڑھ بڑھ کر آگے آتے تھے۔ یہ حدیث میں موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو معلوم ہو رہا تھا کہ ہم اللہ کے نام پر قربان ہو رہے ہیں، اللہ کے رسول کے ہاتھوں قربان ہو رہے ہیں اس سے بڑھ کر سعادت کیا ہوگی؟ اس سعادت کو حاصل کرنے کے لئے وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے تھے۔

یہ روایت دلیل ہے اس بات کی کہ جانوروں کو بھی احساس ہے کہ ہم قربانی کے لئے تیار کئے گئے ہیں اور ہم نے اللہ کے نام پر قربان ہونا ہے، اس لئے وہ شوق کے ساتھ اپنی جان کو پیش کرتے ہیں، اور اللہ کا نام جو لیا جاتا ہے تو اللہ کا نام لینے کے ساتھ کہتے ہیں کہ ان کی روح مست ہو جاتی ہے جس کی بناء پر ذبح ہونے میں ان کو تکلیف نہیں ہوتی بلکہ خوشی کی حالت میں جاتے ہیں ان قربانیوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔

ہر وقت قربانی کے لیے تیار رہو:

بہرحال علماء کا فرض یہی ہے کہ حق کو سمجھیں، سمجھائیں اور ہر وقت اپنے آپ کو قربان کرنے کیلئے تیار رہیں اور کبھی بھی اس بارے میں نہ بزدلی دکھانی چاہئے، نہ مرعوبیت دکھانی چاہئے، یہ ہمارا فرض ہے ورنہ ہم نے اللہ کے لئے اللہ کے نام پر جو ساری زندگی کھایا ہے تو ہم نے اس کا حق ادانہیں کیا اس لئے ہم تو ہر وقت تیار رہتے ہیں، جب بھی اللہ تعالیٰ چاہے، اس کی جب منشاء ہو، بستر کی موت کی بجائے ہمیں وہی موت زیادہ پسند ہے جس میں رگوں سے خون جاری ہوجائے، روتے تھے ہمارے حضرات جن کو یہ شہادت نصیب نہیں ہوتی تھی۔

افسوس! کہ بستر پر مر رہا ہوں:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ جب دلّی میں بیمار تھے تو ایک دن دیکھا کہ زاروقطار رو رہے ہیں، کسی نے پوچھا کہ حضرت کوئی تکلیف ہے بالکل آخری ایام میں کوئی تکلیف ہے جس کی بناء پر آپ رو رہے ہیں؟ فرمایا تکلیف کیا ہے؟ ارادہ تھا، دل چاہتا تھا کہ کہیں میدان میں شہادت نصیب ہوتی میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے لیکن آج میں گھر میں بستر پر مر رہا ہوں افسوس اس بات پر ہو رہا ہے، یہ تھی روحانی کیفیت اللہ کے نام پر قربان ہونے کی ہمارے اکابر میں، الحمدللہ وہی سنت ہمارے احوال جو ہم نے جاری رکھے ہوئے ہیں، یہ مرنا یہ مارنا یہ ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کی بناء پر ڈر کر ہم اپنے آپ کو مرعوب نہیں کرسکتے، انشاء اللہ العزیز یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ بہرحال یہ بے ربطی سے دوچار باتیں میں نے آپ کی خدمت میں عرض کردیں کوئی زیادہ لمبا مضمون مرتبط تو ذہن میں تھا نہیں وقت گزاری کر رہا ہوں۔

آخری حدیث کا درس:

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں آخری ترجمۃ الباب رکھا ہے وزن اعمال کا جس میں وہ عقیدہ نقل کرتے ہیں اہل سنت والجماعت کا'' ان اعمال بنی آدم و قولھم یوزن ''بنی آدم کے اعمال اور قول تولے جائیں گے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال بھی آپ کے باقی ہیں اور اقوال بھی باقی ہیں اور قیامت کے دن ان کو میزان میں رکھا جائے گا اور تولے جائیں گے یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ابتداء سے ہے تو بعض عقل کے بندے، عقل کے پجاری اس بات میں انکار کرتے تھے، ایک فرقہ جو معتزلہ کہلاتا ہے ان کے اعتراضات اور ان کے جوابات ہماری کتابوں کے اندر نقل کیے جاتے ہیں۔ لیکن اب اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اب تو یہ بات اتنی نمایاں ہوگئی ہے کہ بچہ بچہ جانتا ہے کہ منہ سے نکلا ہوا لفظ یہ بھی محفوظ کرلیا جائے اور یہ نقل وحرکت، عمل یہ بھی محفوظ کرلیا جائے تو یہ باقی رہتے ہیں، فنا نہیں ہوتے اب آج بھی اگر کوئی ریکارڈ کرایا ہو تو یہی آواز اور یہی الفاظ محفوظ ہورہے ہیں، دس سال کے بعد اگر آپ سننا چاہیں گے تو اسی طرح سے سن لیں گے اور اس سارے عمل کو محفوظ کرلیں تو دس سال کے بعد بھی دیکھوگے تو سارے کا سارا نظر آجائے گا۔

اب اس کے بارے میں کوئی اشکال نہیں اور ان نئی ایجادات نے اس قسم کے مسائل سمجھانے میں بہت آسانی پیدا کردی ہے۔ مثالیں دوں تو بات لمبی ہوجائے گی بہرحال اتنی سی بات ہے کہ اعمال کا محفوظ ہونا، اقوال کا محفوظ ہونا اب یہ اعتراضات سے بالاتر ہے اس کے اوپر کوئی اعتراض نہیں ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ ضائع نہیں ہوتے یہ محفوظ رہتے ہیں، یہ عقیدہ نقل کردیا اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ جو لفظ قرآن کریم میں جہاں آیا ہوا ہو تو صرف اشارہ فرمادیا کرتے ہیں۔

اب قسط کی مناسبت سے قسطاس کا معنی نقل کردیا اور پھر بتادیا کہ اس کا استعمال باب افعال سے بھی ہے، مجرد سے بھی ہے، باب افعال سے ہو تو انصاف کے معنی میں ہے ''ان اللہ یحب المقسطین'' یہ لفظ افعال سے بھی آیا ہوا ہے اور مجرد سے ہو تو یہ ظلم کے معنی میں ہے ''اماالقاسطون فکانوا لجھنم حطبا'' قرآن کریم میں یہ بھی آیا ہوا ہے تو قسطاس اور مقسط اور قاسط قرآن کریم میں یہ الفاظ آئے ہوئے تھے ان کا تذکرہ کردیا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے۔ آگے وہ روایت نقل کی ہے اور روایت میں چونکہ یہ بات آگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو بڑے محبوب ہیں زبان پر بڑے ہلکے پھلکے ہیں آپ نے بھی پڑھ کر دیکھ لئے پڑھتے ہوئے کوئی گرانی نہیں ہوتی اور جب میزان میں رکھے جائیں گے تو بہت وزنی ہوں گے۔ اس کے ساتھ وزنِ اعمال کی بات ثابت ہوگئی کہ یہ اقوال ''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم'' یہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں اور یہ ترازو میں رکھے جائیں گے۔

دعویٰ دو چیزوں کے متعلق تھا اعمال کے متعلق بھی اور اقوال کے متعلق بھی۔ دلیل اقوال کے متعلق آئی ہے اعمال کے متعلق نہیں آئی لیکن دو باتیں آپس میں لازم ہوں تو ایک کا ثبوت دوسرے کا ثبوت ہوتا ہے۔ اور ''لعدم القائل بالفصل'' فقہ کا جو اصول ہے کہ جو انکار کرتے ہیں وہ وزن اعمال اور وزن اقوال دونوں کا کرتے ہیں اور جو اقرار کرتے ہیں وہ دونوں کا اقرار کرتے ہیں یہ نہیں کہ ایک کو مانیں دوسرے کو نہ مانیں جب دو چیزیں آپس میں ایسی ہوں تو ایک کا ثبوت دوسری کا ثبوت ہوتا ہے، جب قول کا وزن ثابت ہوگیا تو اعمال کا وزن بھی ثابت ہوگیا۔ اور وہ اقوال جو یہاں نقل کئے گئے ہیں وہ یہی ہیں ''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم'' تو خاتمہ جو ہے وہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کی تسبیح اور اللہ کی تحمید پر کیا ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت ''ثقیلتان فی المیزان'' کے ساتھ ہے اور آخری آخری کتاب'' کتاب التوحید'' ہے اور ان الفاظ کی مناسبت کتاب التوحید سے بھی ہے کہ یہ الفاظ جو ہیں یہ توحید پر بھی دلالت کرتے ہیں، آئے دن آپ کے سامنے یہ بات ہوتی رہتی ہے اس لئے اس کی زیادہ وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں۔

اللہ کی حمد پر کتاب ختم کرنے کی حکمت:

اور آخر میں تسبیح یہ کفارہ بھی ہے مجلس کا حضور ﷺ پڑھا کرتے تھے مجلس کے آخر میں ''سبحانك اللهم وبحمدك اشهدان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك'' اور فرمایا کہ اس مجلس میں اگر کوئی اچھی بات ہوئی ہو تو اس پر مہر لگ جاتی ہے، وہ محفوظ ہو جاتی ہے اور اگر کوئی کمی کوتاہی ہوئی ہو تو ان الفاظ کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتے ہیں، اس لئے علماء کے نزدیک یہ الفاظ کفارۃ المجلس ہیں یہ مجلس کا کفارہ ہے۔

تو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ بھی انہیں الفاظ پر گویا کہ اللہ کے ذکر پر، اللہ کی تسبیح وتحمید پر اپنی کتاب کو ختم کر رہے ہیں، جس میں ہوسکتا ہے کہ ان کے ذہن میں بھی ہو کہ اس ذکر کی برکت سے اگر کوئی کمی کوتاہی ہوگئی ہو اگرچہ کتاب کے لکھنے میں، جمع کرنے میں، ذکر کرنے میں، بنانے میں انسانی کوشش کے مطابق کوئی کوتاہی انہوں نے نہیں کی لیکن پھر بھی انسان انسان ہی ہوتا ہے اگر کچھ کمی کوتاہی ہو تو اللہ اس ذکر کی برکت سے اس کو معاف فرمادیں اس طرح سے خاتمہ جو ہے وہ تسبیح وتحمید پر ہوگیا۔

ابتداء اور آخر کی مناسبت واضح ہے کہ شروع کیا تھا اخلاص عمل سے، نیت کا ذکر کیا اور یہاں وزن اعمال کا تذکرہ کر کے فکر آخرت آگئی اور خاتمہ جو ہے وہ ذکر پر ہوگیا یہی خلاصہ ہے ساری تعلیم کا اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

طلباء کو اجازت حدیث:

باقی حدیث کے باب میں یہ بھی ایک مسئلہ ہے کہ طلباء جو فارغ ہوتے ہیں ان کو روایت حدیث کی اجازت دی جاتی ہے، اصل اجازت تو ان اساتذہ کی طرف سے ہوتی ہے جنہوں نے سارا سال پڑھایا ہے اس کو سلسلۃ الدرس کہتے ہیں۔

میں نے یہ کتاب صحیح البخاری حضرت مولانا عبد الخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی جو دارالعلوم کبیروالہ کے بانی ہیں یہ دیوبند کے اساتذہ میں سے ہیں پاکستان بننے کے بعد پاکستان میں آئے تھے، پہلے دیوبند میں پڑھاتے تھے، آپ حضرات کو معلوم ہے کہ قاسم العلوم میں صدر مدرس تھے تو جامع ترمذی اور صحیح بخاری یہ دونوں ان سے پڑھیں، صحیح مسلم حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی، سنن ابی داؤد حضرت مولانا علی محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی اور نسائی، طحاوی یہ کتابیں میں نے مولانا محمد ابراہیم تونسوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی، اور یہ سارے فاضل دیوبند کے ہیں، اور میرا حدیث کا کوئی استاذ فاضل دیوبند سے باہر نہیں ہے، سب فاضل دیوبند ہی ہیں، ان کی طرف سے جو سند ہے وہ سلسلۃ الدرس کہلاتا ہے۔

باقی مختلف بزرگوں سے تبرکاً اجازت لی جاتی ہے وہ الحمدللہ بہت سارے اکابر سے حاصل ہے تو میں ان سب نسبتوں کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ سے میں نے ۱۳۹۸ھ میں مدینہ منورہ میں اجازت لی تھی اور اس اجازت میں میرے لئے واسطہ بنے تھے ہمارے دوست مولانا محمد عابد صاحب جو سامنے بیٹھے ہیں یہ احسان ان کا ہے کیونکہ یہ وہیں شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں ہوتے تھے۔ تو میں نے ان سے کہا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے وقت لیں میں اجازت حدیث لینا چاہتا ہوں۔ تو انہوں نے حضرت سے ذکر کر کے وقت لیا تو میں نے وہاں مدینہ منورہ میں ۱۳۹۸ھ میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لی تھی۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اجازت لی اور دوسرے بزرگوں سے بھی ہے بہرحال یہ مولوی عابد صاحب سامنے بیٹھے نظر آرہے تھے تو میں نے ان کے احسان کا تذکرہ کردیا اور یہ بھی شکرگزاری کا ایک طریقہ ہے تو شکریہ ادا کررہا ہوں ان کا جن کی وساطت سے مجھے یہ فضیلت حاصل ہوئی ہے تو ان نسبتوں کے ساتھ ان طلباء کو جو فارغ التحصیل ہورہے ہیں روایت حدیث کی اجازت دیتا ہوں اور یہ نسبت اللہ تعالیٰ میرے لئے اور ان طلباء کے لئے دنیا اور آخرت میں برکت کا باعث برکت بنائے (آمین)

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمدلله رب العالمين

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

خانقاہ اور مدرسہ

بموقع: ختم بخاری

بتاریخ: رجب ۱۴۳۳ھ

بمقام: جامعہ عبیدیہ فیصل آباد

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

تمہید:

پہلے سے معمول یہ چلا آرہا ہے کہ صوفیاء کا اجتماع علیحدہ ہوا کرتا ہے اور تقریب ختم صحیح البخاری وہ آخر میں ہوا کرتی ہے، پہلے بھی آپ حضرات کے سامنے حاضر ہونے موقع ملتا رہتا ہے، اس دفعہ ہمارے محترم حضرت شاہ صاحب نے اس طرز میں مجھ پر شفقت کرتے ہوئے تبدیلی کی ہے کہ مجھے دو دفعہ نہ آنا پڑے ایک دفعہ میں کام ہوجائے، اس لیے اس صوفیاء کے اجتماع کے آخر میں طلبہ دورہ حدیث کے آخری سبق کا بھی اہتمام کرلیا گیا تا کہ سال کے آخر میں دوبارہ اس قسم کا اجتماع بلانے کی ضرورت نہ ہو، یہ کل سے آپ کے سامنے بیانات بھی ہورہے ہیں، مجالس ذکر بھی ہو رہی ہیں، مراقبے بھی ہورہے ہیں، وہ سارے کا سارا خانقاہی حصہ ہے۔

علماء کرام اور صوفیاء عظام کا مطلب:

یا یوں کہہ لیجئے کہ دو لفظ ہمارے ہاں استعمال ہوتے ہیں علماء کرام، صوفیاء عظام، اسی کے ساتھ ملتے ہیں مدرسہ اور خانقاہ، یہ دو فریق ہوگئے کیا مطلب ہے اس کا؟ اصل بات یہ ہے کہ ایک دفعہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہاں دو قسم کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے مشکوٰۃ میں کتاب العلم میں روایت ہے مسجد میں دو ٹولیاں بنی ہوئی تھیں ایک ٹولی جو تھی وہ اپنے طور پر تسبیح و تحمید "سبحان اللہ " الحمدللہ" لا الہ الا اللہ واللہ اکبر" حدیث شریف میں جو الفاظ ہیں ان میں مصروف تھی۔

اور ایک گروہ سامنے بیٹھا تھا وہ پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوئے تھے، روایات بیان کرتے، ایک دوسرے کو سناتے، ان دونوں گروہوں کو دیکھنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کلاھما علی خیر" دونوں مجلسیں جو الگ الگ ہیں یہ خیر

پر ہیں، خیرو برکت پر ہیں یہ فرمایا کہ یہ دونوں گروہ خیر پر ہیں لیکن پھر آگے تفصیل بیان فرمائی کہ یہ گروہ جو اللہ کو پکار رہا ہے، اللہ سے دعا کر رہا ہے، اب آگے اللہ کی مرضی قبول کرنا نہ کرنا اس کے اپنے اختیار میں ہے،

- یہ جو دعا کر رہے ہیں،
- اللہ کی حمد وثناء کر رہے ہیں،
- ہاتھ پھیلا رہے ہیں،

ان کی دعا کو قبول کرنا یہ اللہ کے اختیار میں ہے اللہ کی مرضی قبول کرے یا نہ کرے۔

اور فرمایا کہ جو دوسرا گروہ ہے" **فیتعلمون الفقه اوالعلم و یعلمون الجاهل فهم افضل وانما بعثت معلما ثم جلس فیهم**" فرمایا یہ جو دوسرا گروہ ہے یہ علم سیکھتے ہیں، علم کا لفظ فرمایا یا فقہ کا لفظ فرمایا، فقہ سیکھتے ہیں، دین کی سمجھ حاصل کرتے ہیں اور نہ جاننے والوں کو پڑھاتے ہیں"**یعلمون الجاهل**" جاہل نہ جاننے والا عالم کے مقابلہ میں، علم حاصل کرتے ہیں، فقہ حاصل کرتے ہیں اور پھر نہ جاننے والوں کو آگے تعلیم دیتے ہیں۔

یہ تعارف کروانے کے بعد فرمایا"**وانما بعثت معلما**" مجھے اللہ نے معلم بنا کر بھیجا ہے، علم سیکھنے والا اور سکھانے والا، مجھے معلم بنا کر بھیجا ہے" **ثم جلس فیهم**" یہ پڑھنے والے جو کام کرتے تھے ان کی مجلس کے اندر آپ ﷺ تشریف فرما ہوئے "**کلاهما علی الخیر**" یہ دونوں ہی گروہ اچھے ہیں لیکن عملاً نبی کریم ﷺ نے علم سیکھنے والے اور سکھانے والوں کو ترجیح دی اور"**بعثت معلما**" فرمایا کہ مجھے بھی اللہ نے معلم بنا کر بھیجا ہے اور یہ کہنے کے بعد"**ثم جلس فیهم**" ان میں شامل ہو گئے جو علم سیکھ سکھا رہے تھے۔

حضور ﷺ کی زندگی میں ہی دو گروہ بن گئے تھے:

جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہی دو قسم کے گروہ ہو گئے تھے، بعضے تو وہ تھے جن کی طبیعت پر
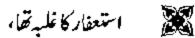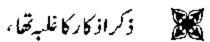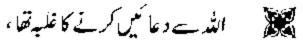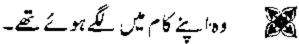
اور ایک گروہ وہ تھا جو سرور کائنات ﷺ کی باتیں یاد کرتا، حدیثیں یاد کرتا، جس گروہ کے سرخیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے وہ علم حاصل کرتے تھے اور ایک دوسرے کو پڑھاتے تھے۔

یہ دو گروہ عملاً علیحدہ علیحدہ مسجد نبوی میں ممتاز ہو گئے تھے، دونوں کے درمیان میں فرق کیا ہے؟ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ یہ تلاوت ذکر و اذکار کرنے والا، ذاکر آدمی اللہ سے دعا کرنے والا کوئی جاہل نہیں ہوتا ہے، علم اس کے پاس بھی ہوتا ہے، جاہل آدمی نہ اللہ کو یاد کر سکتا ہے، اور نہ اللہ کی عبادت کر سکتا ہے،

- وہ بھی عالم تھے،
- وہ بھی جاننے والے تھے،
- فقہ جانتے تھے،

لیکن آگے ان کی طبیعت میں علم کی نشر و اشاعت کے غلبے کی بجائے عبادت کا غلبہ تھا، ذکر اذکار کا غلبہ تھا، اور وہ اپنی عبادت سے ظاہری طور پر فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اور دوسرے جو تھے وہ ایسے نہیں تھے کہ ذکر اذکار نہ کرتے ہوں یا تسبیحات نہ پڑھتے ہوں کیونکہ عالم جو عابد نہ ہو وہ بھی قابل تعریف نہیں ہے وہ بھی اسی طرح سے

- ذکر اذکار کے عادی تھے،
- عبادت کرتے تھے،

- نمازیں پڑھتے تھے،
- روزے رکھتے تھے،
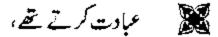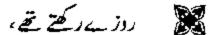
سارے کام کرتے تھے صوفیاء والے لیکن ان کی طبیعت میں غلبہ تھا پڑھنے پڑھانے کا تو اس طرح سے وہاں عابد سے عابد جاہل مراد نہیں اور یہاں سے بے عمل عالم مراد نہیں ہے، وہ عابد بھی علم والا لیکن غلبہ عبادت کا اور یہ عالم بھی عبادت گزار لیکن غلبہ علم کا اس طرح سے وہ دو فریق جو تھے وہ آپس میں ممتاز ہو گئے لیکن یہ ایک عام واضح بات ہے کہ متعدی عبادت جو ہے وہ پڑھنا پڑھانا ہے اور ذکر اذکار، دعا یہ لازمی عبادت ہے اس سے انسان اپنی ذات کیلئے فائدہ اٹھاتا ہے۔

خانقاہ و مدرسہ کا تعارف:

عبادت کے لیے، ذکر اذکار کے لیے جو جگہ بنائی جائے اس کو خانقاہ کہتے ہیں، اور پڑھنے پڑھانے کے لیے جو بنایا جائے اس کو مدرسہ کہتے ہیں، یہ مدرسہ اور خانقاہ دونوں اسی طرح سے ہیں کہ پڑھنے پڑھانے کے لیے جو بنایا جائے اس کو مدرسہ کہتے ہیں اور ذکر اذکار کے لیے، عبادت کیلئے جو بنائی جائے اس کو خانقاہ کہتے ہیں اب یہ سارے حضرات اہل علم میرے پیچھے بیٹھیں ہیں پشت پناہی کیلئے ان کی موجودگی میں کیا کہوں۔

لفظ خانقاہ کا کیا مطلب ہے؟ خانقاہ کسے کہتے ہیں؟ مدرسہ تو واضح ہے "درس یدرس" پڑھنا پڑھانا تو مدرسہ تو پڑھنے پڑھانے کی جگہ کو کہتے ہیں، یہ خانقاہ کیا چیز ہے؟ اس بارے میں لفظ جو مشہور ہے خانقاہ "ق" کے ساتھ ہے یا خانگاہ "گ" کے ساتھ ہے، اصل میں یہ لفظ عربی نہیں ہے، فارسی کا لفظ ہے لیکن "گ"

عربی میں آتا نہیں ہے اس لیے عربی اس کو خانقاہ کے طور پر پڑھتے ہیں ورنہ اصل کے اعتبار سے خانگاہ ہے۔ مجھے کچھ یاد پڑتا ہے کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی ملفوظ میں یہ بات نظر سے گزری کہ اصل میں یہ لفظ جو ہے یہ غیر عربی ہے اور اصل میں یہ لفظ ہے ''خانہ گاہ'' خانہ گاہ سے مراد ہے چھوٹے چھوٹے کمرے، جس طرح سے کوئی آدمی دنیا سے لاتعلق ہو کر بیٹھ جائے تو کہتے ہیں گوشہ نشین ہو گیا، گوشہ نشین کا مطلب یہ ہے کہ الگ ہو کر بیٹھ گیا، ایک کونے میں بیٹھ گیا چاہے اصل کے اعتبار سے وہ ایک کمرے میں نہ بیٹھا ہو لیکن مجمع سے جب لاتعلق ہو کر علیحدہ ہو کر بیٹھ جائے تو اس کیلئے یہ لفظ بول دیتے ہیں۔

تو جس وقت یہ دو فن علیحدہ علیحدہ ہو گئے عبادت ذکر اذکار یہ خانقاہ اور تصوف کا کام ہے جس کیلئے اصل لفظ تزکیہ اور احسان کا ہے اور دوسرا پڑھنا پڑھانا اس کیلئے لفظ مدرسہ کا ہے تو تصوف یا تزکیہ کی جگہ خانقاہ ہے اور تعلیم کتاب وسنت یہ مدرسہ کا نشان ہے۔

ہمیں دونوں گروہوں کی ضرورت ہے:

تو جب یہ دونوں ممتاز ہو گئے تو وہ لوگ جن میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت جو دین کے پڑھنے پڑھانے والی صفت تھی جس کو مدرسہ کہتے ہیں وہ علماء کے حصہ میں آ گئی، اور تزکیہ والی صفت صوفیاء کے حصہ میں آ گئی،

تزکیہ کا معنی صاف ستھرا کرنا، انسان کے دل کے اندر بھی بعض خامیاں ہوا کرتی ہیں، نجاستیں ظاہری بھی ہیں باطنی بھی ہیں، انسان کو ظاہری نجاست جیسے کپڑے کو پیشاب لگ جائے اب یہ دھونے کے ساتھ آسانی کے ساتھ صاف ہو جائے گا لیکن اگر

دل کے اندر تکبر ہے،

دل کے اندر ریا ہے،

دل کے اندر حسد ہے،
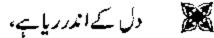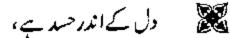
باطنی نجاستیں ہیں،

یہ پانی ڈالنے سے صاف نہیں ہوتیں، ان کو صاف کرنے کیلئے گوشہ نشینی، ذکر اذکار، مراقبے یہ اولیاء اللہ کے ہاں معمول بن گئے، سرور کائنات ﷺ کی زندگی میں اس کی ضرورت نہیں تھی، آپ ﷺ کی ایک نظر ان سب چیزوں کا صفایا کر دیتی تھی بشرطیکہ عقیدت اور محبت کے ساتھ ہو، بغیر عقیدت اور محبت کے فائدہ نہیں ہوا کرتا۔

عقیدت ومحبت کے بغیر حضور ﷺ کی زیارت کا کوئی فائدہ نہیں:

غیر شرعی بزرگ ظاہری اعتبار سے بھی عجیب، جنہیں آپ بہت غلط قسم کے کہہ سکتے ہیں ان سے میری ایک دفعہ ملاقات ہوئی، مجھے کہنے لگے کہ ہمارے صحیح ہونے پر دلیل یہ ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوتی ہے اگر ہم غلط ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کی زیارت کیوں ہوتی؟ یہ انہوں نے میرے سامنے بات کہی کہ اگر ہم غلط ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کی زیارت کیوں ہوتی؟ ہمیں زیارت ہوتی ہے یہ علامت ہے اس بات کی کہ ہم ٹھیک ہیں، میں نے کہا کہ کمال کا دارومدار زیارت پر نہیں ہے، سرور کائنات ﷺ نے مکہ معظمہ میں ترپن (۵۳) سال گزارے اور ترپن (۵۳) سال ابوجہل حضور ﷺ کو دیکھتا رہا ہے اور بیداری میں دیکھتا رہا ہے، آپ خواب میں دیکھتے ہیں، ابوجہل تو بیداری میں دیکھتا رہا اور ترپن (۵۳) سال تک دیکھتا رہا کیا پایا؟

ابوجہل تو دشمن تھا ابو طالب نے حضور ﷺ کے ساتھ کتنا وقت گزارا؟ تو (۹) سال کی عمر میں آپ ان کی سرپرستی میں آئے اور آپ کی عمر باون (۵۲) سال تھی جب ابو طالب کا انتقال ہوا، تو باون سال میں سے تو (۹) سال نکال

دیں تو بچ گئے ترتالیس (۴۳)، ترتالیس سال اس نے گزارے کیا فائدہ ہوا؟ مجالس سے فائدہ ہوتا ہے، صحبت سے فائدہ ہوتا ہے جب عظمت محسوس کرتے ہوئے ادب کے ساتھ، عقیدت کے ساتھ تعلق قائم کیا جائے اگر محبت اور عقیدت نہ ہوتو ایسی صحبت میں بیٹھنے کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ اس کو دیکھنے کا کوئی فائدہ ہوتا ہے۔

عقیدت کے ساتھ ایک مرتبہ کا دیکھنا کمال کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے:

بہر حال یہ تو زبان پر بات ایسے ہی آگئی تھی میں عرض یہ کر رہا تھا کہ سرور کائنات ﷺ کی ایک نظر بشرطیکہ آپ نے عقیدت و محبت کے ساتھ دیکھا ہو ایک نظر اتنا اونچا کر جاتی ہے انسان کو کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ ساری دنیا کے اولیاء ایک طرف اور ایسا صحابی ایک طرف جس کو ایک ہی دفعہ حضور ﷺ کو دیکھنے کا موقع ملا ہو، دنیا کے سارے اولیاء اکٹھے ہو کر، صوفی اکٹھے ہو کر اس ایک کو نہیں پہنچ سکتے، کہاں تو یہ بات تھی کہ ایک ہی نظر میں آدمی کمال کو پہنچ جاتا تھا لیکن جیسے جیسے آگے چلتے گئے ان چیزوں کو پختہ کرنے کیلئے نئے نئے طریقے آتے گئے، مراقبے شروع کر دیے، پہلے سمجھنے کیلئے صرف ونحو کی ضرورت نہیں تھی صرف ونحو شروع کر دی، لغات سمجھانے کیلئے لغت کی کتابیں لکھی گئیں، یہ سارے مبادیات جتنے بھی ہیں وقت کے ساتھ ساتھ علم حاصل کرنے کے لیے علماء نے اپنے اجتہاد کے ساتھ ایجاد کیے ہیں۔

باطن کی اصلاح کے لیے خلوت اختیار کرنا:

بالکل اسی طرح سے تزکیۃ القلوب، دل کو صاف کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

- حسد ہے، اس کو دور کیسے کرنا ہے،
- تکبر ہے، اس کو دور کیسے کرنا ہے،
- ریا ہے، اس کو دور کیسے کرنا ہے،

دنیا کی محبت اگر دل میں ہے تو اس محبت کو زائل کیسے کرنا ہے،

- غفلت ہے اس کو دور کیسے کرنا ہے،
- دل میں اللہ کی محبت نہیں ہے تو وہ کیسے پیدا کرنی ہے،

اس کیلئے صوفیاء نے، عابدین نے جو عبادت کے بھرے ہوئے تھے جن کا کام تھا تزکیہ، جن کا مقصد تھا حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کو علم کے بعد عمل بنانا اور اس کا رنگ چڑھانا تو یہ گروہ مستقل ہوگئے جس طرح سے کتب خانے علم ظاہری کے ہیں جس کا تعلق انسان کے ظاہر کے ساتھ ہے بالکل اسی طرح سے بڑے بڑے کتب خانے تصوف کے بھی ہیں جس کا تعلق انسان کے باطن کے ساتھ ہے، جن میں باطن زیر بحث آتا ہے اور باطن کی اصلاح کیلئے طریقے بتائے جاتے ہیں۔

تو جن حضرات نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات پیدا کرنے کیلئے مراکز بنائے تو وہ چونکہ اندر کی ضرورت تھی، باطن کی اصلاح کیلئے خلوت تنہائی یہ ایک بنیادی ضرورت ہے، انبیاء علیہم السلام خلوت اختیار کیا کرتے تھے، موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے چلہ لگوایا قرآن کریم میں اس کا ذکر آیا ہوا ہے چلہ لگوایا اور سرور کائنات ﷺ بھی جب نبوت کے ملنے کا وقت قریب آیا تو آپ کی عظمت کے طور پر رسول اللہ ﷺ پر ابھی وحی آنا شروع نہ ہوئی تھی موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم کے تحت طور پر گئے تھے، آپ ﷺ خود ہی رغبت کے طور پر غار میں جا کر خلوت اختیار کرتے رہے، غار حرا میں جو آپ سنتے رہتے ہیں وہاں خلوت اختیار کی، اور تدبر تفکر جو بھی عبادت تھی وہ کرتے رہے، آبادی سے باہر جا کر تو پھر اللہ کی طرف سے فیضان ہوا تو خلوت کا عمل باطنی فیضان کیلئے متواتر پہلے سے چلا آرہا ہے۔ انسان کو کچھ نہ کچھ وقت تنہائی میں تدبر و تفکر کیلئے نکالنا چاہئے تب جا کر دل کے اندر اللہ کی محبت پیدا ہوگی، اسی کو ہی ہمارے شاعر ہیں اکبر الہ آبادی چاہے وہ جج تھے نئے تعلیم یافتہ تھے لیکن علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی طرح قومی جذبات ان کے دل کے

اندر بہت اچھے تھے اورتہذیب نواس وقت نئ نئ نکل رہی تھی اس پران کی تنقید بہت موثر تنقید ہےان کاایک شعرآتا ہے،

خدا کی قدرت دیکھیے کیا پیچھے ہے کیا پہلے   نظر آتا ہے مجھے بدر سے غار حرا پہلے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدر کی صلاحیت غار حرا میں پیدا ہوئی ہے، جنگ و جدل بعد میں آیااور عملی زندگی پہلے اختیار کی۔

خلوت اختیار کرنے کیلئے بنائے گئے حجروں کو خانقاہ کہتے ہیں:

بہرحال جب انہوں نے خلوت کے کمرے بنائے تو چھوٹے چھوٹے کمرے بنائے تاکہ ایک کمرے میں زیادہ لوگوں کے رہنے کی گنجائش نہ ہوایک آدمی علیحدہ ہوکر زیادہ سے زیادہ زور لگائے گا اگر بھری مجلس ہوتو پھرآپ جانتے ہیں کہ باتیں ہوتی ہیں، قصے کہانیاں ہوتی ہیں اور جو کیفیات انسان پر طاری ہوتی ہیں اللہ کے ذکر کے ساتھ، مراقبے کے ساتھ بسا اوقات دوسروں کی موجودگی میں وہ کیفیت نہیں رہتی، انسان اس طرح سب کے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نہیں نکال سکتا اور بھی بہت ساری باتیں ایسی ہیں جو انسان اس طرح سب کے سامنے نہیں کرسکتا اس لیے ہرایک کے لیے چھوٹے چھوٹے کمرے علیحدہ علیحدہ بناتے تھے۔

یہ جامعہ اشرفیہ لاہور کی جو مسجد ہے اس میں جودونوں طرف حجرے بنے ہوئے ہیں یہ مفتی محمد حسن صاحب نے اہل سلوک کیلئے بنائے تھے اس لیے وہ جو خانے بنتے تھے،چھوٹے چھوٹےکمرے بنتے تھے اس کو کہتے تھے خانہ گاہ یا خانہ قاہ پھر خانقاہ ہو گیا اور مدرسہ یہ تو آپ کے سامنے ہیں کہ پڑھنے پڑھانے کیلئے درس گاہیں اور طلباء کے رہنے کیلئے کمرے یہ مدرسے کہلائے ،اور یہ مدرسے کے مقابلہ میں خانقاہیں کہلائیں، دین جو ہے وہ چھوٹے چھوٹے علم کے درجوں میں پڑھا ہوا ہوتا ہے اس کا اپنے اوپر رنگ چڑھانا اصل کے اعتبار سے یہ ذکر واذکار اور مراقبے اس لیے ہوتے تھے۔

عابد اور عالم میں فرق:

عرض میں یہ کر رہا تھا کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ " صاحب دلے بمدرسہ آمدز خانقاہ" ایک صاحب دل، ایک صوفی آدمی خانقاہ میں رہتا تھا لیکن خانقاہ سے مدرسے میں آ گیا "بشکستہ عہد صحبت اہل طریق را" اہل طریقت سے اس نے اپنا سلسلہ توڑ دیا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ صوفیوں کو چھوڑ کر مولویوں میں آ گیا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے اس سے پوچھا "گفتم میان عالم و عابد چہ فرق بود" میں نے اس سے کہا کہ تو نے عالم اور عابد میں کیا فرق دیکھا "تا کردی اختیار ازاں ایں فریق را" کہ اس فریق کو چھوڑ کر تو نے اس فریق کو اختیار کر لیا دونوں کے درمیان تو نے کیا فرق دیکھا وہ کہنے لگا "گفت او گلیم بدر میبرد زموج وبں جھد میکند کہ بگیرد غریق را" اس نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ صوفی آدمی تو اپنی زندگی بچانے کی فکر میں ہے اس عذاب سے کہ کہیں میں اس میں نہ بہہ جاؤں وہ اپنی فکر میں لگا ہوا ہے اور یہ جو مولوی ہے یہ غرق ہونے والوں کو پکڑ کر بچاتا ہے، یہ اپنی فکر نہیں کرتا بلکہ دوسرے ڈوبنے والوں کو بچاتا ہے تو گویا کہ تصوف جو ہے وہ نفس کی اصلاح ہے اور مدرسہ کا کام یہ ہے کہ دوسروں کو صحیح دین سکھایا جائے، ان کو برے عقیدوں سے بچایا جائے، فتنوں سے بچایا جائے، تو عالم خود بھی بچتا ہے اور دوسروں کو بھی ڈوبنے سے بچاتا ہے، بہر حال یہ دو فرقے بن گئے عالم اور عابد۔

خانقاہ اور مدرسہ کا جوڑ:

آپ پچھلی تاریخ پڑھیں گے تو اس میں خانقاہ اور مدرسہ دونوں کا کردار بہت نمایاں ہے لیکن یہ ہمارے اکابر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

خاص طور پر اور ان کے بعد کے جو اکابر ہیں ہندوستان کے علماء حق جن کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی انہوں نے مدرسہ اور خانقاہ کو اکٹھا کر دیا تو جہاں مدرسہ ہو، پڑھنا پڑھانا بھی ہو وہاں ساتھ ساتھ باطن کی تربیت کا نظم بھی ہو تو خانقاہ اور مدرسہ اکٹھے ہو گئے جب خانقاہ اور مدرسہ اکٹھے ہو گئے تو آپ جانتے ہیں کہ جو خانقاہ کا نظام ہے یہ مدرسوں میں بھی آ گیا ہے تو ان میں سے ایک مثال آپ کے سامنے یہ بھی ہے جہاں آپ بیٹھے ہیں کہ خانقاہ کے معمول بھی اسی جلسے میں ہوئے اور مدرسہ کا معمول درس حدیث اور ختم بخاری وہ بھی اسی جلسے میں ہو رہا ہے تو گویا کہ دونوں کو اکٹھا کر دیا خانقاہ کو اور مدرسہ کو یہ صورت ہے جس کی وجہ سے اسی مجلس کے اندر ختم بخاری بھی ہو رہی ہے تو ختم بخاری خالصۃً مدرسانہ عمل ہے اور پہلے جو ذکر اذکار مراقبے ہوتے رہے یہ خانقاہی عمل ہے اور دونوں کے اثرات الگ الگ ہیں۔

خانقاہوں میں طریقت پر بحث ہوتی ہے:

خانقاہی عمل میں زیادہ تر بحث ہوتی ہے دل کے احوال سے، زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں مختصراً عرض کرتا ہوں دل کی کیفیت تصوف میں جو مطلوب ہے وہ یوں سمجھیے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ مزمل کی تفسیر میں مجھے جہاں تک یاد ہے بہت دیر ہو گئی دیکھے ہوئے کوئی لفظ آگے پیچھے بھی ہو سکتا ہے انہوں نے کہا کہ آداب خانقاہی سب سے زیادہ قرآن کریم کی سورتوں میں سے اس سورۃ میں ملتے ہیں جس میں تہجد کی تلقین ہے لیکن اس میں خاص طور پر مرکزی نقطہ یہ ہے "واذکر اسم ربك و تبتل الیہ تبتیلا" تہجد کا ذکر رات کا قیام یہ ساری باتیں آئی ہوئی ہیں لیکن اس میں مرکزی نقطہ یہ ہے "واذکر اسم ربك" اپنے رب کا نام لے

اور سب سے الگ ہوکر اپنے رب کی طرف مائل ہو جا، یہ ہے وہ انتہائی مقصود جو ساری کی ساری محنت کی منزل ہے، ہمارے حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اگر ان کے مکتوبات پڑھنے کا آپ کو موقع ملے تصوف کے بارے میں ان کے جو مکتوبات ہیں وہ اکثر و بیشتر تحریر کے دوران میں بار بار لکھا کرتے تھے۔

''با بارشتہ سب سے توڑ با بارشتہ رب سے جوڑ'' سب سے توڑنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دل کا تعلق اللہ سے ہے باقی اور اگر کسی کے ساتھ تعلق ہے تو اللہ کی وساطت سے ہے جہاں درمیان میں اللہ نہیں ہے اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے بیوی سے محبت ہے اللہ کے حکم کے تحت تو اللہ سے ہی تعلق ہے، اولاد سے محبت ہے اللہ کے حکم کے ساتھ تو اللہ سے ہی تعلق ہے اور اسی طرح سے باقی سارے کے سارے تعلقات یعنی اصل اعتماد اور اصل تعلق جو ہے وہ رب کے ساتھ ہے۔

یہ بھی شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہزار افراد جو رب سے بیگانے ہوں اور ہوں اپنے رشتہ دار وہ اس ایک لفظ پر قربان کیے جاسکتے ہیں جو لفظ اللہ کی طرف سے آیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آیا ہے ''واتبع سبیل من اناب الی'' کے تحت، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رشتہ دار ہزار ہوں ان کو ایک بے گانے پر قربان کیا جا سکتا ہے جو بیگانہ آشنا ہو رب کو جاننے والا ہو، جو رب سے تعلق رکھنے والا ہو تو خانقاہی اعمال کی انتہاء تو یہ ہوگئی کہ انسان رب کا ہو جائے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اور مدرسہ جو ہے یہ ساری شریعت واحکام کا جامع ہے۔

بغیر شریعت کے طریقت نہیں آسکتی:

اور یہ طریقت جو ہے اسی شریعت کے پردے میں آتی ہے، شریعت کو چھوڑ کر طریقت نہیں آتی، موضوع تو بہت دور نکل گیا لیکن ایک بات کہہ دوں آپ کو آم کے

رس کی ضرورت ہے لیکن اس نے ایک شکل بنائی ہے کہ آم کا رس آپ کو ایک خاص شکل میں ملے گا اگر آپ خربوزے کی شکل میں آم کا رس تلاش کرنا چاہیں تو نہیں ملے گا، تربوز کی شکل میں آم کا رس تلاش کرو گے تو نہیں نکلے گا یہ اللہ تعالیٰ نے عادت بنائی ہے کہ پہلے شکل اس کے بعد اس کی حقیقت، ہر چیز کی خاص شکل ہے، خاص رنگ ہے، خاص ذائقہ ہے، آپ دوسری شکل سے اس کو حاصل کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے اس لیے اصل تو ہے اللہ کا ذکر، ہر کام اللہ کے ذکر کیلئے ہے لیکن ایک ذکر ایسا ہے جو نماز کی شکل میں آئے گا اب اگر آپ نماز نہیں پڑھتے اور یوں کہیں کہ ہم تو چوبیس گھنٹے اللہ کے ذکر میں رہتے ہیں تو آپ جھوٹ بولتے ہیں، نماز والا ذکر بغیر نماز پڑھے نہیں حاصل ہو سکتا، روزے والا ذکر بغیر روزے کے حاصل نہیں ہو سکتا ہے، پہلے صورت اور اس کے بعد حقیقت ہے، شریعت کا اختیار کرنا ضروری ہے اس کے اندر پھر آپ کو طریقت چھپی ہوئی ملے گی۔

اور اگر آپ چاہیں کہ اس ظاہری شریعت کو چھوڑ دیا جائے تو طریقت کسی صورت میں آپ کو نہیں ملے گی اس لیے کوئی صوفی اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ ظاہری اعمال ضروری نہیں، باطنی اعمال ضروری ہیں، باطنی اعمال آ ہی نہیں سکتے جب تک کہ ظاہری اعمال کو اختیار نہ کیا جائے، وضو کرو گے تو وضو کی حقیقت آئے گی کہ طہارت حاصل ہوگی، پاکی آجائے گی اور اسی طرح سے نماز روزہ حج زکوٰۃ جو صورتیں شریعت کی بنائی ہوئی ہیں ان کی برکات آپ کو تبھی حاصل ہوں گی جس وقت آپ ان کی ظاہری صورت کی رعایت رکھیں گے تو شریعت پہلے اور طریقت بعد میں اور مدرسے کے اندر جو قرآن وحدیث پڑھایا جاتا ہے یہ جامع ہے ہر چیز کا اس میں عقائد بھی ہیں، عقیدے کے بغیر کوئی بات نہیں بنتی اور اس میں ظاہری اعمال بھی ہیں شریعت میں جتنے بیان کیے گئے ہیں، اور اس میں ہر چیز کے اصول بھی ہیں باقی آگے مستقل فن،

- قاریوں کا فن مستقل ہو گیا،
- اور علماء کا فن مستقل ہو گیا،
- صوفیاء کا فن مستقل ہو گیا،

تو اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت جو مجمع آپ کے سامنے بیٹھا ہے یہ اہل علم کا بھی ہے، اہل تصوف کا بھی ہے گویا کہ اس میں دونوں قسم کے لوگ بیٹھے ہیں۔

آخرت کا عقیدہ انسان کی زندگی میں انقلاب لاتا ہے:

اور آخر آخر میں جا کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو ترجمۃ الباب باندھا ہے اس پر تفصیل سے بحث کی گنجائش نہیں وہ ہے آخرت کی یاد دہانی، اگر غور کیا جائے تو کئی دفعہ ذہن میں بات آتی ہے کہ آج ہمارے اندر اعمال کا، اخلاق کا، دیانت کا، امانت کا، ہر چیز کا بحران پایا جاتا ہے اس بحران کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ ہم آخرت کو بھول گئے اور آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم نے ایمان باللہ کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ زور ایمان بالآخرت پر دیا ہے "یومنون باللہ والیوم الآخر" جب اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے مانیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا تو خود آ گیا بہت سی آیتوں کے اندر اللہ کے ساتھ آخرت کا ذکر ہے "یومنون باللہ والیوم الآخر" کہ یوم آخرت پر ایمان لانا اس کی اہمیت اللہ پر ایمان لانے کی طرح ہے بلکہ صرف اللہ پر ایمان ہو یہ اتنے انقلاب کا باعث نہیں بنتا جتنا ایمان بالآخرت انقلاب کا باعث بنتا ہے ایمان بالآخرت جو ہے یہ احساس دلاتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں، جو کچھ بول رہا ہوں یہ ضائع نہیں جائے گا بلکہ اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور اللہ اس کا حساب لے گا یہ عقیدہ اگر مستحضر ہے تو انسان کا قول، انسان کا فعل سب درست ہو جائے گا اس لیے ایمان بالآخرت ضروری ہے،

پوری کتاب کا خلاصہ:

شروع کتاب میں نیت کا مسئلہ ذکر کرکے اخلاص کی تعلیم دی اور آگے پھر ساری تفصیل بتائی اور آخر میں جا کر ایمان بالآخرۃ اور آخرت کا مسئلہ ذکر کرکے انجام کی طرف متوجہ کر دیا یہ سب اول سے لے کر آخر تک کا خلاصہ ہے اخلاص کی تعلیم اعمال اور پھر آگے آخرت۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیشہ صحابہ وتابعین کے قول کو لیا ہے:

"باب قول الله و نضع الموازين القسط ليوم القيامة " اللہ نے آخرت کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ ہم قیامت کے دن ترازو لگائیں گے آگے عقیدہ ذکر کر دیا" وان اعمال بنی آدم وقولهم يوزن " بنی آدم کے اعمال بھی اور اس کا قول بھی تولا جائے گا یعنی اس کا وزن کیا جائے گا یہ یوزن کے نیچے بھی اور اوپر بھی دو دو نقطے دیے ہوئے ہیں توزن بھی یوزن بھی دونوں طرح ٹھیک ہے۔ اعمال اور اقوال جمع کے اعتبار سے توزن ہو جائے گا اور اعمالهم و قولهم ہو تو پھر یوزن ہو جائے گا قولھم کی مناسبت سے۔

آگے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قسطاس یہ عدل کے معنی میں ہے یہاں جو" نضع الموازين القسط " میں جو قسط کا ذکر آیا تھا اس اعتبار سے انہوں نے قسطاس کا معنی بھی مناسبت کے طور پر ذکر کر دیا کہ قسطاس سے عدل مراد ہے۔

لیکن غور کرنے کی بات ہے کہ یہ کونسی ایسی بات تھی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود کہہ دیتے کہ قسطاس کا معنی عدل ہے" قال مجاهد " کہنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ جیسے ہم کسی لفظ کا معنی کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ اس لفظ کا یہ معنی ہے یہ ساتھ کہنے

کی ضرورت نہیں کہ مصباح اللغات میں یوں لکھا ہے، یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ امام ویسے ہی کہہ دیتے القسطاس العدل کوئی بات نہیں تھی پوری بخاری کو آپ سامنے رکھ لو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فقہی مسئلہ بیان کرتے ہوئے علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں، کسی لفظ کا معنی بیان کرنے کیلئے علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل اسناد سے دین سمجھنے کا ہے بغیر اسناد کے سمجھنے کا نہیں ہے، معلوم ہوا کہ جو اسناد کے ساتھ دین سمجھا جائے وہی صحیح ہے، یہ اصول اول سے لے کر آخر تک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں موجود ہے کہ صرف اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات صحیح ہے کسی اور کی صحیح نہیں ہے۔

اگر ان کا یہی اصول ہوتا تو مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ کیوں دیتے ہیں، ابن مسیب کا حوالہ کیوں دیتے ہیں، تابعین کے حوالے کیوں دے رہے ہیں فقہی معاملے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تابعین کے اقوال، صحابہ کے اقوال نقل کیوں کرتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث کا مفہوم یہ انسان خود نہیں سمجھ سکتا بلکہ اقوال صحابہ، اقوال تابعین، اقوال تبع تابعین اور سارے کے سارے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں تب جا کر صحیح بات سمجھ میں آتی ہے اور یہ کہنا کہ ہم صرف وہی بات مانیں گے جو قرآن میں ہے یا حدیث میں ہے اس کے علاوہ کوئی بات اور کسی کی بات نہیں مانیں گے یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ نہیں ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ ہے جو قرآن میں آیا ہے وہ بھی مانیں گے، جو حدیث میں آیا ہے وہ بھی مانیں گے اور علماء امت نے قرآن و حدیث میں غور کرنے کے بعد جو مسائل سمجھے ہیں ہم ان کو بھی مانتے ہیں اس لیے ہم جو سند متصل کا لفظ بولتے ہیں تو ہمارا پورا دین سند متصل کے ساتھ ہے۔

حدیث مبارکہ کا ترجمہ:

آگے روایت ذکر کر دی ہے ”کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَان“ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ترازو میں بوجھل اور رحمٰن کو محبوب ہیں آگے وہ کلمات ذکر کر دیئے” سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم“ باب کا عنوان تھا میزان عمل وہ” ثقیلتان فی المیزان“ سے ثابت ہو گیا اور کتاب کا عنوان کتاب التوحید ہے آخر میں تو یہی کلمات اللہ تعالیٰ کی توحید پر بھی دلالت کرتے ہیں اور انہی الفاظ کے ساتھ رد ہو گیا ان کا جو کہتے تھے کہ اعمال یا اقوال کا وزن نہیں ہو سکتا تو اس سے وزن بھی ثابت ہو گیا انہی الفاظ کے ساتھ اپنی بات کو ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے (آمین)۔

طلباء کو اجازت حدیث:

حدیث کے باب میں سند بھی زیر بحث آتی ہے میں نے یہ کتاب صحیح البخاری شوال ۱۳۷۴ھ میں شروع کی مولانا عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس وہ پاکستان بننے سے پہلے دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ میں سے تھے بعد میں انہوں نے کبیر والا میں مدرسہ بنایا تھا، قاسم العلوم میں بھی پڑھاتے رہے ۱۳۷۴ھ میں شوال میں شروع کی اور ۱۳۷۵ھ رجب میں ہماری یہ کتاب ختم ہوئی تو ۱۳۷۵ھ سے ۲۵ سال پچھلی صدی کے اور ۳۲ سال اس صدی کے اٹھاون سال پڑھے ہوئے ہو گئے ہیں، اٹھاون سال پہلے میں نے یہ کتاب اپنے استاذ سے پڑھی تھی، صحیح مسلم میں نے حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی، مسلم کے استاذ مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں صحیح بخاری اور ترمذی کے استاذ اول سے لیکر آخر تک مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاگرد تھے سید انور کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے اور مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاگرد تھے مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اور مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور

سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور سنن ابی داؤد مولانا علی محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی جو بعد میں دارالعلوم کے مہتمم بھی ہوئے شیخ الحدیث بھی ہوئے اور طحاوی اور نسائی شریف مولانا محمد ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھی تھی۔

تو مولانا عبد الخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ میرے اساتذہ میں سے ہیں ان سے مجھے نسبت ہے، یہ تو تھی کتب کی سند اسباق کے اعتبار سے اور جو سند بخاری کی اجازت حدیث ہے وہ مجھے مختلف مشائخ سے حاصل ہے میری زندگی میں جتنے بڑے بڑے حضرات عالی سند والے موجود تھے سب سے میں نے اجازت لی مولانا ادریس کا ندہلوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ مفتی فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ عبد الرشید نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان سب سے اجازت لی مولانا رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو براہ راست شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں ان سے بھی اجازت ہے اور اسی طرح سے دوسرے حضرات بھی ہیں، اصل سند وہی ہے جو پہلے بیان کی اس سند کے ساتھ میں ان طالب علموں کو جو یہاں آپ کے سامنے بیٹھے ہیں روایات حدیث کی اجازت دیتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ یہ اکابر کی اس نسبت کی لاج رکھیں گے یہ نسبت ہمارے لیے باعث سعادت ہے باعث برکت ہے اللہ تعالیٰ اس نسبت کو ہمیشہ قائم رکھے

(آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین